پراسرار اور ہیبتناک ناول
آسیب
ایم اے راحت

دیباچہ

آسیبی ناول "آسیب" حاضر ہے۔ میرے قارئین عرصہ دراز سے فرمائش کر رہے تھے کہ کالا جادو جیسی کوئی کہانی پیش کروں۔ ایسی کہانیاں برسوں میں تخلیق ہوتی ہیں۔

میں عرصہ دراز تک اس کے تانے بانے میں الجھا رہا۔ بالآخر اس کوشش میں کامیابی حاصل ہوئی۔

عقل و خرد کی دنیا کے پیچھے ہم ایک ایسی پُراسرار دنیا کے وجود سے کبھی منکر نہیں ہو سکے جس کے اسرار آج تک سیاہ پردوں میں چھپے ہوئے ہیں اور عقل اس کی انتہاء کو نہیں پہنچ سکی۔ سب کچھ ہے لیکن خالق کائنات نے انسان کو اشرف کیا ہے، اسے مدارج بخشے ہیں۔ ان مدارج کے حصول کے لیے برسوں ریاضت کرنی ہوتی ہے لیکن اسی خالق نے ایک ایسا وجود اس کائنات کو دیا ہے جس کی ریاضت قبول کر کے اس نے اسے روحانیت کے تمام مدارج عبور کرا دیئے ہیں۔ اور یہ وجود "ماں" ہے۔ زیرِ نگاہ ناول اسی وجود کا اعتراف اور اس کی گواہی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ میرا یہ ناول جو میں نے صرف علی میاں پبلی کیشنز کے روح رواں جناب عبدالغفار صاحب کی فرمائش پر لکھا ہے۔ آپ کے ذوق نظر کی مکمل تسکین کرے گا۔ انشاءاللہ

آپ کا

ایم اے راحت

میں ادیب نہیں ہوں۔ واقعات کو کس طرح افسانوی شکل دی جاتی ہے میں نہیں جانتا لیکن ایک بات سے بخوبی واقف ہوں وہ یہ کہ ہر شخص ادیب بن سکتا ہے۔ وہ ایک کہانی ضرور لکھ سکتا ہے اور وہ اس کی اپنی زندگی کی کہانی ہوتی ہے۔ آپ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں اگر آپ کے اندر واقعات کو مربوط کرنے کا شعور ہے اور اس ترتیب کو زیر قلم لا سکتے ہیں تو آپ ادیب بن سکتے ہیں۔ اپنی زندگی کی داستان رقم کر سکتے ہیں۔

اب جبکہ میری زندگی ایک مرکز پر آ گئی ہے۔ ٹھہر گئی ہے اور میں وہ ڈھلان دیکھ رہا ہوں جو سانسوں کے اختتام پر رکتے ہیں تو دل میں یہ خواہش بیدار ہوتی ہے کہ ماضی کو دہراؤں۔ ان لمحات کو رقم کروں جن سے گزر چکا ہوں۔ یہ ایک بہترین مشغلہ ہے خود کو صفحات میں محفوظ کر دوں تاکہ وقت مجھے یاد رکھے۔

شعور سے پہلے کیا تھا' انسان خود نہیں جانتا۔ دوسرے جانتے ہیں کوئی بتانے والا ہو تو ٹھیک ہے۔ نہ تو سب کچھ کھو جاتا ہے۔ میری زندگی کے وہ سال گمشدہ ہیں جب بے شعوری کی عمر تھی۔ شعور کی سوچ میں ابا جی موجود تھے۔ کہیں نوکری کرتے تھے۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ خوشحالی تھی' پھر نہ جانے کیا ہوا ماں نے رو رو کر آنکھیں سجا لیں۔ ابا دوبارہ گھر نہیں آئے۔ اور پھر گھر میں فاقے ہونے لگے۔ ماں نے روٹی پکانا چھوڑ دی۔ وہ ابا کے بارے میں بھی کچھ نہ بتاتی میں پوچھتا تھا تو وہ رونے لگتی تھی۔ میں دوسروں کی باتیں سن کر ہی صورتِ حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک دن خالہ احمدی کو کہتے ہوئے سنا۔

"حسینہ' اس سے تو اچھا ہے تو زہر کھالے۔"

"دل تو یہی چاہتا ہے احمدی آپا۔ مگر....."

"ہاں۔ ہاں۔ بول۔ مگر۔" احمدی خالہ نے کہا۔ اماں نے میری طرف دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی' میں نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ کھانے پینے کی باتیں سن کر میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ "اس کا خیال ہے نا؟" احمدی خالہ میری طرف اشارہ کر کے بولیں۔

"ہاں احمدی آپا۔"

"نہیں نہیں اماں۔ تمہارا جو دل چاہے کھالو۔ میں تم سے نہیں مانگوں گا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ مجھے احساس تھا کہ ماں بھی بھوکی ہے۔ اسے کچھ کھانے کے لئے مل رہا ہے تو ٹھیک ہے۔

"خدا سے ڈر حسینہ۔ ایسے مرنے سے کیا فائدہ۔"

"تو بتاؤ۔ کیا کروں؟"

"تیری عدت پوری ہوئے بھی پانچ مہینے گزر گئے۔ نکاح کر لے۔"

"ہائے آپا۔ عزیز احمد کی روح کیا سوچے گی؟"

"عزیز احمد کی روح تجھے خوان نہیں دے جاتی۔ مرنے والے کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا۔"

"مگر آپا!"

"دیکھ یہ گناہ نہیں ہے۔ اللہ رسول کا حکم بھی ہے اور پھر تیرا بیٹا چھوٹا ہے وہ بھی تو کچھ نہیں کر سکتا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر۔"

"پھر وہی مگر۔"

"آپا۔ میری بات تو سنو۔"

"ضد مت کر حسینہ۔ دیکھ تو اپنے بچے کو' کانٹا ہوا جا رہا ہے۔"

"ہائے آپا۔ میں کیا کروں؟"

"ٹھیک ہے۔ تو مت کر ہم کریں گے۔"

"کیا کرو گی؟"

"میں فضل خان سے بات کرتی ہوں۔"

"فضل خان سے؟"

"کھاتا پیتا ہے۔ دو بھینسیں ہیں گھر میں۔ سو روپے روز کی آمدنی ہے۔ بیوی مرے ہوئے چار سال گزر گئے ہیں۔ کئی بار کہہ چکا ہے کہ احمدی آپا۔ کسی نیک بخت سے نکاح کرا دو ثواب ہو گا۔"

"مگر احمدی آپا۔" اماں کمزور لہجے میں بولی۔

"بیٹا پل جائے گا تیرا۔ میری مان لے۔" احمدی خالہ نے کہا اور اماں نے سر جھکا لیا۔

پھر ایک دن خوب تماشہ ہوا۔ فضل خاں دودھ والا جو کبھی ہمارے گھر میں دودھ دینے آتا تھا۔ خوب بن ٹھن کر ہمارے گھر آیا۔ اس کے ساتھ اور بھی لوگ آئے۔ اماں نے نئے کپڑے پہنے مجھے بھی پہنائے پھر چھوارے تقسیم ہوئے۔ پھر احمدی آپا مجھے اپنے ساتھ لے گئی۔

دوسرے دن صبح کو فضل خان احمدی خالہ کے ہاں آیا۔ "وہ آپا۔ حسینہ اسے یاد کر رہی ہے۔"

"ہاں۔ ہاں لے جاؤ فضل خان۔"

"آؤ نادر۔ تمہاری اماں تمہیں بلا رہی ہے۔" میں فضل خاں کے ساتھ چل پڑا جب وہ میرے گھر سے آگے بڑھا تو میں نے کہا:

"کہاں جا رہے ہو فضل خان؟"

"تمہاری اماں کے پاس۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"میرے گھر میں۔"

"میاں یہ کیا کہہ رہے ہو؟ وہاں وہ کیا کر رہی ہے؟"

اماں نے مجھے خوب پیار کیا۔ وہ نئے کپڑوں میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے میرے سامنے مٹھائی رکھ دی۔ "لے کھا۔"

"تم یہاں کیا کر رہی ہو اماں؟"

"یہ گھر کیسا ہے؟"

"یہ تو فضل خان کا گھر ہے۔"

"اب ہم یہیں رہیں گے۔ اور سنو اب تم انہیں فضل خاں نہ کہا کرو۔ یہ تمہارے ابا ہیں۔"

"ہشت۔ یہ تو دودھ والا ہے۔ ابا تو اسے خوب ڈانٹتے تھے اور کہتے تھے' اوئے فضل خاں تو دودھ میں پانی ملانا نہیں چھوڑے گا۔ اور یہ کہتا تھا' ارے نہیں۔ عزیز بھائی قسم لے لو جو دودھ میں پانی ملایا ہو۔"

"جھوٹی قسم کھاتا ہے۔" ابا کہتے تھے۔

"سمجھا کرو عزیز بھائی۔ میں تو پانی میں دودھ ملاتا ہوں۔ پھر ابا اس کے سر پر دھول جما کر کہتے۔

"بے حیا کہیں کا!"

"بکواس مت کرو نادر۔ اب یہ تمہارے ابا ہیں۔"

احمدی خالہ نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "نادر تمہاری اماں کی شادی ہو گئی ہے فضل خاں سے اب تم اسے ابا کہا کرو!"

"تم اسے ابا کہہ لیا کرو احمدی خالہ۔ میں تو اسے کبھی ابا نہیں کہوں گا اور میں نے یہی کیا۔" فضل خاں کو میں ابا تو کیا کہتا لیکن میں نے اس کی درگت بنا کر رکھ دی تھی۔ ہر طرح اسے پریشان کرتا۔ شب برات پر میں نے بھینس کی دم میں پٹاخے باندھ دیئے اور جب فضل خاں دودھ دوہنے بیٹھا تو میں نے پٹاخوں میں آگ لگا دی۔ بھینس نے فضل خاں کو اٹھا اٹھا کر مارا تھا اور ماں ایک مہینے تک اس کے بدن پر ہلدی چونا باندھتی رہی تھی۔

پھر وقت آگے بڑھا۔ قدرت نے مجھے ایک بہن دی' پھر ایک بھائی دیا۔ پھر دوسری بہن اور دوسرا بھائی۔ اس کے ساتھ ہی فضل خاں نے بھی پر پرزے نکال لئے تھے۔ اور میرے پر بھی کٹ گئے تھے اور پرزے فضل خاں نے مار مار کر خراب کر دیئے تھے۔ مجھے اب بہت سے کام کرنے پڑتے تھے۔ بھینسوں کو نہلانے لے جاتا۔ سارا گوبر سمیٹتا۔ گھر کی صفائی کرتا۔ بچوں کو سنبھالتا جو کام نہ کرتا اس پر مار پڑتی تھی اور فضل خاں

میری پٹائی کے لئے نئے نئے انداز استعمال کرتا۔ لکڑی' رسی' ربڑ کے ٹکڑے۔ پورا بدن گل و گلزار بن چکا تھا۔ ماں بچاتی تو اسے بھی پٹنا پڑتا۔

احمدی خالہ نے ایک دن میرے زخم دیکھتے ہوئے کہا "تو تو زہر ہی کھا لے نادر۔ یہ فضل خاں تجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"اس سے تو اچھا ہے احمدی خالہ میری شادی کرا دو!"

"ایں۔ کیا بک رہا ہے؟" احمدی خالہ حیرت سے بولیں۔

"تم نے اماں سے بھی تو یہی کہا تھا کہ یا تو وہ زہر کھا لے یا نکاح کر لے۔"

"ارے دیکھو۔ کیسی زبان چلا رہا ہے۔"

"جھوٹ تو نہیں کہہ دیا خالہ۔"

فضل خاں کو اب مجھے مارنے میں بہت مزا آتا تھا۔ بہانے تلاش کرتا رہتا تھا۔ میں اسے کوئی موقع نہ دیتا تب بھی وہ کوئی موقع نکال لیتا۔

الیاس بھائی بڑے بانکے سجیلے جوان تھے۔ مجھ سے بڑی گاڑھی چھنتی تھی۔ ایک دن گنا بھنبھوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر رک گئے۔ بولے "نادر۔ گنا کھائے گا؟"

"کھلا دو الیاس بھائی۔" الیاس بھائی نے آدھا گنا توڑ کر میرے حوالے کر دیا۔ پھر بولے۔

"یار تجھ سے ایک کام ہے۔"

"بولو۔"

"وہ تیرے گھر کے سامنے حمیدہ رہتی ہے۔"

"ہاں۔ محمود چچا کے گھر میں نا؟"

"اسی کی بات کر رہا ہوں۔ سلام دعا ہے اس سے تیری؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ میں انہیں سلام کرتا ہوں تو وہ مجھے دعا دیتی ہے۔" میں نے جواب دیا تو الیاس بھائی ہنسنے لگے۔

"زندہ باد۔ کیا دعا دیتی ہے؟"

"وہ تو مجھے یاد نہیں۔"

"خیر تو ایک کام کرنا۔"

"کیا؟"

"اس سے ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔"

"بس؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"اور جو وہ جواب دے مجھے آکر بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور الیاس بھائی نے جیب سے اٹھنی نکال کر مجھے دیتے ہوئے کہا۔

"لے عیش کر۔"

آٹھ آنے۔ پورے آٹھ آنے۔ میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگا۔ الیاس بھائی آگے بڑھ گئے تھے لیکن میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ میرے پاس آٹھ آنے تھے۔ گھر سے کبھی کبھی دو پیسے مل جاتے تھے۔ وہ بھی جب کبھی فضل خاں موڈ میں ہوتا تھا۔ ورنہ روٹی مل جاتی تھی یہ کیا کم تھا۔ اور آج میرے پاس آٹھ آنے تھے۔ آج دوستوں کے عیش کرا دیئے جائیں وہ بھی کیا یاد کریں گے۔

چنانچہ سب کو جمع کیا۔ دین محمد کی دکان سے پیڑے خریدے گئے اور سب نے کھائے۔ پھر غلامو نے مجھے خوشبو دار بیڑی پلائی۔ آٹھ آنے ختم ہو گئے تو سکون ہوا۔ منہ وغیرہ صاف کر کے گھر چل پڑا۔

کوئی خاص بات نہیں تھی۔ گھر کے کام معمول کے مطابق کئے تھے۔ پھر اٹھنی حلال کرنے کا خیال آیا۔ الیاس بھائی کو جواب بھی دینا تھا۔ محمود چچا کے ہاں پہنچ گیا۔ محمود چچا پہلوانی کرتے تھے۔ ان کے دونوں بیٹے بھی یہی کام کرتے تھے۔ حمیدہ باجی صحن میں نہیں نظر آئی۔ البتہ محمود چچا اور فیاض بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔

"حمیدہ باجی کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ تو اپنی نانی کے ہاں گئی ہے۔" فیاض بھائی نے کہا۔

"کب آئے گی؟"

"پتہ نہیں۔ کیا کام ہے؟ محمود چچا نے پوچھا۔

"کام ہے!"

"کیا بات ہے۔ مجھے بتا دے میں اس سے کہہ دوں گا!" محمود چچا بولے۔

"میرا نہیں الیاس بھائی کا کام ہے!"

"کس کا؟" دونوں باپ بیٹے چونک پڑے۔

"وہ الیاس بھائی ہیں نا۔ پلیا پار جو رہتے ہیں۔"

"ابے ہاں۔ آگے تو بول۔"

"انہوں نے سلام کہا ہے حمیدہ باجی کو۔"

"کیا؟" محمود چچا چارپائی سے نیچے اتر آئے۔

"ہاں۔ سلام کہا ہے انہوں نے۔"

دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ فیاض بھائی کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

"اس کی تو... انہوں نے نیفے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ لیکن محمود چچا نے انہیں پکڑ کر نیچے بٹھا دیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ ان دونوں کی یہ کیفیت میرے لئے حیران کن تھی۔

"ابا تم۔" فیاض بھائی بھنچے بھنچے لہجے میں بولے۔

"ابے تو چپ ہو گا یا نہیں؟" محمود چچا دہاڑے پھر مجھ سے بولے۔ "بیٹھ جا بیٹا نادر بیٹھ جا!"

"بس چچا گھر جاؤں گا۔"

"ہاں۔ چلے جانا۔ تجھ سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"پوچھو۔" میں بیٹھ گیا۔

"کیا کہا تھا الیاس بھائی نے؟"

"یہی کہ حمیدہ کو میرا سلام کہہ دینا اور جواب میں وہ جو کچھ کہے وہ انہیں بتا دوں۔"

"کہیں بلایا ہے اس نے حمیدہ کو!"

"ایں۔ نہیں تو۔"

"اچھا تو نے پہلے کبھی حمیدہ کو اس کا سلام کہا ہے؟"

"نہیں کبھی نہیں۔"

"ان دونوں کو باتیں کرتے تو سنا ہوگا۔"

"نہیں محمود چچا۔"

"ہوں۔ اچھا تو پھر یوں کرنا رات کو آجانا۔ حمیدہ آجائے تو اسے سلام کہہ دینا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں جاؤں؟"

"ہاں۔ لیکن کسی کو یہ بات بتانا نہیں۔"

"نہیں بتاؤں گا۔" میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ رات کو گھر میں ماچس ختم ہوگئی تو فضل خان نے پیسے دیتے ہوئے کہا:

"چل بے' ماچس لے آ۔" میں پیسے لے کر چل پڑا۔ الیاس بھائی اور حمیدہ ا خیال آیا۔ دو منٹ کی تو بات تھی۔ محمود چچا کا گھر دور ہی کتنا تھا۔ ماچس خرید رہا تھا ک فیاض بھائی آگئے۔

"نادر۔" انہوں نے آواز دی۔

"جی فیاض بھائی!"

"حمیدہ آگئی ہے؟"

"میں خود آرہا تھا فیاض بھائی۔" میں نے ماچس لے کر جیب میں رکھی۔ دکاندار ا پیسے دیئے اور فیاض بھائی کے ساتھ چل پڑا۔

"سن۔" وہ بولے۔

"جی فیاض بھائی۔"

"حمیدہ کو یہ مت بتانا کہ تونے ہمیں یہ سب بتا دیا ہے۔ سمجھ گیا نا۔ اگر تونے ا بتا دیا تو کاٹ کر ڈال دوں گا۔"

"کیسے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تجھے اور کیسے؟"

"نن۔ نہیں بتاؤں گا۔ مجھے کیا پڑی ہے۔" میں نے فیاض بھائی کا چہرہ دیکھتے ہو کہا۔ مجھے تو ان سے ویسے بھی ڈر لگتا تھا۔

پھر وہ دروازے پر ہی رک گئے اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں اندر داخل ہوگیا۔ حمیدہ باجی محمود چچا کے پلنگ پر بستر بچھا رہی تھیں۔ محمود چچا موجود نہیں تھے۔ مجھے دیکھ کے حمیدہ باجی مسکرائی۔

"آنادر۔ خیر ہے۔"

"ہاں باجی۔ وہ۔"

"کیا بات ہے؟"

"وہ الیاس بھائی۔"

"کون الیاس بھائی؟"

"وہ جو ماما رمضان کے گھر کے سامنے رہتے ہیں۔"

"ہاں تو پھر؟" حمیدہ باجی کا منہ بگڑ گیا۔

"وہ جی۔ انہوں نے سلام کہا ہے۔"

"کسے؟"

"تمہیں باجی۔"

"کیوں؟ میں کیا اس کی ماں لگتی ہوں یا بہن لگتی ہوں؟"

"اس نے کہا ہے کہ آپ جو کہیں میں اسے بتا دوں۔"

"تو پھر اس سے کہنا دیرا کہ اپنی ماں کو سلام کر۔ بہن کو سلام کر۔ اور یہ بھی کہہ دینا اس سے کہ اب بہت ہوگیا۔ ابا کو بتانا ہی پڑے گا۔ میں تو اس لئے خاموش رہی کہ جھگڑا ہوگا بدنامی ہوگی۔ جا اب دفعان ہو جا۔"

حمیدہ باجی بہت بگڑ گئی تھی۔

اسی وقت فیاض اور محمود چچا اچانک نمودار ہوگئے۔ محمود چچا نے حمیدہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"جیتی رہ بیٹی۔ اب اسے تو ہم دیکھ لیں گے۔ اور تو۔ فضل خاں تیرے ہاتھ ٹھیکہ کرتا ہے۔ چل نکل جا۔ اور خبردار۔ دوبارہ ہمارے گھر میں قدم نہ رکھنا۔" فیاض بھائی نے اپنے چوڑے ہاتھ سے میری گردن پکڑی اور دروازے سے باہر دھکا دے دیا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ بہرحال میں خاموشی سے گھر واپس آگیا۔ لیکن

دوسرے دن صورت حال بہت بگڑ گئی تھی۔ مجھے تو اس وقت پتہ چلا جب میں گھر کے کا
کر رہا تھا اور دروازہ بڑی زور سے کھلا تھا۔

فضل خاں دودھ بانٹنے گیا تھا اور وقت سے پہلے اندر آ گیا تھا۔ اس نے مجھے آوا
دی۔

"نادر!"

"جی ابا!"

"باہر آ" اس نے کہا۔ اور میں باہر نکل آیا۔ لیکن باہر بہت سے لوگ جمع تھے۔
الیاس بھائی کو رسی سے باندھ لیا گیا تھا۔ ان کا منہ سوجا ہوا تھا۔ چہرے پر بہت سے نیلے
نشان پڑے ہوئے تھے۔ بہت سے لوگ ہمارے دروازے کے سامنے جمع تھے۔

"ادھر آ نادر.........!" محمود چچا نے کہا۔

"اوئے تو نے ان لوگوں سے جھوٹ کیوں بولا؟" الیاس بھائی نے مجھے گھورتے
ہوئے کہا۔

"او تو چپ کر۔" محمود چچا نے الیاس بھائی کے منہ پر ایک اور گھونسہ جڑ دیا۔

"اس نے جھوٹ بولا ہے چچا۔" الیاس بھائی بولے۔

"میں کہتا ہوں چپ کر تو۔"

"کیا کہا تھا اس نے؟" فیاض بھائی بولے۔

"سلام کہلوایا تھا حمیدہ باجی کو۔"

"اور کیا کہا تھا؟"

"کہا تھا کہ وہ جو جواب دے انہیں بتا دوں۔"

"کیا کہا حمیدہ نے؟"

"یہ کہ اپنی ماں کو سلام کر۔ اپنی بہن کو سلام کر۔"

"سن لیا تم لوگوں نے؟"

"مارو اس کتے کو۔ بستی کی بہن بیٹیوں سے بدتمیزی کرتا ہے۔" پھر سب مل کر
الیاس بھائی کو مارنے لگے اور میرے اوسان خطا ہو گئے۔ اسی وقت فضل خاں نے میرا کان
پکڑ لیا مجھے اسی کا خدشہ تھا۔

"اور تو نے اب یہ کام شروع کر دیا ہے؟"

"میں نے تو کچھ نہیں کیا ابا!"

"اندر چل میں بتاتا ہوں۔" فضل خاں بولا اور میرے کان کو بھینس کی رسی سمجھ
کر گھسیٹتا ہوا اندر لے آیا۔

اس کے بعد کی تفصیل بے کار ہے۔ فضل خاں مجھے مارنے میں بڑی لذت محسوس
کرتا تھا۔ دل بھر کر مارا......... ایک بار ماں بچانے آئی تو اسے بھی گدھے کی طرح لات
ماری اور وہ دور جا پڑی۔ پھر اس ستم ظریف نے مجھے بھینس کے کھونٹے سے باندھ دیا۔
میرے ایک پاؤں میں رسی بندھی ہوئی تھی اور دونوں ہاتھ پشت پہ کس دیئے گئے تھے۔
باہر کیا ہوا مجھے نہیں معلوم تھا لیکن میں بھوکا پیاسا کھونٹے سے بندھا یہ یاد کرتا رہا
کہ صبح اٹھ کر کس کا منہ دیکھا تھا۔

رات ہو گئی۔ سب لوگوں کے عیش تھے۔ روشنی ہو چکی تھی۔ فضل خاں کھانا
کھانے بیٹھا تو ماں نے عاجزی سے کہا۔

"سارا دن بھوکا رہا ہے۔"

"کون؟"

"نادر۔"

"تین دن بھوکا رکھنا ہے کتے کے پلے کو۔"

"مر جائے گا........." ماں کی آنسو بھری آواز ابھری۔

"ارے چھوڑ......... بڑا سخت جان ہے۔"

"معاف کر دو اسے۔"

"میں تو معاف کر دوں گا مگر الیاس خاں اسے معاف نہیں کرے گا۔"

"کیوں؟"

"چھری لے کر اس کی تلاش میں نکلا ہے۔ کہہ رہا ہے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"ارے واہ۔ قصور اس کا ہے۔ نادر کو کیوں مارے گا؟"

"مجھے کیا معلوم؟"

"تم نے بات نہیں کی اس سے؟"

"کہتا ہے اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ یہی جھوٹ بولتا ہے۔"

"وہ کیوں جھوٹ بولے گا؟"

"چل بکواس نہ کر۔ مجھے روٹی کھانے دے۔" فضل خاں نے یہ کہہ کر باتِ گول کر دی اور ماں خاموش ہو گئی۔ جانتی تھی اب بولے گی تو گدھے کی لات کھانے پڑے گی۔

لیکن میرے اوسان خطا تھے۔ تین دن تک بھوکا رہوں گا اور پھر الیاس بھائی مجھے چھری مار کر قتل کر دیں گے۔ کیا کروں؟

وقت گزرتا گیا۔ خوب رات ہو گئی تھی۔ میں زمین پر پڑا آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب کیا ہوگا۔ دوسرے بہن بھائی سو چکے تھے۔ فضل خاں بھی ایک طرف سو رہا تھا۔ چاروں طرف گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بھوک پیاس نے مجھے نڈھال کر دیا تھا اور مجھ پر نیم غشی طاری تھی۔

اچانک مجھے اپنے قریب سرسراہٹ سنائی دی۔ آنکھیں کھولیں تو چکر آ گیا۔ کچھ نظر نہیں آیا۔ تبھی کان کے پاس سرگوشی سنائی دی۔

"نادر۔ میں ہوں۔"

"کون.......... اماں؟"

"ہاں ٹھہر میں تیرے ہاتھ پاؤں کھولتی ہوں۔" کچھ دیر کے بعد میرے ہاتھ پاؤں کھل گئے اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اماں!" میرے منہ سے آواز نکلی۔

"تو بھاگ جا یہاں سے نادر۔ بھاگ جا بیٹا۔"

"کہاں اماں؟"

"کسی اور گاؤں میں چلا جا بیٹا۔ کسی کے گھر نوکری کر لینا۔ کسی کی بھینس کا کام کر لینا تجھے دو وقت کی روٹی مل جائے گی۔"

"اماں۔ میں بھوکا ہوں۔"

"یہ روٹی ہے بیٹا۔ گڑ ہے۔ بوتل میں پانی ہے۔ گاؤں سے باہر نکل کر کھا لینا!"

"اماں۔ مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا۔"

"ہمت کر بیٹا۔ فضل خاں جاگ گیا تو تجھے بھی مارے گا اور مجھے بھی۔ بیٹا ہمت کر۔" ماں کی آواز میں آنسو گندھے ہوئے تھے۔

"اماں!"

"ہمت کر میرے لعل۔ جو کچھ میں کر بیٹھی ہوں۔ اب اس کا کوئی مداوا نہیں ہے میرے پاس۔"

"ٹھیک ہے اماں۔"

"تو بس نکل جا یہاں سے۔ اللہ تیرا ٹھکانہ کرے۔"

"تو کیا کرے گی؟"

"میں ٹھیک ہوں نادر۔ میری فکر مت کر!"

"تو میں چلتا ہوں۔"

"یہ تھوڑے سے پیسے بھی ہیں۔ سنبھال کر رکھ لے۔"

"اچھا اماں!" میں نے ساری چیزیں سمیٹیں۔ اماں نے ایک بار مجھے سینے سے لگایا اس وقت مجھے ایک ماں کی کیفیت کا ادراک نہیں تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ماں پر کیا گزر رہی ہے۔ میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ہر گھر کا چراغ بجھ چکا تھا۔ دور سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس وقت بھوک نے نڈھال کر رکھا تھا۔ روٹی پاس تھی اور بس دل میں ایک خیال تھا کہ کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں بیٹھ کر روٹی کھا لوں۔ یہی لگن تیز چلا رہی تھی۔ ڈر تھا نہ خوف' بستی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ کچھ دیر کے بعد ماما رمضان کے کھیتوں پر نکل آیا۔ مجھے پتہ تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہوتا۔ ایک جگہ بیٹھ گیا اور پھر بے چینی سے روٹی کا کپڑا کھول لیا۔

ماں نے بہت سی روٹیاں پکا دی تھیں۔ گڑ بھی کافی تھا.......... دو روٹی اور گڑ کھایا۔ جان میں جان آئی تھی۔ پھر پانی پیا تو پورے بدن میں سنسناہٹ دوڑنے لگی۔ دل چاہا کہ یہیں لیٹ جاؤں۔ مگر لیٹنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ کوئی جگہ تلاش کرنی چاہئے۔ اور یہاں سے دور نکل جانا بھی ضروری ہے.......... ماں نے کہا تھا۔

"تو یہاں سے چلا جا.......... کسی اور گاؤں میں جا کر نوکری کر لینا..........!" میں چونک پڑا اور میں نے سوچا۔ "کیا کوئی اور گاؤں بھی ہے.......... ہاں ضرور ہے۔ ورنہ بستی

میں مہمان کہاں سے آتے تھے؟"

کیسا ہوگا دوسرا گاؤں.........؟ میں نے زندگی میں کوئی دوسرا گاؤں نہیں دیکھا تھا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ کبھی رانی تال کے میلے میں گیا تھا جو بستی سے کچھ دور سال میں ایک بار لگتا تھا۔ وہ جگہ بھی زیادہ دور نہیں تھی۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ رانی تال چلوں۔ میلہ لگتا تھا اور وہاں کچی مٹی کی دوکانیں بنی ہوئی تھیں۔ میلہ ختم ہو جاتا تو یہ دوکانیں بھی خالی ہو جاتی تھیں اور پھر سال بھر خالی پڑی رہتی تھیں۔ میں وہاں آرام سے سو سکتا تھا۔ چنانچہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چل پڑا۔

اور پھر رات کی تاریکی میں میرا یہ سفر جاری رہا۔ ہوا چل رہی تھی۔ کھیت لہلہا رہے تھے۔ اچانک مجھے خوف کا احساس ہوا۔ پہلی بار یہ احساس میرے دل میں جاگا کہ میں اکیلا ہوں اور چاروں طرف تاریکی ہے۔ لیکن اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ یہاں کون آئے گا اور کوئی آ بھی جائے تو میرا کیا بگاڑ لے گا۔ ہمت کر کے میں تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔

پھر گاؤں پیچھے رہ گیا۔ اب کچھ نہیں نظر آرہا تھا......... پھر تھوڑی روشنی پھیل گئی۔ یا پھر اب میری آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ مجھے بھورے مٹی کے ٹیلے......... جنگل کے درخت نظر آنے لگے تھے۔ پھر دور سے رانی تال بھی نظر آگیا۔ ویران دوکانوں کی قطار بکھری ہوئی تھی۔ میری رفتار اور تیز ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد رانی تال آگیا اور میں دوکانوں کے پاس پہنچ گیا۔ سب سے پہلی جو دوکان سامنے آئی اس میں داخل ہو کر میں نے اپنا مختصر سامان نیچے رکھا۔ میں تھکن سے چور تھا۔ اول تو مار پڑی تھی۔ پھر دن بھر بھوکا پیاسا رہا تھا۔ اس لئے نڈھال ہو رہا تھا۔ ماں کی دی ہوئی روٹیوں کے کپڑے پہ سر رکھا اور لیٹ گیا۔

ایسا وقت کبھی نہیں پڑا تھا......... اب کیا ہوگا......... دوسرا گاؤں کیسا ہو گا؟ نوکری کیسے ملے گی؟ یہ تمام خیالات دماغ میں آنے لگے اور دل چاہا کہ چیخ چیخ کر روؤں......... آنسو آنکھوں سے باہر نکل پڑے۔ رونے میں بہت مزا آرہا تھا۔ ایک عجیب سی فرحت دل کو ہو رہی تھی۔ پھر اچانک ایک آواز ابھری......... ایک عجیب سی

آواز......... اور میرا دل اچھل پڑا......... یہ کیسی آواز ہے......... میں سہم کر اٹھ گیا۔

"آہ کوئی ہے۔ ضرور کوئی آس پاس موجود ہے......... مگر کون؟"

O-----------------O

میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھور رہا تھا۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ کوئی چل رہا ہے۔ کہیں کوئی خطرناک جانور نہ ہو۔ کبھی کبھی بستی میں درندہ گھس آتا تھا۔ بکریوں کو اور چھوٹے بچوں کو زخمی کر دیتا تھا۔ اب کیا ہوگا۔ میرے پاس تو کوئی ڈنڈا بھی نہیں ہے۔ میں نے ٹٹول کر آس پاس کوئی پتھر تلاش کرنے کی کوشش کی۔ پانی کی بوتل سے ہاتھ لگا اور بوتل گر کر دور سرک گئی۔ رات کے سناٹے میں اس کی آواز بھی ابھری تھی لیکن اس آواز کی وجہ سے دوسری آواز رک گئی۔

میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ شدید خوف سے جان نکلی جا رہی تھی۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر قدموں کی چاپ دوبارہ سنائی دی۔ اب مجھے ایک انسانی ہیولا اپنی طرف بڑھتا نظر آرہا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لئے کہ کہیں چیخ نہ نکل جائے۔ لیکن پھر ایک آواز ابھری۔

”کون ہے؟“

میں نے اور مضبوطی سے منہ بھینچ لیا۔ ہیولا اب بالکل قریب آگیا تھا۔ آواز دوسری بار سنائی دی۔ ”کون ہے؟“ اس کے ساتھ ہی ماچس کی تیلی جلی اور میرے حلق سے چیخ نکل ہی گئی۔

”ایں......... کون ہے؟“ اس بار آواز میں حیرت تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے احساس ہوا کہ یہ آواز کچھ جانی پہچانی سی ہے۔ ماچس کی دوسری تیلی جلی اور وہ جو کوئی بھی تھا میرے قریب آگیا۔ ”بولتے کیوں نہیں۔ کون ہو۔ اس بار بھی نہ بولے تو چھری مار

دوں گا!“ آواز نے کہا۔ اور میں نے آواز پہچان لی۔ یہ الیاس بھائی کی آواز تھی۔

”نہیں الیاس بھائی۔ مجھے چھری نہ مارنا۔“

”ایں۔ کون ہے تو؟“

”نن......... نادر......... نادر۔“

”نادر؟“ حیرت سے کہا گیا۔

”ہاں۔“

ماچس کی تیلی پھر جلی۔ اس بار اس کی روشنی میں الیاس بھائی نے میرا چہرہ دیکھا۔ دیکھتے رہے پھر نرم لہجے میں بولے۔

”تو یہاں کیا کر رہا ہے؟“

”سو رہا تھا۔“

”یہاں؟“

”ہاں۔“

”مگر کیوں؟“

”گھر سے بھاگ آیا ہوں۔“

”اوہ‘ کیوں؟“

”اماں نے کہا ہے کہ نادر کہیں اور چلا جا......... ابا نے بہت مارا ہے الیاس بھائی۔ کہہ رہا تھا کہ تین دن بھوکا رکھے گا۔“

”تو ہے بھی تو الو کا پٹھا......... ابے وہاں انکار نہیں کر سکتا تھا؟“

”مجھے کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔“

”بے وقوف کہیں کا۔“

”الیاس بھائی۔“ میں نے سہمی آواز میں کہا۔

”ہوں۔“

”تم مجھے چھری مار دو گے؟“

”کس نے کہا تھا؟“

”فضل خاں نے۔“

"دل تو یہی چاہ رہا تھا مگر۔"

"مگر کیا؟"

"کچھ نہیں۔ ٹھیک ہے۔ ڈر مت۔ کچھ نہیں کہوں گا تجھے۔ وہ سالی ضرورت سے زیادہ ہی پارسا بن گئی۔ اپنا بھی دل اکھڑ گیا یہاں سے.......... لعنت ہے......... ایک بات بتا۔"

"جی الیاس بھائی؟" مجھے تسلی ہو گئی۔

"گھر واپس آئے گا؟"

"نہیں الیاس بھائی۔ اب گھر واپس جاؤں گا تو فضل خاں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"چل پیارے۔ اب یہ نگر چھوڑ دیں۔"

"میں نے تو چھوڑ دیا الیاس بھائی۔"

"جائے گا کہاں؟"

"بس چلتا رہوں گا۔ کہیں کوئی جگہ مل جائے گی۔"

"مجھ سے دوستی کرے گا؟"

"آپ تو میرے بڑے بھائی ہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر میرے ساتھ ہی رہنا۔"

"کیا آپ بھی جا رہے ہیں؟"

"ہاں۔ اب یہاں اپنا بھی ٹھکانہ نہیں ہے۔ سب دشمن بن گئے ہیں۔ مگر ٹھیک ہے۔ سیانے کہتے ہیں کہ سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے۔ ہم بھی قسمت آزمائیں گے۔ شہر چلیں گے ہم کسی بڑے سے شہر۔"

"شہر کیا ہوتا ہے الیاس بھائی؟"

"جو ہوتا ہے دیکھ لینا۔ بھوک لگ رہی ہے۔ صبح تک انتظار کرنا پڑے گا۔ چل اب آرام سے سو جا۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"وہ الیاس بھائی........" میں نے کہا۔

"ہاں بول......... کیا بات ہے؟"

"تمہیں بھوک لگ رہی ہے۔ میرے پاس گڑ اور روٹی ہے۔ کھاؤ گے؟"

"ابے قسم اللہ کی۔ کہاں ہے ابے۔" الیاس بھائی خوشی سے اچھل پڑے۔

"یہ لو........." میں نے دونوں چیزیں ان کے حوالے کر دیں۔ پھر پانی کی بوتل بھی تلاش کر کے ان کے حوالے کر دی۔ الیاس بھائی سب کچھ چٹ کر گئے۔ پھر پانی پی کر کئی ڈکاریں لیں اور پھر میرے قریب ہی لیٹ گئے۔

دوسرے دن صبح ہونے سے پہلے ہم جاگ گئے اور وہاں سے چل پڑے۔ اب مجھے ہمت ہو گئی تھی۔ ایک بڑا ساتھ تھا اب کیا ڈر۔ ہم چلتے رہے پورے دن کا سفر طے کر کے ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت سے گھر نظر آ رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر ایک عجیب سی جگہ نظر آ رہی تھی۔ یہاں بڑا مجمع لگا تھا۔ سب سے زیادہ حیرانی کی چیز وہ تھی جسے دیکھ کر میں سہم گیا۔ بہت سے کمرے ایک ساتھ دوڑ رہے تھے۔

میں سہم کر الیاس بھائی سے چمٹ گیا۔

"کیا ہوا؟" وہ حیرت سے بولے۔

"وہ۔ وہ الیاس بھائی۔ وہ کیا ہے.........؟" میں نے دوڑتے کمروں کی طرف اشارہ کیا۔

"ریل ہے۔ اور کیا ہے۔ تو نے کبھی ریل نہیں دیکھی؟ ابے ہاں۔ تو نے کہاں دیکھی ہو گی۔ یہ ریل ہے۔"

پھر الیاس بھائی مجھے ریل کے بارے میں بتانے لگے اور میں حیرت سے دنگ رہ گیا۔ کمال ہے اس دنیا میں ریل بھی ہوتی ہے۔

ہم آگے بڑھ کر اس بہت لمبے چبوترے پر پہنچ گئے جس پر زبردست مجمع لگا ہوا تھا۔ ریل کھڑی ہوئی تھی۔ روشنیاں ہو رہی تھیں لوگ ریل سے اتر رہے تھے اس میں چڑھ رہے تھے۔ دوکانیں بھی لگی ہوئی تھیں ان پر نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا بالکل رانی تال کا میلہ لگ رہا تھا۔ الیاس بھائی ایک ایسی دوکان پر جا کر کھڑے ہوئے جہاں نان کباب بک رہے تھے۔

"چار نان۔ آٹھ کباب۔" انہوں نے کہا۔ اور دوکان دار کے ہاتھ جلدی جلدی چلنے لگے۔ وہ دوسرے لوگوں کو بھی نان کباب دے رہا تھا۔ پیسے لے رہا تھا' پیسے دے رہا

تھا۔

پھر اس نے الیاس بھائی کو بھی نان کباب دے دیئے اور دوسرے گاہک کو نمٹانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "اڑتیس روپے۔ صاحب۔!"

"بارہ روپے واپس کر بھائی!" الیاس بھائی بولے۔

"آپ نے کیا دیا ہے صاحب!"

"پچاس کا نوٹ۔"

"پچاس کا نوٹ؟" دوکاندار یاد کرنے لگا۔

"او جلدی کر یار......... ریل چھوٹ جائے گی۔ بعد میں یاد کر لینا........" الیاس بھائی بولے اور دوکاندار نے بارہ روپے انہیں واپس کر دیئے۔ الیاس بھائی میرا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے آگے بڑھے اور پان والے کی دوکان پر پہنچ گئے۔

"چار پان ڈبل......... ایک پیکٹ سگریٹ ایک ماچس........." دوکاندار جلدی جلدی پان بنانے لگا۔ تمام چیزیں لینے کے بعد الیاس بھائی بولے "پیسے واپس دے بھائی......... جلدی ریل چل پڑے گی۔"

"صاحب آپ نے کیا دیا ہے؟"

"بیس روپے۔"

"جی صاحب۔" دوکاندار نے الیاس بھائی کو دیکھا اور باقی پیسے ان کے حوالے کر دیئے۔ پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے ایک طرف چل دیئے۔ میں سخت حیران تھا لیکن میں نے کچھ نہیں کہا۔ کافی دور لال رنگ کے بہت سے ڈبے کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ بند تھے کچھ کھلے ہوئے۔ الیاس بھائی نے ایک کھلا ڈبہ تاکا۔ مجھے سہارا دے کر اوپر چڑھایا پھر خود بھی اوپر آ گئے۔ ڈبے میں لاتعداد ٹاٹ کی بوریاں چنی ہوئی تھیں۔ بیٹھنے کے لئے بہترین جگہ بنی ہوئی تھی۔ وہ آرام سے بیٹھ گئے اور کاغذ کھول کر نان کباب سامنے رکھ لئے۔

"لے یار۔ ڈٹ کر کھا!"

دن بھر کی بھوک تھی۔ دو روٹیاں اور تین کباب میں چٹ کر گیا۔ الیاس بھائی نے بھی جی بھر کر کھایا۔ اس دوران وہ ریل چھک چھک کرتی ہمارے سامنے سے گزر گئی تھی۔ سامنے کچھ فاصلے پر نلکا لگا ہوا تھا۔ ہم نے نیچے اتر کر پانی پیا اور پھر دوبارہ اس ڈبے پر

آ بیٹھے۔ الیاس بھائی نے ایک پان منہ میں دبا کر سگریٹ سلگایا اور اس کے گہرے گہرے کش لینے لگے۔ پھر مجھے دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔

"پیٹ بھر کر کھایا ہے نا؟"

"جی الیاس بھائی لیکن۔!"

"ہاں کیا ہے؟"

"ایک بات بتائیں۔"

"پوچھو!"

"وہ نان کباب والے کو آپ نے پچاس کا نوٹ دیا تھا؟"

"ابے دماغ خراب ہوا ہے کیا۔"

"کیوں؟"

"میں نے پچیس سال سے پچاس کا نوٹ آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ دیتا کہاں سے؟"

"تو پھر.........؟"

"ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔"

"اور پان والے کو بھی بیس روپے نہیں دیئے تھے؟"

"کل بارہ روپے جیب میں تھے اس وقت۔ آٹھ روپے اس نے واپس کئے۔ اب کہیں جا کر بیس روپے ہوئے ہیں۔"

"اوہ۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"یہ بچی ہوئی روٹیاں اور کباب اچھی طرح کاغذ میں لپیٹ کر رکھ لے۔ صبح کا ناشتہ اسی سے ہوگا اور رزق کی بے حرمتی نہیں کرتے۔"

میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ الیاس بھائی نے کئی سگریٹ پئے۔ پھر بولے۔

"گھر یاد آ رہا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر آرام سے سو جا۔" وہ خود بھی بوریاں بچھا کر لیٹ گئے۔ میں نے بھی ایسا ہی

کیا۔ رات گہری ہوتی جارہی تھی۔ تاریک آسمان پر ستارے بکھرے ہوئے تھے۔ مجھے گھر واقعی یاد آرہا تھا۔ لیکن وہ گھر مصیبتوں بھرا تھا.......... ماں کے علاوہ وہاں کچھ بھی نہ تھا.......... اور ماں.......... اسے یاد کرتے ہوئے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ لیکن رونا بیکار ہے۔ اس نے فضل خاں سے شادی کیوں کی تھی۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ فضل خاں نے مار مار کر میرا بھرکس بنا دیا۔

نہ جانے کب نیند آگئی۔ گہری نیند سو رہا تھا کہ بڑی زور کا دھکا لگا اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں یہ جاننے کی کوشش کرنے لگا کہ کیا ہوا کہ دوبارہ دھکا لگا اور پھر روشنی کے کھمبے بھاگنے لگے۔

"الیاس بھائی۔" میرے منہ سے ڈری ڈری آواز نکلی۔

"سو جا یار۔ کچھ نہیں ہے۔ سو جا۔"

"یہ کھمبے کیسے بھاگ رہے ہیں؟"

"کھمبے نہیں بھاگ رہے ریل چل پڑی ہے۔"

"کہاں؟"

"او سو جا۔ پتہ چل جائے گا۔" الیاس بھائی نے کروٹ بدل لی۔ میں سہما ہوا بیٹھا رہا۔ ریل نہ ہوئی بیل گاڑی ہو گئی۔ پھر آخری روشنی بھی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

یہ اس نئی زندگی کا آغاز تھا۔ یوں تو بچپن سے عمر کی ایک منزل تک کی کہانی دلچسپیوں سے خالی نہیں ہے۔ میں نے شہر دیکھا۔ شہر دیکھ کر مجھ پر جو بیتی آج بھی یاد کرتا ہوں تو خود پر ہنستا ہوں۔ کیا کیا لطیفے ہوئے تھے۔ الیاس بھائی نے کافی ساتھ دیا لیکن وہ چار سو بیس آدمی تھے۔ شہر میں بھی انہوں نے اپنا وہی کاروبار جاری رکھا۔ کئی جگہ مار کھائی مجھے اس میں بھی ان کا ساتھ دینا پڑا۔ پھر ایک بار وہ پکڑے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ مقدمہ چلا دونوں کو جیل ہو گئی مجھے بچہ جیل میں بھیجا گیا تھا۔ بس یہیں سے الیاس بھائی کا ساتھ چھوٹ گیا۔ جیل سے رہا ہو کر انہیں تلاش کیا وہ نہیں ملے۔ پھر ماسٹر غیاث علی ملے۔ نیک دیندار آدمی تھے۔ مجھے گھر لے گئے۔ گھر کے کام کاج کرتا تھا۔ وہ مجھے پڑھاتے تھے۔ یہاں سے میں پڑھنا لکھنا سیکھ لیا اور ماسٹر صاحب بہت خوش ہوئے۔ ان کی پانچ بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی نہیں تھا۔ سب سے بڑی لڑکی فرزانہ مجھ سے ایک سال چھوٹی تھی مگر

چند سال بڑی لگتی تھی۔ میں اسے فرزانہ باجی کہتا تھا۔

ایک دن صحن میں پیپل کے پیڑ کے نیچے سو رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ کوئی میرے پاس آکر لیٹ گیا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے حیرت سے کہا تو میرے منہ پر ایک ہاتھ آجما۔

"شور کیوں مچا رہا ہے۔" سرگوشی فرزانہ باجی کی تھی۔

"باجی!"

"کیا باجی باجی لگا رکھی ہے۔ چھوٹی ہوں تجھ سے۔"

"یہاں کیوں آگئیں؟"

"اندر بڑی گرمی ہے۔ دیکھ تو پسینے میں بھیگ رہی ہوں۔" انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے قمیض کے نیچے پسینہ دکھایا۔ عجیب پسینہ تھا۔ میں نے جلدی سے ان سے ہاتھ چھڑا لیا۔ اور پلنگ سے نیچے اتر آیا۔

"میں کہیں اور سو جاتا ہوں۔"

"پاگل ہوا ہے کیا۔ چپکا پڑا رہ۔"

"نہیں باجی۔"

"پھر باجی۔"

"باجی۔ آپ جائیں یہاں سے۔"

"نہیں جاؤں گی۔"

"میں ماسٹر صاحب کو آواز دے لوں گا۔"

"نادر.......... تو جوان ہو چکا ہے۔ کیا تجھے اپنی جوانی کا احساس نہیں؟"

"بس آپ جائیں.........." میں نے کہا۔ اسی وقت ماسٹر غیاث کی کھانسی کی آواز ابھری اور فرزانہ باجی بجلی کی طرح تڑپ کر اٹھ گئیں اور پھر دبے پاؤں اندر چلی گئیں۔

دوسرے دن میں ماسٹر غیاث علی کے ساتھ اسکول گیا تو انہوں نے کپڑوں کی ایک پوٹلی مجھے دے کر کہا۔ "نادر بیٹے۔ تو بہت اچھا ہے۔ خدا تجھے خوش رکھے۔"

"مگر یہ کیا ہے ماسٹر صاحب!"

"تیرے کپڑے!"

"کیا کروں ان کو؟"

"یہ دو سو روپے ہیں۔" ماسٹر صاحب نے مجھے نوٹ دیتے ہوئے کہا۔

"کہیں جانا ہے؟"

"ہاں!"

"کہاں؟"

"اپنی تقدیر پر بھروسہ کر۔ جہاں بھی تجھے لے جائے۔ بیٹے اب میں تجھے گھر
نہیں رکھ سکتا۔ بچیاں جوان ہو گئی ہیں۔ لوگ انگلیاں اٹھاتے ہیں۔"

میں نے خاموشی سے یہ چیزیں ان سے لے لیں۔ میں سمجھ گیا تھا کہ رات کو ما
صاحب جاگ رہے تھے۔ واقعی میں جوان ہو گیا تھا۔ کیونکہ میں نے ماسٹر صاحب سے
نہیں کہا تھا۔ اور خاموشی سے وہاں سے چل پڑا تھا۔

بہت کچھ ملا تھا مجھے اس گھر سے۔ اتنا علم مل گیا تھا کہ دنیا کو سمجھ سکوں۔ اعتماد
پیدا ہو گیا تھا۔ وہ شہر بھی چھوڑ دیا اور ایک نئے شہر میں آ گیا۔ یہاں ریلوے کے ایک
خانے کے منشی صاحب تھے۔ نام فیض خاں تھا۔ انہوں نے مجھے حساب کتاب کی نوک
دے دی جس کی تنخواہ وہ اپنے پراسرار وسائل سے ادا کرتے تھے۔ ریلوے کے کوا
میں رہتے تھے۔ ایک بیٹا ریاض خاں تھا بیوی تھیں۔ مجھے بھی اسی گھر میں ہی پناہ مل گئی۔

ریاض خاں آوارہ منش تھا پورا گھرانہ دلچسپ تھا۔ فیض خاں کے بارے میں
چلا کہ دنیا کا ہر نشہ کر چکے ہیں اور اب ہر نشہ ان پر بے اثر ہے۔ پھر بھی اخلاقاً افیون کھا
کرتے تھے۔ وہ کسی خاص مشن پر کام کر رہے تھے۔ عجیب عجیب بھٹیاں بنا رکھی تھیں
عجیب برتنوں میں کچھ پکاتے رہتے تھے۔

"یہ آپ کیا کرتے ہیں فیض چچا؟"

"اپنے کام سے کام رکھا کر.........!" انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا۔

"میں نے تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔"

"میرے ساتھ کام کرے گا؟"

"کیا کام!"

"یہی جو میں کرتا ہوں۔"

"میں نے پوچھا تو تم نے ڈانٹ دیا۔"

"رازداری کا وعدہ کر۔"

"کیا........." میں نے کہا۔

"سونا بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کیمیا بنا رہا ہوں۔"

"یہ کیا ہوتا ہے؟"

"اس سے سونا بنتا ہے۔"

"تو پھر.........؟"

"بس ذرا سی کسر رہ جاتی ہے لیکن کامیاب ہو جاؤں گا۔" پھر میں نے بھی ان کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ نہ جانے کیسی کیسی جڑی بوٹیاں تلاش کرتے پھرتے تھے۔ مجھے بھی ان کے ساتھ جھک مارنی پڑتی تھی۔ ایک دن ریاض نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو آج کل تم بھی ابا کے ساتھ سونا بنا رہے ہو؟"

"پتہ نہیں۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"یہ دونوں پاگل ہیں۔"

"دونوں کون؟"

"اماں اور ابا۔"

"کیا بکواس ہے؟ اپنے ماں باپ کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو؟"

"کیا کروں؟ بچپن سے یہی دیکھ رہا ہوں۔"

"مگر چچی کیا کرتی ہیں؟"

"دیکھا نہیں تم نے؟"

"کیا؟"

"الٹے سیدھے وظیفے پڑھتی رہتی ہیں۔ جنات اور آسیب کو قبضے میں کرنے کے لئے۔"

"کیا.........؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"دونوں ہی مریض ہیں........." ریاض خاں اپنے ماں باپ کی ذرا بھی عزت نہیں کرتا تھا ویسے خود بھی کوئی بہتر انسان نہیں تھا' لیکن مجھے ان تمام باتوں سے کیا غرض' وقت

گزر رہا تھا اور میں بہت کچھ سیکھتا جا رہا تھا' فیض خاں کیمیا بنانے کی کوشش میں اپنا وقت ضائع کرتا رہا اور پھر ایک دن آدھی رات کے وقت جب تمام لوگ گہری نیند سو رہے تھے اچانک فیض خان کی چیخوں سے سارا گھر لرزنے لگا۔ سب ہی جاگ گئے۔ فیض خان شعلوں میں گھرا ہوا تھا اور پورے گھر میں لوٹتا پھر رہا تھا لیکن عجیب سی آگ تھی' یہ آگ اس کے لباس سے اٹھتی محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ یوں لگتا تھا جیسے اس کے بدن کی کھال جل رہی ہو' گوشت جلنے کی چراند اور نیلے شعلوں نے اس کے پورے بدن کو اپنے لپیٹے میں لیا ہوا تھا ریاض خاں کمبل لے کر اس کی طرف دوڑا تو اس کی ماں نے ریاض خاں کا کالر پیچھے سے پکڑ لیا اور اسے ایک جانب دھکیلتی ہوئی بولی.........

"اگر تو اس کے قریب پہنچا تو تیری کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں ہوگی........."

"مم......... مگر......... وہ مر جائے گا........."

"اس نے یہ موت خود خریدی ہے' حالانکہ میں نے اسے منع کیا تھا........."

"کیا مطلب.........؟" ریاض خان بولا.........

"کیا یہ مطلب بتانے کا وقت ہے۔" اس کی ماں نے جسے میں چچی کہا کرتا تھا سخت لہجے میں کہا......... مجھے بہت عجیب سا محسوس ہوا چچی کی کیفیت بتا رہی تھی کہ وہ فیض خان کو جلنے دینا چاہتی ہے' لیکن کیوں.........؟ آخر کیوں.........؟ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی تھی فیض خان زمین پر گر کر تڑپتا رہا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد جھلس کرج مر ہو گیا۔ میرے لئے یہ نہایت سنسنی خیز لمحات تھے' ریاض خاں بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے باپ کو موت کی آغوش میں جاتے دیکھ رہا تھا' چچی جان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا.........

"میرا سہاگ ختم ہو گیا' لیکن کیا کروں اس انسان کو کس طرح سمجھاتی پوری زندگی ہی سمجھاتے سمجھاتے گزری ہے' نہ باپ نے کبھی کچھ کیا نہ بیٹے نے' کانٹوں کی سج پہ جھلستی رہی ہوں میں........."

"لل......... لیکن' لیکن........."

"نہیں......... بیکار ہے' نادر بیٹے بیکار ہے۔ نہ تم کچھ کر سکتے ہو نہ میں اور نہ ہی ریاض خان کچھ کر سکتا تھا۔ فیض خاں کو مرنا ہی تھا۔ میں جتنی کوشش کر سکتی تھی کر لی'

کامیاب نہیں ہو سکی........." اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ عجیب کردار تھا اس عورت کا کوئی بات سمجھ میں ہی نہیں آئی تھی میرے! بہرحال اہل محلّہ کو علم ہوا کہ فیض خان جھلس کر مر گیا ہے۔ سب ہی اس سے نالاں معلوم ہوئے۔ میں حالانکہ خاصے دن یہاں گزار چکا تھا لیکن نہ جانے کیوں یہ خاندان میری نگاہوں میں بے حد پُراسرار تھا۔ اب دنیا کو سمجھنا آ گیا تھا' ویسے بھی عمر کم نہیں رہی تھی وقت کے ساتھ ساتھ کافی آگے بڑھ گیا تھا اور دنیا کو بہت گہری نگاہوں سے دیکھ چکا تھا پھر آہستہ آہستہ باتیں سمجھ میں آنے لگیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ چچی جان اپنا سہاگ لٹ جانے کی وجہ سے دل برداشتہ رہنے لگی تھیں۔ انہوں نے بیوگی خود پر طاری کر لی تھی لیکن شوہر کے سلسلے میں جب بھی کبھی گفتگو ہوتی ان کا لہجہ تلخی سے بھرپور نظر آتا تھا' بالآخر ایک دن یہ راز بھی کھل گیا۔ ریاض خان تو اپنی آوارہ گردی میں مصروف رہتا تھا صرف میں تھا جو چچی جان کا رازدار' ہمدرد' مونس اور غم خوار تھا انہوں نے کہا۔

"شادی کے بعد سے آج تک۔ یعنی اس وقت تک جب تک فیض خان زندہ رہا صحیح معنوں میں مجھے یہ احساس ہی نہیں ہو سکا کہ عورت کو زندگی میں کبھی مرد کا تحفظ مل سکتا ہے یا نہیں' میں ان تمام چیزوں سے محروم رہی ہوں۔ زندگی کے ہر شعبے سے گزرنے کے لئے مجھے اپنے طور پر ہی سب کچھ کرنا پڑا ہے........."

"لیکن چچی جان بات کیا ہے.........؟"

"بات کیا ہوتی میں خود بھی ایک معمولی سے گھرانے کی فرد ہوں' دیکھو بیٹے ہر انسان زندگی اپنے طور پر اپنے انداز میں گزارتا ہے۔ جیسے اس کے وسائل ہوتے ہیں' لیکن اگر کوئی وسائل کی تلاش میں زندگی کھو دینے پر تل جائے تو اس کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے۔ فیض خان ابتدا ہی سے کچھ کرنے کا قائل نہیں تھا' بلکہ اسی طرح جیسے اب اس کا بیٹا ریاض کچھ نہ کرنے کا قائل ہے۔ آوارہ گردی کی زندگی بسر کرنے کے بعد اپنے لئے پیٹ بھر روٹی حاصل کر لیتا ہے' تن پر کپڑا حاصل کر لیتا ہے اور بس اس کے بعد اس دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے........."

"ہاں یہ تو میں دیکھ رہا ہوں........."

"جبکہ زندگی ایسی چیز نہیں ہے........."

"مجھے اندازہ ہے چچی جان.........."

"یہی کیفیت فیض خان کی تھی' مجھ سے شادی ہو گئی' جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ ایک معمولی سے گھرانے کی فرد ہوں میں بھی' میرے ماں باپ نے بھی مجھے یوں سمجھ لو اپنے شانے کے بوجھ کی مانند اتار دیا تھا اور یہ بوجھ فیض خان نے کبھی قبول نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ اپنے مشاغل میں مصروف رہا اور اس نے ساری زندگی سونا بنانے کے چکر میں گزار دی' مجھے بھی اس نے اسی راستے پر لگا دیا نہ جانے کیسے کیسے گنڈے' تعویذ اور عمل' نیک اور بد' میں کچھ نہیں جانتی بس کچی عمر میں آئی تھی اس کے پاس اس کے رنگ میں رنگ گئی۔ لیکن جوں جوں زندگی آگے بڑھی مجھے یہ احساس ہوتا چلا گیا کہ ایک انتہائی نکمے اور بدنیت انسان کے ساتھ زندگی کا یہ سفر کرنا پڑے گا' بہرحال نادر' انسان کا اپنا ایک ماحول ہوتا ہے میرا بھی یہی ماحول تھا' رفتہ رفتہ میں نے یہ سب کچھ قبول کر لیا لیکن فیض خان کی کارکردگی سے مجھے کبھی اطمینان نہیں حاصل ہوا۔ میں بھی چلے وظیفوں کی عادی ہو گئی اور اپنے طور پر اسی انداز میں کام کرنے لگی۔ پھر یہ کم بخت ریاض خان میری زندگی میں آیا لیکن اس نے بھی جوان ہونے کے بعد جو روپ اختیار کیا اب وہ تمہارے سامنے ہے.........."

"لیکن چچی جان وہ آگ کیسی تھی جس نے فیض خان کو جھلسا دیا..........؟" چچی جان کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پھیل گئی' تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا..........

"اس نے بھیروں جگانے کی کوشش کی تھی.........."

"کیا..........؟"

"ہاں.......... وہ اپنی کوششوں میں ناکام رہتا تھا' تمام کوششیں کر لی اس نے۔ اس کا کہنا تھا کہ کیمیا بنانے کے لئے بس ایک ایسی کسر باقی رہ جاتی ہے جو آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر وہ کسر بھی پوری ہو جاتی تو وہ سونا بنا کر دنیا کا امیر ترین انسان بن سکتا تھا.........."

"پھر..........؟" میں نے سوال کیا۔

"پھر میں نے اسے بھیروں جگانے کی ترکیب بتا دی.........."

"کیا..........؟"

"ہاں.........."

"آپ نے بتا دی چچی جان..........؟"

"ہاں.......... مجھے معلوم تھا.........."

"مگر کیسے..........؟"

"یہ نہ پوچھو بیٹے.........." چچی جان نے کہا۔

"لیکن چچی جان اس ترکیب کے بعد تو فیض خان کی زندگی ہی نہ رہی.........."

"آسان کام نہیں تھا' بہت مشکل کام تھا' جن' بھوت' پریت' آسیب' آسانی سے قابو میں تو نہیں آتے وہ کسی انسان کی غلامی کیوں پسند کریں گے' لیکن ہاں اگر انسان کے پاس طاقت ہو تو وہ یہ غلامی قبول کر سکتا ہے اور یہی بابا سفیدے کا کہنا ہے.........."

"بابا سفیدے.........." میں نے چونک کر پوچھا..........! اور محسوس کیا کہ چچی جان بھی ایک دم چونک گئی ہیں۔

"بہت زیادہ باتیں نہیں کرتے.........."

"لیکن چچی جان میرے دل میں یہ خیال ہے کہ میں آپ سے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کروں۔" وہ مجھے غور سے دیکھنے لگیں پھر بولیں۔

"بابا سفیدے ایک عجیب و غریب انسان ہے' سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان' کون سے مذہب سے تعلق رکھتا ہے' بہت فاصلے پر اس نے اپنی ایک مڑھیا بنا رکھی ہے اسی میں رہتا ہے' بہت کم لوگوں سے ملتا ہے' کبھی کبھی کسی کا کوئی کام بھی کر دیتا ہے مجھ پر خاص طور سے مہربان ہے' یقین کرو میں نے پورے خلوص کے ساتھ اس سے بھیروں جگانے کی ترکیب پوچھی تھی.........."

"مگر بھیروں ہے کیا چیز..........؟"

"کالے علم کا ایک دیوتا جو اگر قابو میں آجائے تو بہت سے کام آسان ہو جاتے ہیں اگر بھیروں جگا لیا جاتا تو سونا بنانے کی وہ ترکیب آسانی سے فیض خان کو حاصل ہو جاتی اور اس کے بعد اس کا کام بن جاتا' وہ میرے پیچھے پڑا ہوا تھا' بہت عرصے سے پیچھے پڑا ہوا تھا لیکن بابا سفیدے نے صاف صاف کہہ دیا تھا.........."

"کیا کہہ دیا تھا.........؟"

"یہ کہ بھیروں جگانے میں اگر اسے ناکامی ہوئی تو پھر وہ زندگی نہ پاسکے گا........"

"یعنی مر جائے گا.........!"

"ہاں........"

"تو پھر........؟"

"میں نے وہ ترکیب فیض خان کو بتادی........"

"اور فیض خان اس سلسلے میں مصروف ہو گئے؟"

"ہاں........"

"آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے چچی جان کہ وہ بھیروں جگانے کی اس ترکیب کو صحیح طور پر استعمال ہی نہیں کر سکے........"

"یہی بات ہے........"

"اور ان کے بدن کو آگ لگ گئی........"

"اس آگ کو کوئی نہیں روک سکتا تھا اور اسے بجھانے کی کوشش کرنے والا خود بھی اسی آگ کا شکار ہو جاتا اسی لئے میں نے ریاض خان کو اور تمہیں اس سے منع کیا تھا۔"

"یہ تو بہت بری بات ہوئی........"

"دیکھو بیٹے ویسے تو انسان بڑی کمزور شخصیت کا مالک ہوتا ہے لیکن بہتر یہی ہوتا ہے کہ اسے اپنے طور پر اپنی زندگی گزارنے کا بندوبست کرنا چاہئے اور ایسے طریقوں سے دولت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے........"

"مگر انسان چاہتا تو یہی ہے چچی جان........"

"ہاں یہی چاہتا ہے، تمہیں ہنسی آئے گی کہ اب میں خود بھی اس کی عادی ہو چکی ہوں........"

"کیا؟"

"طویل زندگی پڑی ہے میرے سامنے نہ جانے کس طرح وقت گزرے، نہ جانے کیا ہو، کچھ نہیں کہا جاسکتا........"

"ٹھیک ہے لیکن اب آپ کیا کریں گی؟"

"کیا کر سکتی ہوں؟ تم دیکھ رہے ہو کہ ریاض خان میرا بیٹا ہونے کے باوجود میرے لیے بالکل ہی ناکارہ ہے، غالباً اس کے ذہن میں یہ تصور کبھی بھی نہیں آیا کہ وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے اور ماں کی زندگی کے لئے اسے کچھ کرنا چاہئے۔ میں نے بھی دوسری ماؤں کی طرح اس کے لئے طرح طرح کے خواب دیکھے تھے اس گھر کو ایک اچھے گھر کی مانند سجانا چاہا تھا اپنے بیٹے کی زندگی، اس کا مستقبل شروع کرنے کی خواہش کی تھی میں نے، لیکن کیا کروں ہر خواہش پوری تو نہیں ہو جاتی، وہ میرے ساتھ کسی طور تعاون نہیں کرتا۔ تم خود دیکھ رہے ہو آوارہ گردی کرتا رہتا ہے، بس اس کے علاوہ اسے کسی اور شے سے دلچسپی نہیں ہے لیکن میرے سامنے میری ایک طویل زندگی پڑی ہے........"

"چچی جان میں آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں........" میں نے کہا اور چچی جان کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بیٹے میں نے زندگی میں کبھی غیر حقیقی وقت نہیں گزارا۔ میں جانتی ہوں کہ جب اپنا خون ہی اپنے ساتھ وفا نہ کر سکے تو دوسروں پر کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟"

"چچی جان لیکن کبھی کبھی غیر بھی اپنوں سے زیادہ بہتر ثابت ہوتے ہیں........"

"ہاں یہ ایک کہانی تو ہے لیکن میں نے صرف کہانی کے طور پر اسے سنا ہے اپنی آنکھوں سے کبھی ایسا نہیں دیکھا........"

"میں کوشش کروں گا کہ اس کہانی کو حقیقت ثابت کر سکوں........" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گئیں اور میں اس گھرانے کے بارے میں سوچتا رہا، واقعی اب سوچنے کا انداز تبدیل ہو گیا تھا۔ عمر اب اس منزل پر آگئی تھی کہ اپنی آنکھوں سے دنیا کی ان حقیقتوں کو دیکھ سکوں۔ بہرطور اس کے بعد ریاض خان کا وہی وطیرہ تھا آوارہ گردی کرتا، رات کو واپس آجاتا، کبھی نشے کے عالم میں کبھی کسی اور کیفیت میں۔ بھلا میں اسے کیا ٹوک سکتا تھا جبکہ اس کی ماں اس کی اصلاح نہیں کرپائی تھی، لیکن میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ چچی جان کے چلے اور وظیفوں کا وہی عالم ہے، راتوں کو جاگتی رہتی ہیں ویسے میں نے کبھی اسے نماز وغیرہ پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ جبکہ تہجد گزار اور دین دار لوگ اپنی بقاء کے لئے یا اپنی عاقبت کے لئے اس قسم کے وظائف کیا کرتے ہیں، چچی جان کا سلسلہ کچھ

مختلف ہی تھا اور مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس کے راستے بھی درست نہیں رہے' نہ جانے اب اسے دولت کی خواہش کیوں تھی' ہو سکتا ہے اپنے بیٹے کو ایک بہتر مستقبل دینا چاہتی ہو' یوں زندگی کا ایک یہ دور بھی گزرا اور ذہن مختلف تبدیلیاں قبول کرتا رہا' یہاں تک کہ ایک دن چچی جان نے کچھ عجیب سے الفاظ میرے سامنے کہے..........

"نادر اب تم اتنے بڑے ہو چکے ہو کہ تمہیں اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہئے.......... کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے تمہیں' میں نہیں چاہتی کہ ریاض کی طرح تم بھی ایک بے مقصد اور بے نام سی زندگی گزار دو۔" میں سوچ میں ڈوب گیا' ماضی کے جو نقوش میرے ذہن پر چسپاں تھے وہ کبھی کبھی مجھے اپنا گھر یاد دلا دیتے تھے' لیکن اب میں یہ سوچتا تھا کہ واقعی دنیا میں رہنے والے جس انداز میں زندگی گزارتے ہیں مجھے اس سے مختلف زندگی نہیں گزارنی چاہئے۔ مجھے کچھ سوچنا چاہئے اپنے بارے میں بھی' لیکن کیا.......... یہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا' میں نے کہا..........

"چچی جان میں خود بھی یہی چاہتا ہوں.........."

"صرف چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا' ہر کام کے لئے کچھ نہ کچھ عمل کرنا ہوتا ہے۔"

"میں کیا عمل کر سکتا ہوں؟"

"دیکھو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وقت بہت بدل گیا ہے نئی دنیا کے نئے لوگ ذرا مختلف انداز میں سوچنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ لیکن ہم ان ضرورتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے' جو بہرحال اپنا ایک مقام رکھتی ہیں.........."

"میں سمجھا نہیں چچی جان!"

"دولت.......... دولت.......... اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس دنیا میں صرف دولت کی عزت کی جاتی ہے' تم خود کتنی ہی اچھی شخصیت کے مالک کیوں نہ ہو کوئی مقام کبھی نہیں حاصل کر سکتے' کسی خوبصورت سی عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرو' دروازے کا چوکیدار تمہیں دروازے پر ہی روک دے گا' ہاں اگر تم کسی اعلیٰ درجے کی کار میں بیٹھ کر اس دروازے تک پہنچو تو وہ پہلے تمہیں سلام کرے گا اور اس کے بعد ادب سے گیٹ کھول کر کھڑا ہو جائے گا۔ یہ جانے بوجھے بغیر کہ تم کون

ہو.........."

"یقیناً چچی جان ایسا ہوتا ہے.........."

"تو کیا تم اپنے آپ کو ان لوگوں میں شامل کرنا چاہتے ہو جو دروازے پر کھڑے ہو کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرتے ہیں یا پھر ان لوگوں میں جو کھلے دروازے سے باآسانی اندر داخل ہو جاتے ہیں؟"

چچی جان دنیا کا ہر شخص اپنے لئے تمام دروازے کھلے ہی دیکھنا چاہتا ہے.........."

"لیکن یہ اتنا آسان تو نہیں.........."

"میں جانتا ہوں.........."

"اب تمہیں تجربہ بھی ہو چکا ہوگا.........."

"کافی حد تک.........."

"تو پھر اس کے لئے کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

"میں نہیں جانتا کہ یہ کوشش میں کیسے کر سکتا ہوں.........."

"ہاں میں تمہیں بتا سکتی ہوں.........."

"تو بتائیے.........."

"ہر جمعرات کو بابا سفیدے کے پاس جایا کرو.........."

"یہ بابا سفیدے کیا چیز ہیں؟"

"اس انداز میں ان کے بارے میں گفتگو نہ کرو' بہت کارآمد شخصیت ہیں' اگر اس کی نظر تم پر ہو گئی تو یوں سمجھ لو کہ تمہارے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔"

"چچی جان میں چاہتا ہوں.........."

"تو پھر ٹھیک ہے میرے ساتھ چلنا.........." اور پھر پہلی بار میں بابا سفیدے کی خانقاہ پر پہنچا۔ ایک ویران سی جگہ آباد کر رکھی تھی اس نے۔ قرب و جوار میں پہاڑی ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ تھوڑے سے ناریل کے درخت بھی اگے ہوئے تھے' پانی کا ایک چشمہ بھی تھا اور اس کے درمیان بابا سفیدے نے اپنی جھونپڑی بنا رکھی تھی' عقیدت مند اپنی کاروں میں بیٹھ کر وہاں جایا کرتے تھے۔ اور نہ جانے کیا کیا حاصل کرنے کی کوشش کیا

کرتے تھے' بابا سفیدے ایک بھاری بدن کا آدمی تھا' سر گنجا' داڑھی بہت بڑی لیکن چہرے پر ایک ایسی کرختگی ایسی خشونت اور آنکھوں میں ایک ایسی کیفیت نظر آتی تھی کہ اسے دیکھ کر ایک کراہیت کا احساس ہوتا تھا۔ حالانکہ چچی جان کا کہنا تھا کہ وہ ایک پہنچی ہوئی شخصیت ہے' لیکن پتہ نہیں وہ شخصیت کہاں تک پہنچی ہوئی تھی کم از کم مجھے تو اس کا اندازہ نہیں ہو سکا' چچی جان نے مجھے ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا"

"یہ نادر ہے.........."

"میں جانتا ہوں.........." بابا سفیدے کے ان الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ لیکن چچی جان کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں پیدا ہوئی البتہ میں نے ہی جرأت سے سوال کیا۔

"آپ جانتے ہیں مجھے؟" میرے ان الفاظ پر بابا سفیدے نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولا۔"

"تیرا کیا خیال ہے کیا میں نہیں جانتا؟"

"نہیں میں اس لئے پوچھ رہا تھا کہ پہلے میری آپ سے ملاقات نہیں ہوئی.........."

"کس وقت کی بات کرتا ہے کیا اس وقت کی جب تیرا باپ اس دنیا سے اٹھ گیا تھا؟"

"جی.........."

"یا پھر اس وقت کی جب تیری ماں نے فضل خاں سے شادی کر کے تجھے زندہ در گور کر دیا تھا.........." اس نے کہا اور میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میں نے خوف بھری نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا اور پہچاننے کی کوشش کرنے لگا تو بابا سفیدے پھر بولا۔

"اور اب تو یہ سوچ رہا ہے کہ کہیں میں تیری بستی کا کوئی آدمی نہ ہوں' کیا تو یہ جاننا چاہے گا کہ اس آوارہ منش الیاس کے ساتھ تو نے اپنی بستی چھوڑ دی تھی یا پھر یہ جاننا چاہے گا کہ اس کے بعد تو فیض خاں کے پاس کیسے آیا؟"

میرے ہوش و حواس اب جواب دے گئے تھے۔ یہ شخص جو کچھ بتا رہا تھا وہ ایک کھلی کتاب کی مانند تھا اور اب بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اس کے سامنے عقیدت گزار نہ ہو جاؤں' جبکہ چچی جان مسکرا رہی تھیں انہوں نے کہا۔

"کہو نادر کچھ اور بھی جاننا چاہتے ہو؟"

"نن.......... نہیں.........." میں نے جواب دیا۔

"کیا چاہتی ہے اس کے لئے؟"

"میں چاہتی ہوں کہ یہ کچھ بن جائے.........."

"خدمت کرنا ہو گی اسے ہماری.........."

"کرے گا.........."

"نہیں کر سکے گا.........."

"نہیں بابا صاحب اگر آپ چاہیں تو ضرور کر سکے گا.........."

"تو اگر اس کی سفارش کرتی ہے تو میں کچھ سوچنے کے لئے تیار ہوں لیکن یہ بھی جان لے کہ اسے جو کچھ کرنا ہو گا وہ رازداری میں رہے گا۔ اس لڑکے کو کل پھر میرے پاس بھیج دینا۔"

"کس وقت بابا صاحب؟"

"کل دوپہر کو ایک بجے.........." بابا سفیدے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر اب بھاگ جا تیرا یہاں رکنا اب بے مقصد ہو گیا ہے.........." بابا سفیدے نے کہا اور چچی جان مجھے وہاں سے اٹھا کر لے چلیں' میں حیرت سے اب بھی گنگ تھا' جو باتیں بابا سفیدے نے بتائی تھیں وہ تو چچی جان کو بھی نہیں معلوم تھیں' تاہم راستے میں میں نے ان سے کہا۔

"چچی جان یہ سب کیا ہے' اس شخص کو میرے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟"

"میں نے تم سے کہا تھا نا نادر کہ وہ بہت پہنچی ہوئی شخصیت کا مالک ہے۔"

"لیکن اتنی ساری باتیں میرے بارے میں جاننا کیسے ممکن ہو سکا؟"

"تم کیا سمجھتے ہو اس قسم کے لوگ حالات سے واقف نہیں ہوتے!"

"نہیں اب تو میں بھی اس کا قائل ہو گیا ہوں۔"

"بابا سفیدے تمہیں جو کچھ بتائے یا تم سے جو کچھ چاہے نادر ہو سکتا ہے وہ سخت ہو لیکن تمہیں وہ سب کچھ کرنا ہو گا۔"

"چچی جان میں نہیں سمجھتا کہ میں وہ کر پاؤں گا یا نہیں۔"

"یہ بات وہ خود تمہیں بتا دے گا..........." چچی جان نے کہا.......... بہرحال دوسرے دن میں مقررہ وقت پر اس کے پاس پہنچ گیا اب میرے دل میں بھی لگن پیدا ہو گئی تھی ایک ایسا شخص واقعی قابل حیرت ہوتا ہے جو کسی کو کسی کے ماضی کے بارے میں وہ باتیں بھی بتا دے جو باتیں خود اس کے اپنے ذہن سے نکل چکی ہوں۔ اس وقت بابا سفیدے کے پاس کوئی موجود نہیں تھا' میں اس کے پاس پہنچا اور میں نے اسے سلام کیا لیکن اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا تھا اس بات پر مجھے حیرت ہوئی تاہم اس شخص نے جس طرح مجھ پر اپنا اثر قائم کر رکھا تھا اس کے تحت مجھے اس بات کو نظر انداز کرنا پڑا بابا سفیدے نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا نہ جانے کیوں اس وقت مجھے اس کے چہرے کے خدوخال بدلے بدلے نظر آئے اس نے مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا' پھر تقریباً پانچ منٹ وہ آنکھیں بند کئے خاموشی سے کچھ سوچتا رہا تھا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے' لیکن بہرطور میں نے خاموشی اختیار کئے رکھی تھی' پھر کافی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں' میری جانب دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"زندگی کے یہ راستے بہت کٹھن ہوتے ہیں لڑکے' کیا تم اپنی زندگی کو ایک بہتر شکل دینے کے لئے ان کٹھن راستوں سے گزر سکو گے؟"

"میں کوشش کروں گا.........."

"اور اس وقت جب تم اس کام کو سرانجام دے لو گے تو تمہیں بہت سی الجھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے شاید تم اکتا جاؤ........."

"میں کوشش کروں گا کہ نہ اکتاؤں........."

"ہوں.......... تو اب ایسا کرو کہ ایک پتہ ذہن میں رکھ لو۔ کل تمہیں اس جگہ جانا ہے وہاں تمہیں جو کوئی بھی ملے گا اور تم سے جو کچھ کہے گا تمہیں اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔"

"آپ مجھے پتہ بتا دیجئے.........." میں نے کہا۔

"اور سنو تم جس عورت کے ساتھ آئے تھے وہ اچھی ہے' میری تابعدار ہے لیکن اب میرا اور تمہارا براہ راست واسطہ ہے یہاں جو کچھ ہو یا تمہیں جو کچھ کرنا پڑے

اس کا کسی سے تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے' وقت لگتا ہے ہر کام میں اور تمہیں بھی اس کام میں وقت لگے گا........."

"میں جانتا ہوں........."

"بس تو پھر ٹھیک ہے میں تمہیں پتہ بتائے دے رہا ہوں........" اس نے مجھے جو پتہ بتایا وہ میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور بالآخر اس سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر دوسرے دن منصوبے کے مطابق میں چل پڑا اس علاقے میں' میں شاید پہلی بار آیا تھا۔ شہر سے دور دراز کا علاقہ تھا کچھ تھوڑی سی الگ ہٹ کر آبادی تھی جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مکانات بنے ہوئے تھے۔ زیادہ تر مکانات ٹوٹے پھوٹے تھے کوئی ایک آدھ ہی مکان ثابت ایک یا دو منزلہ نظر آجاتا تھا' گلیاں گندی تھیں اور یہاں کتوں کی تعداد بھی کافی تھی بہرحال جس گھر کا مجھے پتہ بتایا گیا تھا وہ اس آبادی کے آخری سرے پر تھا میں بالآخر تیز قدموں سے چلتا ہوا اس مکان کے سامنے پہنچ گیا نہ جانے اندر سے کیسی آواز اٹھ رہی تھی میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں واپس لوٹ جاؤں اور اس خیال کو دل سے نکال دوں لیکن نہ جانے کون سے جذبے کے تحت میرے قدم رک گئے' دیکھنا تو چاہئے کہ بابا سفیدے کے کہے ہوئے اس مکان میں کیا چیز ہے' میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر زور سے دستک دی اور انتظار کرنے لگا' تھوڑی ہی دیر کے بعد قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ سنائی دی۔ جو دروازے کے قریب آرہی تھی' میرا دل دھڑکنے لگا پھر دروازے کی زنجیر کھلنے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد اس کے دونوں پٹ کھل گئے' میرے سامنے دبلے پتلے بدن کا ایک بھدی سی شکل کا بوڑھا کھڑا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر پیلے رنگ کا لباس تھا جو گردن سے لے کر ٹخنوں تک ایک ہی رنگ کا تھا' وہ کچھ عجیب سی شکل کا مالک تھا' گول گول آنکھیں' ناک طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی اور ہونٹ بھی عجیب سے بدنما ایک ہونٹ نیچے لٹکا ہوا تھا جس سے اس کے نچلے دانت نظر آرہے تھے۔ نہ جانے کیوں میرے دل پر دہشت کا ایک تاثر قائم ہو گیا۔ بہرحال وہ آہستہ سے بولا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہیں بابا سفیدے نے بھیجا ہے' کیا میرا خیال غلط ہے؟"

"نہیں........." میں نے گردن ہلائی۔

"آؤ اندر آجاؤ........" اس نے کہا اور میرے دروازے کے دوسری طرف

جانے کے بعد دروازے کی کنڈی واپس لگا دی' پھر مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ مکان باہر سے بالکل بوسیدہ اور بدشکل نظر آتا تھا اندر سے ایسا نہیں تھا بلکہ خاصا وسیع تھا' بوڑھا مجھے اندرونی کمرے میں لے گیا اور پھر اس کے آخری سرے پر بنی ہوئی چھ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد ایک تہہ خانے میں۔ تہہ خانہ بہت عجیب سا تھا' چھتوں سے جالے لٹکے ہوئے تھے۔ پرانا فرنیچر پڑا ہوا تھا جن میں سے بعض کرسیاں ایسی تھیں جن کے نیچے اینٹیں لگا کر ان کے پایوں کی کمی پوری کی گئی تھی۔ وہ مجھے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے سامنے بیٹھ گیا یہاں اچھی خاصی تاریکی پھیلی ہوئی تھی جبکہ باہر کا ماحول روشن تھا لیکن تہہ خانہ ہونے کی وجہ سے اس میں تاریکی تھی کوئی ایسا روشن دان وغیرہ بھی نہیں تھا جس سے روشنی اندر آئے' میں اس وقت بوڑھے کے خدوخال بھی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور اس نے ایک طرف رکھے ہوئے مٹی کے تیل کے لیمپ کو جلا دیا جس سے کمرے میں زرد روشنی پھیل گئی' اس زرد روشنی میں مجھے اس کا چہرہ بے حد بھیانک نظر آ رہا تھا پھر اس نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں میرے ساتھ کچھ وقت قیام کرنا ہوگا.........."

"کتنے وقت؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا' بس یوں سمجھ لو جب تک مجھے تمہاری ضرورت پیش آئے.......... اور اس نے مجھے یہی بتایا تھا۔"

"کس نے؟"

"جس کے پاس سے تم یہاں آئے ہو.........." میں خاموش ہو گیا کچھ لمحے سوچنے کے بعد میں نے کہا۔

"تو پھر مجھے میرے قیام کے لئے جگہ بتا دو.........."

"یہ جگہ سب سے بہتر ہے۔ ویسے سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد تم باہر بھی آ سکتے ہو۔ یہاں تم پر کوئی پابندی ہے نہ قید' سمجھ رہے ہو نا؟"

"ہاں.........." میں نے آہستہ سے کہا' وہ تھوڑی دیر تک میرے پاس بیٹھا رہا اور اس کے بعد کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

"تو اب تم اس جگہ کے مکین ہو.........." یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر نکل گیا' ایک

عجیب سا احساس میرے دل میں جاگزیں تھا اندر کشمکش ہو رہی تھی' جو کچھ میں کر رہا ہوں چچی جان نے جو کچھ کرنے کے لئے کہا ہے' کیا موزوں رہے گا' کیا یہ انوکھی زندگی مجھے راس آ سکتی ہے' کیا یہ سب کچھ جو میرے اپنے ذہن میں بالکل نہیں تھا ممکن ہو سکتا ہے؟ تمام تصورات اور خیالات میرے دل و دماغ کو الجھا رہے تھے' لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا' میں نے وہ سب کچھ تسلیم کر لیا تھا جو اس نے کہا تھا' چنانچہ اب کوئی انحراف ممکن نہیں تھا اور وہ بھی ان پراسرار لوگوں سے' جن کی حقیقت سے میں واقف تھا' چنانچہ اب حالات کچھ بھی ہوں' مجھے وہی کرنا تھا جو میری تقدیر کا ایک حصہ بن چکا تھا' اس ویران اور بوسیدہ قید خانے میں زندگی بڑی عجیب و غریب تھی' اپنی اس رہائش گاہ کو میں نے بغور دیکھا تو میرے دل میں خوف کا ایک احساس جاگ اٹھا۔

"کتنی بھیانک جگہ ہے' ہر شے سے نحوست ٹپکتی ہے' بابا سفیدے نے نہ جانے مجھے اس شخص کے پاس کیوں بھیج دیا ہے' ویسے اب میں نا سمجھ نہیں رہا تھا' اتنی عمر ہو گئی تھی کہ نیک و بد کی تمیز کر سکوں.......... بابا سفیدے مسلمان تھا اور یہ شخص جس نے مجھے نہ تو اپنا نام بتایا تھا اور نہ ہی اپنے بارے میں کچھ اور.......... ہندو معلوم ہوتا تھا۔ کم از کم اس کی زبان اور حلئے سے مجھے یہی اندازہ ہوتا تھا۔ نہ جانے بابا سفیدے کا اس سے کیا گٹھ جوڑ ہے۔ لیکن اب یہ تمام باتیں فضول تھیں' بعض اوقات میں سوچنے لگتا کہ چچی جان نے مجھے واقعی مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ پورا گھرانہ ہی منحوسوں کا گھرانہ تھا۔

فیض خان اچھی خاصی ملازمت کرتا تھا۔ ایمانداری سے کام کرتا تو تین افراد کا گھرانہ تھا۔ اسے زندگی گزارنے میں کیا دقت پیش آتی' لیکن وہ سونا بنانے کے چکر میں اپنی زندگی کھو بیٹھا تھا' ریاض خان آوارہ شخص تھا اور نہ جانے کہاں کہاں گھومتا پھرتا تھا اور وہ محترمہ چچی جان بھی چکروں میں پڑی ہوئی تھیں.......... آخر وہ اس عمر میں اپنے لئے کیا حاصل کرنا چاہتی تھیں.......... اور پھر وہ بابا سفیدے.......... مجھے سارے کا سارا ایک جال سا محسوس ہو رہا تھا جو میرے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ ساری کڑیاں ایک زنجیر کی کڑیاں ہی معلوم ہوتی تھیں.......... لیکن میں بھی اب تن بہ تقدیر ہو گیا تھا' جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

میں اس قید خانے میں رہنے لگا۔ ہاں میں اسے قید خانہ ہی کہہ سکتا ہوں' حا
بوڑھا مجھے کہہ کر گیا تھا کہ میرے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے.......... لیکن کچھ ایسی
زاری مجھ پر سوار تھی کہ میں خود بھی یہاں سے نکل کر کہیں جانا نہیں چاہتا تھا..........
فائدہ.......... کون ہے میرا.......... کہاں جاؤں' کیا واپس چچی جان کے پاس جاؤں تو ب
حماقت کی بات ہے' کیونکہ وہ خود ہی مجھے ان لوگوں کے سپرد کر گئی تھیں۔

چار دن چار راتیں اسی تنہائی میں گزار چکا تھا' اس دوران کوئی خاص بات نہ
ہوئی تھی سوائے اس کے کہ بوڑھا آتا تھا اور مجھے کھانے پینے کی چیزیں دے
تھا' ترکاری پوریاں اور ایسی ہی چیزیں ہوا کرتی تھیں جو بہرحال پیٹ بھر دیا کر
تھیں.......... پانچویں دن دوپہر کے وقت جب میرے اندازے کے مطابق دن کا ڈیڑھ
ہوگا' بوڑھا میرے پاس آیا اور مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے دیکھنے کا انداز بے حد عجیب تھا۔
اس نے کہا:

"کیا نام ہے رے تیرا؟"

"نادر۔"

"ناموں کی پرواہ کرتا ہے؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"نام کوئی اہمیت رکھتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"نام ایک دوسرے کو پکارنے کے لئے ہوا کرتے ہیں ایک دوسرے کی شناخ
ہوتے ہیں۔"

"ہوں' ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر میں تیرا نام رام رکھ دوں تو..........!"

"نہیں یہ ہندوانہ نام ہے۔"

"کیا ہندو کیا مسلمان یہ سب بے کار کی باتیں ہیں نادر!" وہ ایک کرسی پر بیٹھ گ
میں اسے دیکھنے لگا۔

"کیا کہتا ہے تو؟"

"کس سلسلے میں؟"

"میں نے جو کہا ہے۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بہرحال انسان کی شناخت تو ہوتی ہے۔"

"ہوں۔ اچھا تو یہ بتا تیرے پتا کا کیا نام تھا؟"

"بس ایک نام تھا ان کا' لیکن وہ مٹ گیا۔"

"مسلمان تھا؟"

"ظاہر ہے۔"

"کیا وہ اپنے دھرم کی ساری باتیں پوری کرتا تھا؟"

"کیا مطلب؟"

"دیکھ جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں' اس کا کوئی خاص مطلب نہیں ہے بس سوال ہے
جس کا تجھے جواب دینا چاہئے' کیونکہ بہرحال میں تیرا گرو ہوں۔"

"میں نہیں جانتا کیونکہ وہ بہت جلد مر گیا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر میری ماں نے دوسری شادی کر لی تھی۔" اس بات پر بوڑھا خوب ہنسا تھا۔
پھر بولا۔"

"کیا سمجھتا ہے تو.......... ارے پاپی اس سنسار میں سب اپنے لئے جیتے ہیں۔ تیری
ماں نے دوسری شادی کر لی نا!"

"ہاں!"

"کیوں؟"

"وہ تنہا نہیں رہنا چاہتی تھی۔"

"یہی ہوا نا.......... یہی میں کہہ رہا ہوں تجھ سے۔"

"بہرحال یہ اس کا کام تھا۔"

"اور تو.......... اس کے بعد تو نے کیا کیا؟"

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو کیا ہوگا..........!"

"بس سوتیلے باپ کے ڈنڈے کھائے اور اس کے بعد گھر سے بھاگ آیا۔" جواب میں بوڑھا خوب ہنسا تھا۔

"کیوں بھاگ آیا؟"

"اس لئے کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ تھا۔ وہ لوگ مجھے مار مار کر ہلاک کر دیتے۔"

"تو تو نے اپنے بارے میں سوچا!"

"تو کیا میں نہ سوچتا؟"

"ضرور سوچنا چاہئے تھا۔ اچھا خیر ٹھیک ہے' اس کے بعد کیا ہوا؟"

"بس اس کے بعد کچھ نہیں ہوا' میں اب تک بھٹکتا پھر رہا ہوں۔"

"دین دھرم کا کوئی کام کیا تو نے؟"

"نہیں۔"

"یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ منش سب سے پہلے اپنی ذات کے بارے میں سو ہے۔ پھر اپنے دین دھرم کے بارے میں.......... نادر کا نام اگر رام ہو جائے تو کوئی اي بات بھی نہیں ہے۔ مگر چھوڑو۔ میں کونسا دھرم سیوک ہوں کہ تجھے دھرم داس بناؤں جو تیری مرضی آئے اپنا نام رکھ۔ ویسے میرا نام رادھن لال ہے۔"

"جی.........." میں نے آہستہ سے کہا۔

"کیا کہے گا تو مجھے..........!"

"رادھن لال..........!"

"بس..........؟"

"اور کیا کہوں؟"

"گرو رادھن لال۔ گرو جانتا ہے کسے کہتے ہیں؟"

"ہاں!"

"کسے کہتے ہیں؟"

"استاد کو۔"

"ہاں وہ' جو کچھ سکھاتا ہے۔"

"بے شک۔"

"تو بابا سفیدے نے تجھے میرے پاس جو بھیجا ہے وہ اسی لئے بھیجا ہے کہ میں تجھے کچھ سکھاؤں۔"

"بابا سفیدے نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"تو پھر تو بابا سفیدے کے پاس کیوں گیا تھا؟"

"اس سے کچھ سیکھنے.........."

"ٹھیک' ٹھیک' ٹھیک.......... کیا تجھے اس بات کا علم ہے کہ وہ جو تیرا بابا سفیدے ہے نا اس کا بھی کوئی دھرم نہیں ہے.........."

"کیا مطلب؟"

"پھر وہی بات.......... میں کہہ رہا ہوں نا کہ اس کا بھی کوئی دھرم نہیں ہے۔"

"لیکن وہ تو مسلمان ہے لوگ اس کے پاس بڑی عقیدت سے آتے ہیں۔" میں نے کہا اور بوڑھا پھر ہنسنے لگا۔

"ہاں اس لئے آتے ہیں کہ وہ دوسروں کے کام کر دیتا ہے۔ مگر دھرم کے ذریعے نہیں۔"

"تو پھر؟"

"وہ بھی میرا چیلا ہے!"

"تمہارا؟"

"ہاں..........!"

"گویا اس نے.........."

"ہاں اس نے جو کچھ سیکھا ہے مجھ سے ہی سیکھا ہے۔ مگر چونکہ اس نے اپنا نام بابا سفیدے رکھا ہوا ہے' اس لئے وہ اس نام سے کام کرتا ہے۔ میں رادھن لال ہوں سو رادھن لال کے نام سے کام کرتا ہوں' تجھے رام بنا دوں تو تو رام کہلائے گا۔ نادر بننا چاہتا ہے تو نادر بن کر رہ۔ کام جو کرنا ہے اس کا معاملہ الگ ہی ہوتا ہے۔"

میں اس کی باتیں سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"خیر یہ ساری باتیں تو ایک طرح سے بے کار ہیں' یہ بتا من سے اپنا گرو مانتا ہے

مجھے؟

"اب تو ماننا ہی پڑے گا.........!"

"کیا مطلب۔ مجبوری ہے کوئی؟"

"نہیں.........!"

"تو پھر؟"

"میں آیا ہی اس لئے ہوں.........!"

" دیکھ لڑکے میں کبھی کسی کو اپنا چیلا نہیں بناتا۔ ورنہ اگر میں چیلا بنانے پر تل جاؤں تو یہاں اتنا مجمع جمع ہو جائے کہ دوسرے آدمی کے بیٹھنے کی جگہ نہ رہے' کیا سمجھا ہے تو رادھن لال کو.........؟"

"نہیں گرو جی' آپ یقیناً مہان ہوں گے۔" میرے ان الفاظ پر اسے جیسے خوشی ہوئی' اس نے کہا۔

"مگر میں نے تیرے اندر بھی کچھ دیکھا ہے۔ یہ دیکھا ہے میں نے تیرے اندر کہ اگر میں تجھے کچھ سکھاؤں تو......... تو سیکھ جائے گا.........!"

"یہ تو آپ نے بہت اچھی بات بتائی ہے مجھے.........!"

"مگر ایک بات اور سیکھ لے۔ جسے من سے گرو مان لیا جاتا ہے اس کی کسی بات میں دخل نہیں دیا جاتا اور اس کی ہر بات کی آنکھیں بند کر کے تعمیل کرنا ہوتی ہے۔"

"یہ تو میں جانتا ہوں......... ظاہر ہے آپ مجھے اپنا علم سکھائیں گے تو مجھے آپ کی عزت تو کرنا ہوگی۔"

"جو کچھ میں کہوں گا کرے گا؟"

"ضرور کروں گا.........!"

"وچن دے۔"

"جی وعدہ کرتا ہوں۔"

"نہیں مجھے وچن دے۔" بوڑھے نے اپنا ہاتھ سامنے پھیلا دیا۔

"میں کیا کروں؟" میں نے سوال کیا۔

"اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دے۔" اس نے کہا اور میں نے آگے بڑھ کر اپنا

ہاتھ اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اپنے بدن میں ایک عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ ویسے بھی بوڑھے کا ہاتھ کوئی انسانی ہاتھ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پتھر کی طرح سخت اور برف کی طرح ٹھنڈا......... وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے میری آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر مطمئن انداز میں کہا۔

"بہت بڑا دل ہے تیرا۔ بہادر ہے دلیر ہے۔ اچھا خیر اب سن میری بات۔"

"جی گرو مہاراج.........!"

"میں تجھے ایک جاپ بتا رہا ہوں' تجھے سات دن یہ جاپ کرنا ہوگا اس سے جانتا ہے کیا ہوگا؟"

"میں نہیں جانتا........."

"من صاف ہو گا تیرا۔ تیرے من سے یہ ساری فضول باتیں نکل جائیں گی کہ دین کیا ہے' دھرم کیا ہے' انسانیت کیا ہے' شرافت کیا ہے' جب تو اندر سے صاف ستھرا ہو جائے گا تب میں تجھے دوسرا جاپ بتاؤں گا' اور تو ایک بات سن لے' اگر یہ دوسرا جاپ تو نے مکمل کر لیا تو پھر تو اتنی بڑی قوت کا مالک بن جائے گا کہ بعد میں ہماری طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھے گا۔"

"اونہوں گرو مہاراج' میں ایسا انسان نہیں ہوں۔"

"تجھے جو کچھ بھی کرنا ہوگا' ہمارے حکم کے مطابق کرنا ہوگا۔"

"میں ایسا ہی کروں گا........."

"یہ نہیں سوچے گا کہ ایسا کرنے سے تجھے فائدہ ہو رہا ہے یا نقصان' یہ بہت بڑا کام ہوتا ہے' بہت بڑی تپسیا ہوتی ہے' جو تجھے کرنی ہے۔"

"آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر سن۔" بوڑھے نے کہا۔ اور اس کے بعد اس نے مجھے کسی عجیب و غریب زبان کے کچھ لفظ بتائے اور بار بار انہیں دہرانے لگا۔ میں یہ الفاظ سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"اب ایسا کر گھٹنوں کے بل بیٹھ جا۔" میں نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے دو زانو بیٹھ کر اسے دیکھا تو وہ بولا۔

"جو الفاظ میں نے کہے ہیں انہیں دہرا.........!"

وہ ایک ایک لفظ مجھے بتانے لگا۔ اور جب میں نے پہلی بار یہ الفاظ اپنے منہ سے نکالے تو مجھے اپنے اندر ایک گڑگڑاہٹ سی محسوس ہوئی' میرا دل سینے میں زور زور سے دھڑکنے لگا......... نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوا جیسے کوئی اندر سے مجھے کہہ رہا ہو کہ یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا نہ کروں۔ لیکن میں نے اس آواز پر کان نہ دھرے اور ایک ایک لفظ دوہرا کر پوری لائن دوہرا دی۔ بوڑھے نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور بولا۔

"میرے ساتھ تین دفعہ یہ الفاظ دہرا اور میں بوڑھے کے ساتھ ساتھ وہ الفاظ دوہرانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے اندر سکون پھیل گیا اب وہ کیفیت نہیں رہی تھی' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے' لیکن جب تین دفعہ میں نے ان الفاظ کو دہرایا تو رادھن لال نے گردن ہلا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب سات دن تجھے اسکا جاپ کرنا ہے۔ لیکن یہاں نہیں۔"

"پھر کہاں.........!"

"اس عمارت کے پیچھے ایک چھوٹی سی پوکھر ہے۔ اس تالاب کے کنارے بیٹھ کر تجھے یہ جاپ کرنا ہے اور شام کو جب سورج چھپ جائے اس وقت سے لے کر جب تک چاند نہ نکلے اس وقت تک تجھے یہ جاپ کرنا ہو گا اس کے بعد واپس آجانا اور آرام سے سو جانا۔ بہت مشکل کام نہیں ہے۔ پر ایک بات تجھے بتائے دیتا ہوں۔"

"کیا گرو مہاراج.........!"

"ہمت سے کام لینا ہو گا........."

"میں نہیں سمجھا........."

"تجھے بہت سی چیزیں ڈرائیں گی......... اگر کہیں ڈر گیا تو سمجھ لے مرگیا........."

"مطلب.........!"

"مطلب صاف ہے پھر وہی مطلب مطلب میرے سامنے کرتا ہے' مجھے یہ لفظ اچھا نہیں لگتا۔ ایک بار جو بات زبان کی ادا کی جائے اس کو سنتا ہے سمجھتا ہے اور اس کے بعد اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتا ہے۔"

"جی گرو مہاراج۔"

"تو جاپ یاد ہے.........؟"

"جی گرو مہاراج۔"

"تو دوہرا میرے سامنے........."

اب میں نے نہایت صفائی سے وہ لائن وہ الفاظ دوہرا دیئے۔ پھر اس نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے' اب آ میرے ساتھ' میں تجھے وہ جگہ دکھا دوں جہاں تجھے جاپ کرنا ہے۔"

میں خاموشی سے گردن ہلا دی اور اٹھ کر بوڑھے کے ساتھ باہر نکل آیا.........

O--------------O

یہ جگہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی' یہ احساس تو مجھے ہمیشہ سے رہتا تھا کہ یہ بے رونق علاقہ ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے جیسے آسمانی نحوستوں نے یہاں بسیرا کر رکھا ہے۔

ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس کے کنارے لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ کئی درخت تالاب کے آس پاس موجود تھے' عام حالات میں ایک خوشنما علاقہ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس پر نحوست نازل تھی اور دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا ایک عجیب ویران سا میدان پھیلا ہوا تھا اور اس میدان میں یہ تالاب بھی مصنوعی سا ہی محسوس ہوتا تھا' لیکن ایک بات اور بھی میں نے محسوس کی تھی' وہ یہ کہ تالاب کے پانی سے ہلکی ہلکی ناگوار بدبو اٹھ رہی تھی۔ جیسے پانی سڑا ہوا ہو۔ حالانکہ نہ اس پر کائی تھی اور نہ ہی وہ دور سے یا قریب سے گندہ نظر آتا تھا۔ شاید ایک قدرتی گندگی ہی اس میں موجود تھی۔ درخت بھی اچھے خاصے پھیلے ہوئے تھے لیکن کچھ عجیب سے رنگ کے........ ان میں وہ سبز رنگ تھا ہی نہیں جو درختوں کا رنگ ہوتا ہے۔ بس یہ میرے محسوسات تھے جنہیں میں نے محسوس کیا۔ بوڑھے نے مجھے ایک جگہ بتائی اور کہا۔

"یہ وہ جگہ ہے جہاں بیٹھ کر تجھے جاپ کرنا ہے۔" یہ جگہ ایک درخت کے تنے کے پاس تھی اور درخت کا پورا سایہ اس جگہ پھیلا ہوا تھا۔ بوڑھے نے کہا۔

"جب تو جاپ کر رہا ہو تو تیرے من میں کوئی اور خیال نہیں ہونا چاہئے۔ اور سن بات کچھ بھی ہو جائے' جاپ کے دوران اس درخت کے سائے سے نکلنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ نقصان اٹھائے گا۔"

"جی گرو مہاراج........"

"اس کے علاوہ ایک بات تجھے اور بھی بتا دوں' وہ یہ کہ یہاں جو کچھ بھی ہو' تجھے اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے' چاہے کیسے ہی تیرا من تڑپے مگر تجھے اپنی جگہ سے ہلنا نہیں ہے' جب تک کہ جاپ پورا نہ کر لے۔ سمجھ رہا ہے نا؟"

"مجھے یہ الفاظ کتنی دفعہ دوہرانے ہوں گے؟"

"دو سو اکہتر دفعہ۔"

"یہ تو اہم بات تھی جو میں نے آپ سے پوچھی ہی نہیں گرو مہاراج!"

"نہ پوچھتا تو میں تجھے خود بتاتا۔"

دو سو اکہتر دفعہ دوہرانے کے بعد مجھے یہاں سے اٹھ جانا ہوگا؟"

"ہاں جب تو اپنا یہ جاپ پورا کر لے تو آرام سے اٹھ جانا پھر تیری مرضی ہے مگر سن اس کے بعد بھی یہاں جو کچھ ہوتا ہے اس میں دخل مت دینا........ ایک بار پھر کہتا ہوں کہ تیرا من تڑپے گا تو چاہے گا کہ کوئی کام کرے لیکن یہاں کچھ مت کرنا' یہ سمجھ لینا اچھی طرح اور گرو جب کوئی حکم دیتا ہے تو اس کی پابندی کرنا ہوتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں گرو مہاراج۔"

"تو پھر اب میں چلتا ہوں۔"

"آج ہی سے یہ جاپ شروع کر دوں؟"

"ہاں بس آج ہی سے۔"

"ٹھیک ہے جیسا آپ کا حکم۔"

"بس تو یہاں بیٹھ جا اور اپنا کام کر لے۔"

"لیکن ابھی تو وقت ہے گرو مہاراج۔"

"ایں ہاں وقت تو ہے۔ یہ بات میں بھول گیا تھا۔ چل ٹھیک ہے تھوڑی دیر کے بعد آ جانا۔ لیکن اب تو یہاں گھوم پھر۔ میں تیرا ساتھ نہیں دوں گا۔" بوڑھے نے کہا اور وہ واپس اپنی رہائش گاہ کی جانب چلا گیا۔ میں نے اس کا تعاقب نہیں کیا تھا بلکہ میری نگاہیں دور دور تک بھٹکنے لگی تھیں۔ تاحد نظر انسان کا پتہ نہیں تھا' ویسے بھی اس ویرانے میں کسی کا آنا بے مقصد ہی ہو سکتا تھا........ بہت دیر تک میں وہاں گھومتا پھرتا رہا........ اور اس کے بعد پھر واپس اپنے اس تہہ خانے میں پہنچ گیا۔ یہاں آنے کے بعد پہلی بار باہر

نکلا تھا......... بدن کو ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا......... بہر طور اب جو کچھ شروع کر دیا تھا۔ اس سے دور ہٹنا تو مناسب نہیں تھا' حالانکہ کبھی کبھی اندر سے دل یہ کہتا تھا کہ بھاگ جاؤں یہاں سے' لعنت بھیجوں چچی جان اور ریاض خان پر......... دنیا بہت وسیع ہے' دیکھوں گا اس دنیا میں کیا ہے' لیکن خود ہی بہت سے احساسات دل میں آجاتے تھے کیا دیکھوں گا اس دنیا میں' سوائے اس کے کہ محنت' مزدوری کر کے دو وقت کی روٹی حاصل کر لی' یہ کوئی زندگی ہوگی۔ میں اب بہت بدل چکا تھا' زمانہ دیکھ لیا تھا میں نے......... الیاس بھائی کا پتہ نہیں کیا ہوگا' کیا کر رہے ہوں گے۔ جو کیا اس کا پھل پایا......... دنیا کے ساتھ فریب کرتے رہتے تھے۔ فریب کی زندگی کب تک گزاری جا سکتی ہے۔

پھر مقررہ وقت پر میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں مجھے وہ جاپ کرنا تھا' جو کچھ رادھن لال نے مجھے بتایا تھا وہ مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ چنانچہ جب سورج چھپا تو میں اس درخت کے نیچے جا بیٹھا' دو سو اکتر دفعہ وہ الفاظ پڑھنا تھے' میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں تیز رفتاری کا مظاہرہ کروں تو زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹے میں یہ کام کر لوں گا۔ لیکن رادھن لال نے یہ بھی کہا تھا کہ جب تک چاند نہ نکلے میں یہاں سے نہ اٹھوں۔ اس لئے جو کچھ بھی کرنا تھا آہستہ آہستہ اس وقفے کے دوران کرنا تھا' لیکن یہ وقفہ بھی خاصا طویل تھا۔

پھر جب چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تو میں نے اس جاپ کو پہلی دفعہ دوہرایا۔ میں آنکھیں کھولے بیٹھا ہوا تھا اور وہ الفاظ آہستہ آہستہ میرے منہ سے نکل رہے تھے جن کا مجھے مفہوم نہیں معلوم تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ ایک بار پھر میرے اندر ایک گرمی سی پیدا ہو گئی ہے۔ میرا دل سینے میں پھڑپھڑا رہا ہے۔ لیکن میں نے اپنی ہر کیفیت کو نظرانداز کر دیا' سات مرتبہ یہ جاپ پڑھنے کے بعد ایک بار پھر میں مطمئن ہو گیا تھا' اور اس کے بعد زیادہ اہتمام سے میں نے اس کا آغاز کر دیا......... میری نگاہیں اب بھی چاروں طرف بھٹک رہی تھیں ہر چند کہ اندھیرا پھیل گیا تھا۔ لیکن بہرحال میری آنکھیں تاریکی میں بھی دیکھ سکتی تھیں۔

سامنے والے درخت پر چڑیا کا ایک گھونسلا نظر آرہا تھا بہت ہی خوب صورت چڑیا تھی اور اپنے گھونسلے میں جا بیٹھی تھی' میں ان پرندوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ کیا آزاد

زندگی گزارتے ہیں' فضاؤں میں بسیرا کرتے ہیں۔ جب دل چاہا اپنی جگہ سے پرواز کی اور جہاں دل چاہا پہنچ گئے۔ لیکن انسانی زندگی پر کتنے بوجھ ہیں اسے اپنی کوششوں' اپنی کاوشوں سے گھر بنانے پڑتے ہیں۔ اور اس کے بعد نہ جانے زندگی کے کیسے کیسے مسائل سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ بڑا فرق ہے ان پرندوں اور انسانوں کی زندگی میں......... تب ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال بھی آیا.........

پرندوں کی زندگی تو بہت ہی مختصر ہوتی ہے' تیز ہوا چلتی ہے تو ان کے گھونسلے اڑ جاتے ہیں......... اور وہ درختوں سے ٹکرا کر مر جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر چھوٹے پرندے کو بڑا پرندہ شکار کر لیتا ہے.........

انہی خیالات میں وقت گزر رہا تھا اور زبان سے جاپ کے الفاظ نکل رہے تھے۔

پھر پہلے دن کا جاپ پورا کر کے جب چاند نے آسمان پر سر ابھارا تو میں وہاں سے اٹھ کر اپنی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا......... میں رہائش گاہ کی سیڑھیاں طے کر ہی رہا تھا کہ اچانک ہی کہیں سے ایک نسوانی چیخ میرے کانوں میں ابھری۔ کوئی عورت دلدوز انداز میں چیخ رہی تھی۔

میرے دل میں ایک دم تجسس بیدار ہو گیا۔ لیکن پھر گرو رادھن لال کے الفاظ کا خیال آیا۔ کہ یہاں جو کچھ بھی ہو اس کی طرف سے آنکھیں اور کان بند ہی رکھنا ہیں۔

ایک بار پھر دل نے اندر سے بغاوت کی کہ کم از کم دیکھوں تو سہی کہ کون مصیبت میں ہے۔ لیکن دو ہی باتیں تھیں یا تو اپنے دل کی بات مان لیتا یا رادھن لال کی بات مان لیتا......... چنانچہ میں نے خاموشی سے اپنی رہائش گاہ کی جانب رخ کیا اور تہہ خانے میں پہنچ گیا......... لیکن یہ احساس میرے دل میں بہت دیر تک تڑپتا رہا کہ چیخنے والی عورت کون تھی اور اس پر کیا بیت رہی ہے؟

لیکن دوسرے دن جب سورج نکل آیا اور میں اپنے معمولات سے فارغ ہو گیا تو میں نے رادھن لال کو تلاش کیا' اس نے ویسے بھی مجھ پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی اور کہہ دیا تھا کہ میں جہاں چاہوں گھوم پھر سکتا ہوں حالانکہ اس دوران میں نے اپنی اس رہائش گاہ میں ہی وقت گزارا تھا اور جان بوجھ کر باہر نہیں نکلا تھا بس اپنے سحر میں گرفتار تھا اور اسی کشمکش کا شکار کہ جو کچھ بھی کر رہا ہوں وہ مناسب ہے یا نہیں' لیکن اب جب

میں نے ایک دن کا جاپ کر لیا تھا تو پھر یہ میرا آخری فیصلہ ہو گیا تھا کہ اب مناسب اور نا مناسب کا تصور ذہن سے نکال دیا جائے' اور صرف وہ کیا جائے جو میں شروع کر چکا ہوں۔ رادھن لال مجھے ایک ایسی جگہ ملا جو ایک کھلا ہوا علاقہ تھا اور میں نے یہاں ایک اور منظر دیکھا اس وقت یہاں آٹھ نو افراد موجود تھے اور بڑے ادب سے بیٹھے ہوئے تھے' رادھن لال ایک چوکی پر بیٹھا انہیں کچھ بتا اور سمجھا رہا تھا میں نے اسے مصروف دیکھ کر باہر قدم نہیں نکالے اور پیچھے ہی رہ گیا وہ لوگ بڑی عقیدت سے رادھن لال کی باتیں سن رہے تھے پھر خاصی دیر تک میں رادھن لال کا جائزہ لیتا رہا اور اس کے عقیدت مندوں کو بھی دیکھتا رہا' ایک ایک کر کے وہ لوگ اٹھنا شروع ہو گئے اور پھر انہوں نے اپنی جیب سے چیزیں نکال کر رکھنا شروع کر دیں' یہ نوٹ تھے کھانے پینے کی اشیاء تھیں اور ایسی ہی دوسری چیزیں جو وہ رادھن لال کی نذر کرنا چاہتے تھے' رادھن لال نے الٹا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اسے سیدھا کر کے ان لوگوں کو جانے کی اجازت دی تب وہ لوگ باہر نکل گئے اور رادھن لال اپنی جگہ سے اٹھ گیا پھر اسی وقت میں عقب سے نکل کر رادھن لال کے سامنے پہنچ گیا اور رادھن لال نے چونک کر مجھے دیکھا پھر مسکرا دیا۔

"تو پہلے دن کا جاپ کر چکا ہے تو!" اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔

"ہاں گرو مہاراج........"

"اچھا چل یہ چیزیں اٹھا' پھل وغیرہ الگ کر لے' نوٹ سمیٹ لے انہیں ایک جگہ کر کے میرے حوالے کر دے۔ اصل میں میں نے تجھے بتا دیا تھا کہ میں نے کوئی چیلہ نہیں بنایا' بہت سے لوگوں نے یہ کوشش کی لیکن تو جانتا ہے کہ ایرے غیرے کو کوئی علم نہیں دیا جاتا' یہ تو تیری خوش قسمتی ہے کہ تو نے مجھ سے وہ حاصل کر لیا جو اچھے اچھے نہ حاصل کر سکے' یہ چیزیں اٹھا لے........" میں نے رادھن لال کی ہدایت پر عمل کیا پھل وغیرہ سمیٹ کر ایک جگہ کر دیئے' رادھن لال بولا۔"

"لے اب اس میں سے جو کچھ بھی تیری پسند ہو اٹھا لے لیکن اپنی رہائش گاہ میں جا کر ہی ان کو کھانا پینا' آج سے یہ بھی کیا کر تو' یہ لوگ روزانہ نہیں آتے' تین دن کے بعد آتے ہیں۔ چنانچہ آج سے تیسرے دن تو پھر اسی وقت یہاں آ جانا تاکہ یہ تمام چیزیں سمیٹ لے۔"

"جی گرو مہاراج........" میں نے جواب دیا پھر میں نے کہا "ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں آپ سے گرو مہاراج!"

"ہاں پوچھو۔"

"رات کو جب میں جاپ کر کے واپس لوٹا تھا تو مجھے کسی عورت کے چیخنے کی آوازیں سنائی دی تھیں........" رادھن لال نے چونک کر مجھے دیکھا پھر بولا۔

"ہاں........ تو پھر؟"

"میرا مطلب ہے کون تھی وہ جبکہ یہاں تو دور دور تک آبادی نہیں ہے؟"

رادھن لال چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"کچھ سے گزار لے اس کے بعد تجھے یہ سب کچھ بھی معلوم ہو جائے گا تجھے ہمارے ہر کام میں شریک ہونا ہوگا۔ تو اس کی بالکل چنتا نہ کر۔"

"وہ کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں تھی؟"

"دیکھ ابھی بہت کم وقت گزرا ہے تجھے یہاں کوئی ایسی ویسی بات ہو چکی تو ابھی اس پر دھیان مت دھرنا اور اگر ایسی چیخیں تجھے دوبارہ بھی سنائی دیں تو اس کی فکر نہ کرنا۔"

"جی گرو مہاراج........" میں نے جواب دیا لیکن میرے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو گئی تھی رادھن لال نے حتمی طور پر یہ بات کہہ دی تھی کہ میں ایسی باتوں پر نظر نہ رکھا کروں' مجھے اس کی ہدایت پر عمل کرنا تھا کیونکہ بہرطور اس سے کچھ سیکھ رہا تھا لیکن اندر کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ کبھی کبھی انسان کے بس سے باہر ہو جاتی ہے نہ جانے وہ کیسی چیخیں تھیں۔ بہرحال جو پھل وہاں سے اٹھا کر لایا تھا انہیں کھایا اور اس کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا' پھر دوسری رات بھی میں نے جاپ شروع کیا پھر تیسری رات ایک عجیب واقعہ ہوا۔ سامنے والے درخت پر جو رنگین چڑیاں تھیں اور جنہیں میں نے اب دن میں بھی آ کر دیکھا تھا وہ بے حد خوبصورت تھیں اسی وقت جب میں جاپ کر رہا تھا میں نے دیکھا کہ درخت کی اوپری شاخ سے ایک سانپ نیچے اتر رہا ہے' میں جاپ کر رہا تھا لیکن کالے ناگ کو دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے دل کو خوف کا ایک احساس سا ہوا اگر یہ اتر کر میرے پاس آیا تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں نے دل میں سوچا اور اس کے بعد

اس احساس کے ساتھ خاموش ہو گیا کہ گرو رادھن لال نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر ک
ایسی بات ہو تو اپنی جگہ نہ چھوڑنا ہو سکتا ہے یہ سانپ مجھ تک نہ پہنچے لیکن میری نگا
سانپ پر جمی رہیں سانپ آہستہ آہستہ نیچے اترا اور اٹھ کر تھوڑی دیر بعد اس گھونسلے ک
قریب رک گیا پھر میں نے سانپ کو اپنا پھن گھونسلے میں داخل کرتے دیکھا اور چند لمحو
کے بعد جو منظر میری نگاہوں کے سامنے آیا اس نے میرا دل تڑپا دیا۔ وہ رنگین اور حسی
چڑیا سانپ کے منہ میں دبی ہوئی پر پھڑپھڑا رہی تھی اور سانپ اسے منہ میں دبائے پیچ
ہٹ گیا تھا۔ چڑیا پھڑپھڑاتی رہی میرا دل سینے سے نکلا پڑ رہا تھا اور میری خواہش تھی کہ کس
طرح اس سانپ کو ہلاک کر کے اس چڑیا کو آزاد کرا دوں لیکن رادھن لال کے الفاظ م
میرے ذہن میں تھے' دیکھتے ہی دیکھتے سانپ چڑیا کو چٹ کر گیا پھر اس نے دوبارہ پھن اند
ڈالا اور دوسری چڑیا نکال لی' اسے بھی ہلاک کرنے کے بعد سانپ نے اپنی منزل کی جانب
رخ کیا اور درختوں کی شاخوں میں گم ہو گیا' حسین چڑیوں کا گھونسلہ خالی ہو گیا تھا' اور ن
جانے کیوں میرے دل کو ایک دکھ کا سا احساس تھا کتنی سکون کی زندگی گزار رہی تھیں لا
لیکن اب ان کا وجود مٹ گیا' ایک دشمن انہیں کھا گیا تھا۔ سانپ اپنی جگہ سے غائب
ہونے کے بعد پھر نظر نہیں آیا اور میں اطمینان سے اپنا جاپ پورا کرتا رہا' یہاں تک کہ
چاند نے سر ابھارا اور میں نے جاپ ختم کر کے اپنی جگہ کی راہ لی آج مجھے کوئی چیخ نہیں
سنائی دی تھی پھر اسی طرح یہ جاپ کرتے ہوئے مجھے پانچواں دن آ گیا اس دوران عجیب
غریب حالات پیش آئے تھے' ویسے جاپ کرنے کے وقت کے لئے میں نے ایک ڈنڈا اپنے
ساتھ لے لیا تھا اگر سانپ میری طرف آئے تو اس سے کم از کم اس درخت کی چھاؤں
کے نیچے ہی نمٹ سکوں موذی کا کیا بھروسہ کب کس طرح نکل آئے۔ خیر جناب یہ
واقعات گزرتے رہے تو میں پانچویں دن کا تذکرہ کر رہا تھا یہ میرے جاپ کا پانچواں دن
تھا۔ دو دن اور باقی رہ گئے تھے' میں بیٹھا ہوا جاپ کر رہا تھا موسم خوشگوار تھا۔ آسمان پر
بادل چھائے ہوئے تھے اور آج یہ خطرہ تھا کہ شاید چاند نظر نہ آئے لیکن بہرحال ایک
تعین ہو گیا تھا چاند اگر بادلوں کی وجہ سے نظر نہ بھی آیا تو کیا ہو سکتا ہے لیکن پھر آہستہ
آہستہ جوں جوں رات گزرتی گئی بادل چھٹتے چلے گئے اور چاند پوری آب و تاب کے ساتھ
نکل آیا' فضا میں چاروں طرف روشنی پھیل گئی' میں اپنے جاپ کے آخری مراحل سے

گزر رہا تھا کہ کہیں سے ایک بلی میرے سامنے میاؤں میاؤں کرتی ہوئی آ گئی وہ درخت کی
چھاؤں کے اس طرف میری جانب رخ کر کے بیٹھ گئی میں چند لمحوں کے لئے رک گیا اور
اس بلی کو دیکھنے لگا جو نہ جانے مجھ سے کیا چاہتی تھی وہ تین بار منہ سے میاؤں میاؤں کی
آوازیں نکال چکی تھی' بہت خوبصورت بلی تھی' میں اسے دیکھ کر مسکراتا رہا نہ جانے کیا
سمائی ہے اس کے دل میں؟ لیکن پھر وہ خوفناک لمحہ آ گیا جس نے میری روح تک کو لرزا
دیا' اسی سامنے والے درخت سے جس پر میں چڑیوں کا وہ گھونسلہ دیکھتا تھا اور اب وہ
گھونسلہ ویران دیکھ کر میرے دل کو دکھ ہوتا تھا۔ اچانک ہی ایک قد آور بلے نے چھلانگ
لگائی' کالے رنگ کا یہ بلا بڑی لمبی زقند بھر کر بلی پر آ کودا تھا' بلی اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگی
اور بلا غراتا ہوا اس کے پیچھے دوڑا' میں نے حیرت سے دیکھا وہ بلا عام جسامت سے کہیں
زیادہ تھا اور بہت تندرست و توانا معلوم ہوتا تھا' دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بلی پر جھپٹا مارا اور
اس کی گردن اپنے دانتوں میں دبوچ لی' میرے ہاتھوں میں لرزش پیدا ہو گئی میں نے
ڈنڈے کو مٹھی میں پکڑ لیا اور ایک لمحے کے لئے میرا دل چاہا کہ اٹھ کر کھڑا ہو جاؤں اور
اس خوبصورت بلی کو بچاؤں جو اب بلے کے جبڑوں میں دبی ہوئی تڑپ رہی تھی' زمین پر
اچھا خاصہ ہنگامہ ہو رہا تھا بلا اس بلی کو بھنبھوڑ رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے بلی خون میں نہا گئی'
بلے نے اس کی ٹانگیں چبا ڈالیں اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کے پورے بدن کو چٹ کر
گیا' بلی کو اس نے توڑ مروڑ کر رکھ دیا تھا اور اب زمین پر خون کے چھینٹوں کے علاوہ اور
کچھ نظر نہیں آ رہا تھا' کالے بلے کا منہ خون سے رنگین ہو گیا تھا لیکن اس کے ساتھ
ساتھ ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ اس کی جسامت پہلے سے بھی کچھ بڑھ گئی ہے' بلی کو
ہضم کرنے کے بعد وہ لمبی زبان نکال کر اپنے منہ پر لگا خون چاٹنے لگا' تبھی اس کی گول
گول خوفناک آنکھیں میری جانب اٹھ گئیں اور وہ اس طرح ٹھٹھک کر رک گیا۔ جیسے
پہلی بار اس نے مجھے دیکھا ہو نہ جانے کیوں میرے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں' بلے
کی آنکھوں سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے شکار کو تاک رہا ہو۔ پھر وہ دبے قدموں
میری جانب بڑھنے لگا اور میرے اوسان خطا ہو گئے' یہ کمبخت بلا آخر کیا چاہتا ہے' میں
نے سوچا' بلا آہستہ آہستہ میری جانب بڑھ رہا تھا اور میں ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالے اٹھتا جا رہا
تھا' اگر اس نے مجھ پر حملہ کیا تو ظاہر ہے مجھے اس سے جنگ کرنی ہے' پھر بلا درخت کی

چھاؤں کے اس حصار کے قریب آگیا جس سے باہر نکلنے کی مجھے ممانعت تھی اور اب کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں اس سے مقابلہ کروں لیکن اس وقت بھی نے اپنے ہوش و حواس نہیں کھوئے تھے اور یہ سوچ رکھا تھا کہ بلا اگر اندر آگیا تو حصار کے اندر ہی اندر میں اس سے جنگ کروں گا لیکن بلا اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ اس طرح مجھے تاکتا رہا جیسے موقع ملتے ہی مجھے بھی بلی کی طرح چیر پھاڑ کر چٹ کر جائے بلی کو اس نے جس وحشیانہ انداز میں چباڈالا تھا وہ اب بھی میرے ذہن پر نقش تھا اور بدن اسے دیکھ کر ہلکے ہلکے کانپ رہا تھا' بلا تقریباً دو یا تین منٹ تک وہاں کھڑا رہا پھر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ چاند نکل آیا ہے اور مجھے اپنا جاپ ختم کرلینا چاہئے' ویسے بھی صرف چند بار کی بات رہ گئی تھی چنانچہ میں اپنی جگہ بیٹھ گیا لیکن ڈنڈا اب بھی میں نے اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا' یہاں تک کہ میں نے اپنا جاپ پورا کیا اور جیسے میرے جاپ کی آخری لائن ختم ہوئی میں ڈنڈا لے کر اس بلے کے پیچھے دوڑا اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور بھاگ کر درخت پر چڑھ گیا۔ میں تقریباً دو یا تین منٹ تک درخت کے نیچے کھڑا رہا تھا اور اس کے تنے کو ڈنڈے سے بجاتا رہا تھا کہ آ کمبخت نیچے آ میں تجھے دیکھ لوں' اب میرے دل سے نہ جانے کیوں خوف نکل گیا تھا' بلے پر میرا غصہ بہت شدید ہو گیا تھا یہ درخت ہے ہی نحوست کی جڑ اس کمبخت پر ساری خونخوار بلائیں ہی رہتی ہیں' وہ سانپ اور وہ بلا' لیکن اب مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بلا درختوں کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھ گیا ہو' بہرحال دیر تک میں درخت پر ڈنڈے برساتا رہا لیکن بلے نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی' وہ مجھے نظر نہیں آرہا تھا نہ ہی اس کی آنکھیں کہیں چمک رہی تھیں جبکہ میں ان کی تلاش میں تھا ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ درخت پر چڑھ کر اسے تلاش کروں لیکن پھر اپنی اس دلیری کو خود ہی اپنے سینے میں دبا لیا کہ کیا فائدہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤں وہاں سانپ بھی ہے۔ اور اس کے بعد میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ میں نے سوچا کہ دوبارہ جب بھی وہ نظر آیا میں اس پر ڈنڈا پھینک کر ماردوں گا لیکن یہ بھی ایک غلط طریقہ کار تھا میرے ہاتھ سے اگر ڈنڈا نکل گیا تو شاید صرف ہاتھوں سے میں اس کا صحیح طور پر مقابلہ نہ کرپاؤں ورنہ وہ مجھے زخمی کر دے گا' میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا' دفعتاً مجھے اپنے عقب میں سرسراہٹیں محسوس ہوئیں اور میں نے پلٹ کر

دیکھا' ایک بار پھر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے' انسان اپنی وحشت' اپنے خوف پر بڑی مشکل ہی سے قابو پا سکتا ہے بلا آہستہ آہستہ میرے پیچھے چلا آرہا تھا اور مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا' میں نے حلق سے ایک دھاڑ نکالی اور پلٹ کر بلے کی جانب دوڑا لیکن وہ میرے پلٹتے ہی پھر بھاگ گیا تھا' میں نے کچھ دور تک اس کا تعاقب کیا لیکن وہ کمبخت بھاگ کر پھر درخت پر چڑھ گیا تھا' میں نے سوچا کہ لعنت ہے اس پر' اب مجھے اپنی رہائش گاہ میں پہنچ جانا چاہئے' چنانچہ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس پلٹا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو گیا لیکن آج پھر میرا دل لرز گیا تھا وہ نسوانی چیخیں آج پھر سنائی دے رہی تھیں لیکن آواز بدلی ہوئی تھی وہ آواز نہیں تھی جو میں نے پہلے سنی تھی' کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"نہیں تمہیں بھگوان کا واسطہ نہیں۔ نہیں' ایسا نہ کرو۔ ایسا نہ کرو......... دیکھو مان لو میری بات' دیکھو......... دیکھو.........!" اور پھر یوں لگا جیسے کسی نے اس کا منہ بند کر دیا ہو' میرے دل و دماغ معطل ہو کر رہ گئے' کیا کروں کیا نہ کروں' یہ آوازیں بڑی دلدوز تھیں کوئی کسی کو مدد کے لئے پکار رہا تھا' لیکن میں اس کی مدد کو نہیں جا سکتا تھا جبکہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں ایسا کروں......... بہرحال دل مسوس کر واپس پلٹا اور اپنی قیام گاہ میں آگیا لیکن اس رات مجھے نیند نہیں آئی تھی دوسری صبح بھی میں دیر تک کسلمندی سے پڑا رہا' رادھن لال سے کچھ پوچھنا بیکار ہی تھا اس نے کہہ دیا تھا کہ یہاں ہونے والی کسی بات پر میں توجہ نہ دوں پھر جاپ کے بقیہ دو دن بھی گزر گئے' ساتویں دن میں نے جاپ مکمل کرلیا تھا اور آٹھویں دن کی صبح رادھن لال میرے پاس آیا وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

"آ باہر آ میرے ساتھ........" میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا تو رادھن لال نے کہا۔

"تیری داڑھی کتنی بڑھ گئی ہے کبھی آئینے میں اپنی شکل دیکھی ہے؟"

"وہ......... آئینہ ہے ہی نہیں میرے پاس۔"

"ہاں میں جانتا ہوں لیکن میں نے تیرے لیے بندوبست کر دیا ہے۔ جاپ پورا ہو گیا؟"

"ہاں گرو جی' جو کچھ آپ نے بتایا تھا وہ میں نے پورا کر لیا ہے۔"

"آئینے میں اپنے آپ کو دیکھے گا تو تجھے احساس ہو گا کہ اس جاپ کا نتیجہ کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"خیر چھوڑ ان باتوں کو کوئی ایسی خاص بات تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں گرو مہاراج!"

"تو بس یہ سمجھ لے کہ تو اپنے گیان کے پہلے مرحلے کو پورا کر چکا ہے اور اس کے بعد تجھے کیا ملے گا یہ تو دیکھے گا........"

"کیا ملے گا گرو مہاراج؟"

"نہیں رے ابھی نہیں' ابھی تو تجھے بہت کچھ کرنا ہے' گرو دکشنا دینی ہے تجھے۔"

"گرو دکشنا؟"

"ہاں........ کیا نہیں دے گا؟"

"میرے پاس کیا ہے گرو جی؟"

"آج یہ کہہ رہا ہے پاگل کل کا دیکھنا تیرے پاس کیا کیا ہو گا۔"

"جی گرو مہاراج!"

"مگر تجھے ہمارے لئے بھی کچھ کام کرنا ہو گا اور وہی تیری گرو دکشنا ہو گی۔"

"بھلا میں آپ سے منع کر سکتا ہوں؟"

"ابھی تک تو بہت ہی اچھا لڑکا ثابت ہوا ہے اور میرا من چاہتا ہے کہ تجھے اتنا کچھ سکھا دوں کہ سنسار تیرے قدموں میں جھک جائے۔"

"آپ کی مہربانی ہو گی گرو مہاراج اس سے زیادہ میں اور کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"اچھا اب آ........ نئے جاپ کے لئے تجھے کافی عرصے کام کرنا ہو گا' لیکن یہ نیا جاپ تین دن کا ہو گا' اس کے بعد تجھے پھر سات دن کا جاپ کرنا ہو گا۔"

"کیا وہی جو آپ نے مجھے بتایا ہے' وہی مجھے کہنا ہو گا؟"

"نہیں کچھ اور........" رادھن لال نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

"مگر اس میں سے بہت لگ جائے گا"

"اب کیا کرنا ہے مجھے' صرف آپ کے قدموں میں ہی رہنا ہے۔"

"ہمارے چرنوں میں رہے گا تو سکھ پائے گا پگلے' آ اپنا حلیہ درست کر لے تیرے لئے نئے کپڑے منگوا لئے ہیں ہم نے........" وہ مجھے ایک اور کمرے میں لے گیا' یہاں آئینہ بھی تھا شیو کا سامان بھی تھا' غسل کرنے کے لئے غسل خانہ بھی تھا اس پورے کارخانے کو میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا بس جتنی جگہ مجھے دکھا دی گئی تھی میں نے اس پر اکتفا کی تھی یہ نئی جگہ جہاں وہ مجھے لے گیا تھا بڑی پُرسکون اور آرام دہ تھی' میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا اور نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوا کہ میرے چہرے میں ایک عجیب سی کشش پیدا ہو گئی ہے' میری آنکھوں میں ہلکے سے گلابی ڈورے تیر رہے ہیں اور ان آنکھوں میں ایک پراسرار سی چمک پیدا ہو گئی ہے' یہ تمام احساسات مجھے خود اپنے بارے میں ہو رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ نہ جانے کیوں یہ تبدیلی ہو گئی ہے پھر میں نے اپنے ہاتھ پیروں پر بھی غور کیا شاید یہ اتنے دن کے عیش و آرام کی زندگی کا نتیجہ تھا کہ میرے بدن کا گوشت بھر گیا تھا میرے سینے پر لمبے لمبے بال اگ آئے تھے' حالانکہ میں نے اس سے پہلے کبھی ان پر توجہ نہیں دی تھی' ہاتھوں کی سفید کلائیوں پر بھی سیاہ بال بہت گھنے معلوم ہوتے تھے' غسل کر کے میرا بدن اور نکھر آیا اس کے بعد میں نے شیو کیا اور ایک بار پھر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتا رہ گیا' میرے بالوں کا انداز پہلے ہی بڑا خوبصورت تھا اور کئی بار مختلف لوگوں نے ان کی تعریف کی تھی' لیکن کبھی میں نے اس پر توجہ نہیں دی تھی' جس ماحول سے اٹھ کر آیا تھا اس میں ان ساری چیزوں کی اس قدر اہمیت نہیں ہوتی' لیکن آج میں نے اپنے سراپے کو غور سے دیکھا تھا' بھرا بھرا بدن لمبا قد اور ان سے کہیں زیادہ میری شخصیت میں نکھار پیدا ہو گیا تھا' بہرحال پھر میں نے وہ لباس پہنا' سفید رنگ کا کرتا اور ایک دھوتی تھی' مجھے دھوتی باندھنا صحیح طور پر نہیں آتی تھی کیونکہ میں نے ہندوؤں کے انداز میں کبھی دھوتی نہیں باندھی تھی لیکن جب میں نے اسے اپنے جسم پر لپیٹا تو مجھے سب کچھ خود بخود آ گیا' کرتا اور دھوتی پہن کر جب میں باہر نکلا تو گرو رادھن لال موجود تھا اس نے مجھے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا:

"بھگوان کی سوگند تو تو ویسے ہی ساحر ہے' تو تو ویسے ہی جادوگر ہے' تجھے کی
کو سیکھنے کی کیا ضرورت ہے' کیسا لگا تو اپنے آپ کو؟"

"سب آپ کی مہربانی ہے گرو رادھن لال۔"

"تو پھر دکشنا دینے کے لئے تیار ہو جا' ابھی دکشنا دے گا یا دوسرے جاپ
بعد؟"

"جیسا آپ کا حکم ہو' میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ہاں دیکھ جو دکشنا تجھے دینی ہے اس میں تجھے زیادہ دن لگ جائیں گے' ہمارا خیا
ہے تین دن کا جاپ تو اور کر لے پھر تیرا آخری جاپ رہ جائے گا اور اس کے بعد' ا
کے بعد تو بہت کچھ پالے گا' بہت کچھ۔"

"جیسا آپ کا حکم.........." میں نے کہا۔ اس کے بعد میں سکون کا وقت گزار
لگا۔ تقریباً چھ دن کے بعد گرو رادھن لال نے مجھے پھر دوسرا جاپ اسی طرح یاد کرایا جو
پہلے یاد کرایا تھا لیکن اس جاپ کے لئے انہوں نے کہا کہ یہ مجھے اپنی رہائش گاہ میں ہ
پڑھنا پڑے گا اور اس میں کوئی خاص دقت نہیں ہوگی' چنانچہ میں نے تین دن کا وہ جاپ
بھی مکمل کر لیا' اب میں آزادی سے باہر آتا جاتا تھا اور گرو رادھن لال مجھے بہت
باتیں بتایا کرتا تھا اس کے بعد اس نے ایک صبح مجھ سے مسکراتے ہوئے کہا:

"اب تجھے وہ کام کرنا ہے جس کے لئے ہم نے تجھ سے کہا تھا۔"

"کیا رادھن لال مہاراج؟"

"جو کچھ بتا رہا ہوں اسے غور سے سننا' تجھے اب بستی میں جانا ہوگا' بستی م
گنگولی رام نامی ایک بنیا ہے اس بنئے کے پاس جانا اور بتانا کہ تو کرن پور سے آیا ہے او
تیرا نام سرن لال ہے.........."

"جی.........." میں نے کہا۔

"گنگولی رام تجھے ہاتھوں ہاتھ لے گا اور اپنے گھر لے جائے گا چونکہ سرن لال
اس کے ایک مرحوم دوست کا بیٹا تھا اور یہ مرحوم دوست لندن میں مر چکا ہے۔"

"اس دوست کا نام کیا تھا؟"

"مدن لال۔"

"یہ میں نے اس لئے پوچھ لیا ہے تاکہ مجھے یاد رہے۔"

"ہاں.......... میں خود تجھے بتاتا' پھر وہ تجھے اپنے گھر لے جائے گا اور اب میں تجھے
وہ سب سے اہم بات بتاؤں' گنگولی رام کی ایک بیٹی ہے جس کا نام پشپاوتی ہے' بڑی سندر
ہے' دیکھے گا تو من للچائے گا تیرا' مگر سمجھ لینا کہ وہ تیرے لئے نہیں ہے البتہ اگر وہ تجھ
سے پریم کرنے لگے تو تو اس کا مان رکھنا اور خود بھی اس سے اظہار کرنا کہ تو اس سے پریم
کرنے لگا ہے.......... اس کام میں کچھ روز لگ جائیں گے بس تو یہ سمجھ لے کہ تجھے اس
سے پریم کرنا ہے' بے فکر رہنا تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا بس جو کام ہم نے کہا ہے وہ
تجھے کرنا ہے۔"

"لیکن اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"نہیں رے نہیں' وقت سے پہلے کوئی بات پوچھنا مناسب نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے گرو مہاراج مگر آپ مجھے یہ تو بتا دیں کہ.......... کہ..........؟"

"ہاں بول!"

"کہ بس مجھے اتنا ہی کرنا ہے؟"

"اس کے بعد تجھے جو کچھ کرنا ہوگا وہ ہم تجھے بتا دیں گے۔" اس نے کہا۔

"مجھے کب روانہ ہونا ہے؟"

"بس وہ جو کہتے ہیں کل کرے سو آج کر اور آج کرے سو اب' سو اب تو تیار ہو
جا' دیکھ وہ سوٹ کیس رکھا ہوا ہے اس میں کپڑے بھی ہیں اور تیرا ٹکٹ بھی رکھا ہوا ہے'
جس کے بارے میں اگر کوئی پوچھے تو تو بتائے گا کہ تو ریل سے یہاں آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے جیسا آپ کا حکم.........." اور پھر بہت دن کے بعد میں نے آبادیوں کا
رخ کیا اتنے عرصے ویرانوں میں گزارنے کے بعد آبادی میں آنا بہت عجیب سا لگا تھا' چچی
جان کا گھر بھی وہیں موجود تھا لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک اپنا کام مکمل نہیں
کر لوں گا کسی سے نہیں ملوں گا چنانچہ میں رادھن لال کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا'
بڑی سی دوکان تھی جس میں لاکھوں روپے کا مال بھرا ہوا تھا دنیا کی ہر چیز موجود تھی جو
ضروریات زندگی میں استعمال ہوتی ہے' وہ موٹے سے بدن کا آدمی یقینی طور پر گنگولی رام
ہی ہو سکتا تھا' میں اس کے پاس پہنچ گیا اور وہ میری جانب دیکھنے لگا۔"

"میرا نام سرن لال ہے اور میں کرن پور سے آیا ہوں۔"

"ہیں.........." موٹا آدمی حیرت سے چونک کر بولا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور میرے گلے آلگا۔"

"ارے میرا پوت' میرا بیٹا.......... آگیا تو' مجھے تیرے آنے کی اطلاع ملی تھی۔"

"جی گنگولی رام مہاراج!"

"کیا کہہ رہا ہے رے' تایا جی نہیں کہے گا مجھے؟"

"جی تایا جی.........."

"بس رے تیرے آنے سے من خوش ہوگیا ہے۔ بھگوان کتنا سندر ہے تو' ارے کاکا او کاکا.........." گنگولی رام نے آواز دی اور ایک بوڑھا آدمی قریب آگیا۔

"دوکان سنبھالو کاکا جی میرے مہمان آئے ہیں' میں انہیں لے کر جا رہا ہوں.........." تھوڑی دیر کے بعد گنگولی رام مجھے لئے ہوئے ایک خوبصورت سے مکان میں داخل ہوگیا جو دوکان سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا' مکان میں بہت سے لوگ مجھے نظر آئے لیکن گنگولی رام مجھے ساتھ لیئے ہوئے اندر کمرے میں پہنچ گیا اور یہاں میں نے اس حسین لڑکی کو دیکھا جو ایک کھلے ہوئے پھول کی مانند تھی' اتنا شگفتہ چہرہ' بڑی بڑی آنکھیں' مسکراتے ہوئے ہونٹ' اس کی ساتھ ہی ایک اور عورت بھی موجود تھی جو سفید ساڑھی باندھے ہوئے تھی لیکن اس کے خدوخال سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پشپاوتی کی ماں ہے دونوں کے چہرے کے نقوش بھی ملتے تھے' گنگولی رام نے کہا:

"لتا دیکھ کون آیا ہے.........." دونوں مجھے دیکھنے لگیں' ان کی آنکھوں میں پسندیدگی کے آثار میں نے صاف محسوس کئے تھے تب لتا نے پوچھا:

"کون ہے یہ؟"

"نہیں ہم نے بتایا تو پھر بات ہی کیا رہی.......... تو خود پہچان کر دکھا تب مانیں تجھے۔"

"لو مجھے کیا معلوم۔"

"کیوں پشپا کون ہو سکتا ہے یہ۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو یہ مدن چاچا کے بیٹے ہیں۔"

"لے لتا تجھ سے زیادہ سمجھ دار تو تیری بیٹی نکلی.......... ہاں یہ سرن لال ہے' مدن کا بیٹا۔"

"جیتے رہو بیٹا تم تو بہت بڑے ہوگئے' بہت چھوٹا سا دیکھا تھا ہم نے تمہیں' ارے کب آئے تم؟"

"بس ابھی ابھی پہنچا ہے میری دوکان پر.......... اور جانتی ہے کیا کہہ رہا تھا مجھے؟"

"کیا..........؟"

"گنگولی رام جی.........." گنگولی رام نے کہا اور ہنس پڑا۔

"اب تمہارے دوست نے بتایا ہی نہیں ہوگا کہ تمہارا اس کا کیا رشتہ ہے.........." بیوی نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں نہیں مدن کو برا نہ کہو.......... بس یہ نئی نسل کے بچے ہیں جو کچھ ان کے من میں آتا ہے کرتے ہیں' چلو اب تم یوں کرو اس کے آرام کا بندوبست کرو اور میں دوکان پر جا رہا ہوں۔" پھر وہ میری طرف رخ کر کے بولا۔

"بیٹا سرن دیکھو یہ تمہارے تایا جی کا گھر ہے یہاں کوئی پریشانی مت اٹھانا مجھے دکھ ہوگا۔" میرے لئے ایک مخصوص کمرے کا بندوبست کیا گیا جو خوب سجا ہوا تھا' بہرحال اس کمرے میں مقیم ہو کر پھر وہی کیفیت میرے دل پر طاری ہونے لگی تھی میں کچھ لوگوں کو دھوکہ دینے آیا تھا اور ایک غلط نام سے انہیں دھوکہ دے رہا تھا۔

شام کو پشپا میرے کمرے میں آئی' اس کی آنکھوں میں مسرتوں کے پھول کھلے ہوئے تھے۔

"آپ کمرے سے باہر نہیں نکلتے سرن جی؟" اس نے حسین آواز میں کہا۔

"نہیں کیوں نہیں۔"

"تو پھر آیئے نا آپ کو سیر کرائیں۔"

"کہاں؟"

"بس ایسے ہی.........." اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا' پشپا مجھے لئے ہوئے مکان کے پچھلے حصے تک پہنچ گئی جہاں ایک چھوٹا سا باغ لگا ہوا نظر آرہا تھا۔

"کیا یہ آپ کا باغ ہے پشپا جی؟"

"نہیں میرا اتنا بڑا باغ کہاں سے آیا بس ایسے ہی سرکاری باغ ہے مگر اندر سے بہت اچھا ہے' بیٹھنے کی بھی بڑی اچھی اچھی جگہیں ہیں.........." موسم بھی خوشگوار تھا اور باغ میں پشپا کے ساتھ سیر کرتے ہوئے نہ جانے کیوں مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا' پشپا مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی پھر ایک جگہ وہ ایک سفید بینچ پر بیٹھ گئی سامنے حوض تھا جس میں رنگین مچھلیاں تیر رہی تھیں' میں نے کہا۔

"بہت خوبصورت جگہ ہے۔"

"آپ تو انگلینڈ سے آئے ہیں وہاں تو آپ نے بڑی بڑی حسین چیزیں دیکھی ہوں گی۔"

"ہاں بس........." میں نے آہستہ سے کہا میرے فرشتوں کو بھی انگلینڈ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا بس نام سنا تھا میں نے' پشپا کہنے لگی۔

"ایک بات پوچھوں سرن جی!؟"

"جی پشپا جی!"

"انگلینڈ میں تو آپ کی بہت سی دوستیاں ہو گئی ہوں گی؟"

"کس سے؟" میں نے سوال کیا۔

"بس دیکھا تو نہیں ہے پر عقل بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"وہاں کی پریاں بڑی سندر ہوتی ہیں' سفید رنگ کی مالک۔"

"پتہ نہیں آپ یقین کریں میں نے آج تک کوئی پری نہیں دیکھی۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر بولی۔

"میں وہاں پر رہنے والی لڑکیوں کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔"

"میری لڑکیوں سے دوستی رہی ہی نہیں۔"

"ایسا ہو تو نہیں سکتا۔" وہ شرارت بھرے انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"بہت بڑی بات ہے یہ تو ورنہ ولایت سے آنے والے تو پتہ نہیں کیسے ہوتے ہیں ویسے آپ کے اندر یہ بات لگتی بھی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"پتہ نہیں۔" شاید میں اپنی بات صحیح طور پر کہہ نہیں پا رہی۔"

"نہیں پشپا جی کوئی ایسی بات نہیں ہے' بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں نے اپنی زندگی سادہ سادہ سی گزاری ہے۔"

"خیر میں یہ بات مانتی ہوں' انسان خود کو جتنا چاہے برائیوں میں ڈال لے' بچنا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔" پشپا سے میری اچھی خاصی گفتگو ہوتی رہی اور مجھے بھی وہ لڑکی بہت پسند آئی تھی' بہت سادہ مزاج اور ہنس مکھ لڑکی تھی۔ تین چار دن کے اندر اندر ہمارے درمیان خاصے گہرے رابطے ہو گئے' بعد میں مجھے اس بات کا علم ہوا کہ مدن لال کے بیٹے سرن لال سے پشپا کی سگائی ہو چکی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے منسوب ہیں اور گنگولی رام یہ طے کر چکا ہے کہ اب بہت جلد ان دونوں کی شادی کر دی جائے گی' یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد بھی مجھے بہت دکھ ہوا تھا' یہ سوچ کر کہ نہ جانے رادھن لال نے مجھے یہاں اس حیثیت سے کیوں بھیجا ہے' دوسرے بہت سے معاملات بھی مجھے معلوم نہیں تھے کہ یہ لوگ سرن لال کو پہچانتے کیوں نہیں ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہوگی کہ سرن لال لندن میں زیر تعلیم رہا ہے اور مدن لال بھی وہیں رہا ہے' بہت عرصے کے بعد سرن لال کا یہاں آنا ہوا ہے' لیکن نہ جانے رادھن لال نے یہ سب کیسے کیا تھا۔

پھر اس رات میں اپنے کمرے میں لیٹا ہوا اپنی سوچوں میں گم تھا' خاصی رات ہو چکی تھی' گھر کے لوگ سو چکے تھے کہ میرے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میں چونک پڑا یہ کون ہو سکتا ہے' میں نے اپنے دل میں سوچا اور پھر میں اٹھ کر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ دروازہ کھولا تو رادھن لال کو دیکھ کر میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"گرو مہاراج آپ؟"

"ہاں کیسی بیت رہی ہے۔ اندر چل۔" رادھن لال نے اتنے اطمینان سے کہا' جیسے اپنے ہی گھر میں آیا ہو۔ جبکہ میں تھوڑا سا خوفزدہ ہو گیا تھا۔ بہرحال میں پیچھے ہٹا تو رادھن لال نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر دیا اور پھر ایک

کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"میں نے تجھ سے پوچھا تھا یہاں کیسی بیت رہی ہے؟"

"بہت اچھی یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ انہوں نے مجھے بڑی عزت دی ہے۔"

"کیوں نہ دیتے' آخر ہم نے تمہیں یہاں بھیجا تھا۔"

"آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں گرو مہاراج!"

"پوچھو۔"

"یہاں مجھے معلوم ہوا کہ پشپا سے میری سگائی ہو چکی ہے اور وہ لوگ بے چار مجھے سرن لال ہی سمجھ رہے ہیں۔"

"تو سمجھنے دے' تیرا کیا جاتا ہے؟"

"مگر اب اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"کیا مطلب ہے؟"

"میرا مطلب ہے یہ لوگ جس انداز میں سوچ رہے ہیں۔" جواب میں رادھ لال ہنس پڑا پھر بولا۔

"ارے باؤلے کوئی تیری سگائی ہی تھوڑی ہونے جا رہی ہے' میرا مطلب کون سا تجھے اس سے شادی کرنی ہے۔"

"لیکن وہ لڑکی یہی سمجھتی ہے۔"

"یہی تو اچھی بات ہے' مگر تو یہاں کہاں گھر میں گھسا رہتا ہے' اسے لے کر با نکل گھوم پھر کبھی ہمارے گھر بھی آ' اسے ہمیں بھی دکھا دے' میرا مطلب ہے کہ یو ٹہلتا ہوا ادھر چلا آ۔"

"وہ مجھ سے کئی بار کہہ چکی ہے کہ باہر گھومنے چلیں گے۔"

"ہاں ہاں تو گھما اسے باہر.......... بلکہ ایسا کرنا کہ کل شام پانچ بجے اسے ساتھ کر ہمارے چرن چھونے آجانا۔"

"جی!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"بس اور کچھ نہیں تیری خیریت ہی پوچھنے آئے تھے۔ تو پھر یاد رہے گا نا۔ کل پا بجے ہم تیرا انتظار کریں گے۔"

"جی!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"چلتے ہیں ہم اور تو کوئی چنتا نہیں ہے تجھے؟"

"نہیں۔" میں بولا.......... اور رادھن لال اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر وہ اسی پراسرار انداز میں چلتا ہوا' دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے لپکا تھا اس خیال کے تحت کہ کہیں کوئی اور اسے نہ دیکھ لے۔ یہاں کا ماحول تو بے حد اچھا تھا اور یہ لوگ مجھے بہت نفیس لوگ نظر آئے تھے۔ پتہ نہیں ان بے چاروں کے ساتھ کیا ہونے جا رہا تھا' میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا تھا۔

باہر نکلا تو رادھن لال کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ وہ پراسرار طور پر غائب ہو گیا تھا۔ میں اپنے کمرے میں واپس آگیا.......... پھر بہت سی سوچیں دامن گیر ہو گئیں۔ یہ خیال دل میں بار بار آ رہا تھا کہ رادھن لال نے نہ جانے کیوں مجھے یہاں بھیجا ہے۔ ویسے تو کوئی بات نہیں تھی اگر وہ کسی جگہ بھیجتا تو میں جانے سے انکار تو نہ کرتا کیونکہ بہرحال وہ میرا گرو تھا۔ لیکن اس نئے انداز میں مجھے بھیج کر اس نے خود میرے دل میں ایک الجھن پیدا کر دی تھی۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا.......... بہرحال وہ میرا گرو تھا۔ اور مجھے علم سکھا رہا تھا اور اگر مجھے کچھ آجائے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے.......... یہی سوچ کر میں خاموش ہو گیا اور پھر رات کے نہ جانے کون سے حصے میں مجھے نیند آگئی..........

O----------------O

دوسرا دن معمول کے مطابق تھا' کوئی خاص بات نہیں ہوئی دوپہر کو کچھ مہمان یہاں آگئے۔ ان مہمانوں سے میرا تعارف کرایا گیا۔ مہمانوں میں دو تین نوجوان لڑکیاں بھی تھیں جن کے چہروں پر شرارتیں رقصاں تھیں۔ پشپا کو دیکھ کر وہ اشارے کرتی رہیں اور اس کے بعد مجھ سے کہا۔

"سرن جی آپ دن بھر کیا کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تو آپ کا من اداس ہو جاتا ہوگا۔" جس لڑکی نے یہ الفاظ کہے تھے اس کا نام سروج تھا۔ مجھ سے تعارف کراتے وقت مجھے اس کا نام بتایا گیا تھا۔

"نہیں سروج جی.......... بس وقت اچھا ہی گزر جاتا ہے۔"

"آیئے نا باہر چلیں.......... چاچا جی نے پیچھے کا باغ بہت اچھا بنوایا ہوا ہے' آؤ پشپا۔"

چلیں۔ یہاں بیٹھے بیٹھے من بوجھل ہو رہا ہے۔" چنانچہ ہم پچھلے باغ میں آ گئے' یہاں آ کر لڑکیاں کھل گئیں۔

"اور سنائیے جیجا جی لندن کیسا لگا آپ کو؟"

"جی جی جیجا.........!"

"ارے ارے اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔" ایک لڑکی شرارت بھرے لہجے میں بولی۔

"سادھنا تم باز نہیں آؤ گی؟"

"تم باز آتیں تو ہم بھی باز آ جاتے......... ایک اتنے سندر جیجا پر قبضہ جما رکھا ہے تم نے' سب کا من للچاتا ہے مگر کیا کریں' تم بھی تو ہماری دوست ہو۔"

"اے بک بک مت کر۔ تھپڑ ماروں گی منہ پر۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے' من کی بات کہہ دی تو برا کیوں مان گئیں؟" وہ شرارتیں کرتی رہیں۔

"تم لوگ یوں کرو نا کہ تایا جی سے کہہ کر یہیں رک جاؤ!"

"ارے نہیں۔ پہلے کبھی ایسا ہوا ہے؟" سادھنا نے کہا۔

"پھر کسی دن آئیں گے بلکہ ایسا کرو تم جیجا کو لے کر خود ہمارے ہاں آؤ نا۔" سروج کہنے لگی۔

"دیکھو سروج فضول باتوں سے مجھے غصہ آتا ہے۔" پشپا نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا۔

"سن لیا آپ نے جیجا جی' یہ آپ کو فضول سمجھتی ہیں!"

میں بظاہر مسکراتا رہا' لیکن دل میں وہی الجھن جاگزیں تھی' خیر اب یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل میں پشپا کے لئے عشق پیدا ہو گیا تھا یا میں دل سے یہ چاہنے لگا تھا کہ کاش ان لڑکیوں کی بات درست ہوتی۔ ابھی شاید میں اس منزل میں داخل نہیں ہوا تھا بس الجھن تھی تو صرف یہ کہ نہ جانے ان واقعات کا انجام کیا ہو گا.........!

پھر تین ساڑھے تین بجے کے قریب وہ چلی گئیں۔ پشپا اور میں پچھلے باغ ہی میں تھے۔ پشپا نے کہا۔

"آج موسم کتنا اچھا ہے۔"

"ہاں پشپا جی!"

"کہیں باہر چلیں؟"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"کیا واقعی؟"

"چاچا جی اس پر اعتراض تو نہیں کریں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"لو انہوں نے تو خود مجھ سے کئی بار کہا ہے کہ سرن کو کہیں گھمانے پھرانے لے جاؤ۔"

"تو ٹھیک ہے چلیں گے۔"

"چار ساڑھے چار بجے تک ٹھیک رہے گا۔" پشپا بولی۔

"ہاں!" میں نے عجیب سے لہجے میں کہا......... یہی وقت میں نے رادھن لال کو دیا تھا پھر مقررہ وقت پر پشپا تیار ہو گئی۔ اس نے کہا۔

"گاڑی نکالے لیتے ہیں' میں گاڑی چلاؤں گی۔"

"ڈرائیونگ آتی ہے؟"

"ہاں میں نے سیکھی ہے۔"

کار پرانی ضرور تھی لیکن اس کا انجن وغیرہ بالکل ٹھیک تھا۔ پشپا ڈرائیو کر رہی تھی اور میں اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا' وقت آہستہ آہستہ اپنی منزل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں نے خاصی دیر تک پشپا کے ساتھ سیر کرنے کے بعد کہا۔

"پشپا یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ ہے' نام تو میں اس کا نہیں جانتا لیکن وہاں ایک بار میں نے ایک سادھو مہاراج کو دیکھا تھا۔

"تو پھر!"

"آؤ اسی طرف چلتے ہیں۔"

"مجھے راستہ بتاتے جاؤ۔" وہ بولی اور میں پشپا کو راستہ بتانے لگا' ہم آبادی سے نکل کر اس علاقے میں آ گئے جہاں رادھن لال کا ٹھکانہ تھا۔ پشپا کہنے لگی۔

"ہاں میں نے رادھن لال مہاراج کے بارے میں سنا ہے بڑے گیانی دھیانی ہیں

لیکن سنسار کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔"

"تم جانتی ہو انہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"آؤ پھر ذرا ان کی طرف چلیں۔" اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اس جگہ پہنچ جہاں رادھن لال نے اپنا ٹھکانہ بنایا ہوا تھا۔

کار ایک طرف کھڑی کر کے پشپا نیچے اتر آئی اور میں اس کے ساتھ رادھن کی جانب بڑھنے لگا......... میری نگاہیں سامنے کی طرف جمی ہوئی تھیں اور میں یہ دیکھ رہا تھا کہ رادھن لال اس وقت کیا کر رہا ہے' پشپا میرے ساتھ ساتھ ہی چل رہی تھی پھر سامنے سے رادھن لال مجھے نظر آیا اور میں نے اسے دیکھ کر گر ہلائی......... رادھن لال میرے قریب آگیا وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا......... پھر اس نے

"کہاں ہے وہ؟"

"یہ پشپا........." میں نے پشپا کی طرف رخ کر کے کہا لیکن دوسرے لمحے حیران رہ گیا۔ پشپا میرے قریب موجود نہیں تھی۔

میں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں اور پھر بہت دور تک دیکھا اور میرا دل دھک سے رہ گیا' پشپا میرے ساتھ نہیں تھی' حالانکہ ہم قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے کچھ لمحوں کے لئے میری توجہ رادھن لال کی جانب مبذول ہو گئی تھی پشپا نہ جانے کہاں رہ گئی تھی۔

"ابھی تو یہاں تھی وہ.........!"

"کیا کہہ رہے ہو؟" رادھن لال نے حیرت سے کہا۔

"آپ یقین کریں۔ میں اسے یہاں لے کر آیا تھا۔"

"تو پھر کہاں گئی وہ؟"

"پپ پتہ نہیں میرے ساتھ ہی آگے بڑھی تھی۔"

"ہو سکتا ہے کسی کام سے پیچھے رہ گئی ہو' کیسے آئے ہو تم.........!"

"کار سے۔"

"کہاں ہے کار؟"

"وہ ادھر کھڑی ہوئی ہے۔" میں نے کار کی جانب دیکھا۔ لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کار بھی موجود نہیں تھی۔

"ارے........." میں نے حیرت سے ادھر ادھر نگاہیں گھمائیں۔

"کیا ہوا......... کچھ مجھے بتاؤ گے یا نہیں........." رادھن لال نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

"آپ یقین کریں گرو مہاراج۔ وہ میرے ساتھ ہی یہاں تک آئی تھی' ہم کار سے اترے تھے' اس کا واپس جانا میری سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"عجیب ہو تم۔ ایک اتنا سا کام نہیں کر سکے۔ خیر ہمیں کیا لینا دینا تھا۔ تمہارے ساتھ آتی تو ملاقات کر لیتے اس سے۔"

"آپ یقین کریں گرو مہاراج' میں آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا وہ میرے ساتھ ہی آئی تھی۔ ہم ابھی ابھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے باتیں بھی کر رہے تھے وہ تو بس میں آپ کو دیکھ کر رک گیا تھا اور وہ غائب ہو گئی۔"

رادھن لال کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سنو بڑی سے بڑی کوئی غلطی ہو جائے' مجھ سے جھوٹ نہ بولنا۔"

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"مگر سچ کہہ رہے ہو تو وہ کہاں ہے' تم کہہ رہے ہو وہ تمہارے ساتھ آئی تھی۔ کار میں آئی تھی۔ کہاں ہے وہ؟"

"آپ یقین کریں گرو مہاراج......... مم میں......... میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ہوں........." رادھن لال نے کسی قدر ناراضگی سے کہا پھر بولا۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

میں اب بھی پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ جگہ بھی ایسی نہیں تھی کہ کوئی اس طرح نگاہوں سے اوجھل ہو جائے' پشپا آخر واپس کیوں چلی گئی۔ میں نے تو کار اسٹارٹ ہونے کی آواز بھی نہیں سنی تھی جب کہ کار سے اتر کر وہ میرے ساتھ قدم بقدم آگے بڑھی تھی۔ رادھن لال نے پھر کہا۔

"کیا اونٹ کی طرح گردن اٹھا اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہو' میں کہہ رہا ہوں میرے ساتھ آؤ۔" اور میں خاموشی سے رادھن لال کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

"بیٹھو۔" اس نے کہا اور میں بیٹھ گیا۔

"اب سچ سچ بتا دو قصہ کیا تھا؟"

"گرو مہاراج میں آپ کی بے حد عزت کرتا ہوں' لیکن تھوڑی سی اپنی عزت بھی کرتا ہوں۔ جب میں آپ سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ وہ میرے ساتھ آئی تھی' ہم لوگ یہاں رکے تھے وہ میرے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی' میں نے اسے آپ کے بارے میں بتا بھی دیا تھا' اور یہ کہا تھا کہ میں اس کو آپ سے ملاؤں گا تو پھر بھلا مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی.......... اور ایک بات آپ پورے اعتماد سے سنئے کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ لڑکی بہت چالاک تھی۔"

"کیا مطلب!" میں نے حیرت سے کہا۔

"اسے کچھ شبہ ہو گیا شاید۔"

"کیا شبہ..........!"

"یہی کہ تم اسے اچھی نیت سے یہاں نہیں لائے ہو۔"

"شک کیا مطلب؟"

"ارے پاگل کیوں بے وقوفی کی باتیں کر رہا ہے' جوان لڑکی تھی' اس نے سوچا کہ بہلا پھسلا کر تو کہیں اسے اس جگہ نہ لے آئے' اور اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کر ڈالے یہ محسوس کر کے وہ خاموشی سے پیچھے ہٹی اور کار اسٹارٹ کر کے بھاگ گئی۔"

"مگر کار اسٹارٹ ہونے کی آواز بھی تو نہیں سنائی دی تھی۔"

"بابا کیوں میرا مغز کھا رہا ہے جا اسے تلاش کر لے۔"

"رادھن لال مہاراج میں تو بڑا حیران ہوں۔"

"تو جوتا اٹھا اور دس مار دے میرے.......... کیا کروں میں تیری حیرانی کا؟" رادھن لال نے بولا۔

"نن نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے پتہ نہیں کیا ہو گیا..........!"

"بھاڑ میں جانے دے اب جو کچھ بھی ہو گیا.......... نہیں آئی وہ جہنم میں جائے ہمیں اس سے کیا لینا دینا۔"

"تو پھر اب میں کیا کروں..........!"

"کیا کرنا چاہتا ہے..........؟"

"جو آپ کا حکم ہو..........!"

"جا بیٹھ' جا بیٹھ۔ بس آج سے اپنے جاپ کا آخری حصہ شروع کر دے۔"

"جی مہاراج!" میں نے آہستہ سے کہا۔ میرا دل بری طرح پریشان تھا۔ پشپا نے ایسا کیوں کیا آخر' کیا واقعی رادھن لال کا کہنا درست ہے اسے میری نیت پر کوئی شبہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ میرے ذہن کے کسی گوشے میں اس کے لئے کوئی برا خیال نہیں تھا۔

لیکن یہ تو میرے سوچنے کی بات تھی' ہو سکتا ہے اس کا ذہن بھٹک گیا ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے یہ سوچا ہو کہ شاید میں یہاں اسے کسی بدنیتی سے لایا ہوں۔ اگر پشپا نے ایسا سوچا تو بہت برا کیا۔ اس نے میری توہین کی ہے لیکن پھر میں خود ہی دل ہی دل میں ہنسنے لگا' اپنے آپ پر۔ اس نے میری کیا توہین کی ہے حقیقت تو یہی ہے کہ میں جھوٹا ہوں' جس حیثیت سے میں ان کے گھر میں داخل ہوا تھا وہی غلط تھی اور کسی نہ کسی وقت یہ راز ضرور کھل جاتا.......... نہ جانے کیوں میرا دل چاہنے لگا کہ اب میں وہاں نہ جاؤں۔

کوئی سات بجے کے قریب رادھن لال میرے پاس آیا۔ اس نے کہا۔ "کیا سوچ رہا ہے رے..........؟"

"مہاراج میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا اب مجھے دوبارہ وہاں واپس جانا ہوگا؟"

"کیا کرے گا جا کر.......... جب اس نے ہی تیرا مان نہ رکھا تو اب تو کیوں وہاں جھک مارنے جا رہا ہے؟"

"لیکن مہاراج آپ نے مجھے وہاں بھیجا تھا..........!"

"کسی مقصد سے بھیجا تھا۔ مگر وہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے رابطہ بڑھا جائے۔"

"جی.......... پتہ نہیں پشپا گھر پہنچی بھی یا نہیں۔"

"جہنم میں گئی پشپا اب تجھے اس سے کیا لینا دینا۔ اپنے طور پر اتنا مت سوچا کر۔

میں نے تجھ سے کہہ دیا ہے۔"

"جی مہاراج.........!" میں نے مضمحل لہجے میں کہا۔

"جاپ نہیں پوچھے گا مجھ سے!"

"کیوں نہیں پوچھوں گا۔" میں نے کہا اور رادھن لال مجھے آخری حصے کے بول بتانے لگا۔ اس نے معمول کے مطابق مجھے یہ بول ذہن نشین کرائے اور میں نے ذہن نشین بھی کر لئے۔ لیکن اس کے جانے کے بعد میں یہ سوچتا رہا کہ کیا آج میں خاص طور سے یہ بول پورے کر سکوں گا۔ کیا جاپ کا یہ آخری حصہ مکمل کر لوں گا۔ ذہن تو الجھا ہوا تھا پشپا میں......... نہ جانے بے چاری کے ساتھ کیا ہوا......... کہیں ایسا نہ ہوا ہو کہ میں غلط سوچ رہا ہوں۔ کوئی اور واقعہ کوئی اور حادثہ ہوا ہو اس کے ساتھ اور بے چارہ گنگولی رام میرا انتظار کر رہا ہو۔ میں رادھن لال کی مرضی کے خلاف بھی کوئی کام نہیں کر سکتا تھا' چنانچہ دل مسوس کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب میں نے جاپ شروع کرنے کا آغاز کر دیا۔ یہ جاپ بھی مجھے سات دن کرنا تھا اور بقول رادھن لال کے اس جاپ کو مکمل کرنے کے بعد میرے گیان کا پہلا مرحلہ مکمل ہو جائے گا۔ ذہن کو یکسو کر کے میں نے جاپ کے بول دوہرانے شروع کر دیئے۔ اب مجھے اچھی خاصی مشق ہو گئی تھی اور جاپ کرنے میں مجھے کوئی وقت نہیں ہوتی تھی' آخری مرحلے کا پہلا دن تھا اس لئے کوئی خاص بات نہیں ہوئی اور میں اپنے معمول کے مطابق جاپ کرتا رہا' چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا' سناٹا پھیلا ہوا تھا' پھر چاند نکل آیا' میرا جاپ پورا ہو گیا تھا' چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور واپس اپنی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا' آج پھر وہی ہوا' جیسے ہی میں اندر داخل ہوا' مجھے چیخیں سنائی دیں' عورت ہی کی چیخیں تھیں ان چیخوں نے میرا سکون برباد کر رکھا تھا' لاکھ بار دل میں خواہش پیدا ہوئی تھی کہ ان چیخوں کا راز معلوم ...روں' لیکن آج تک کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا' ویسے بھی یہاں کا ماحول بے حد پُراسرار تھا ...ں ان چیخوں کو نظرانداز کر کے اپنی آرام گاہ کی جانب بڑھنے لگا' لیکن دفعتاً ہی مجھے ایک ...ر دار چیخ سنائی دی۔

"بچاؤ' بچاؤ' بھگوان کے لئے بچاؤ' سرن' سرن کہاں ہو تم سرن' مجھے بچاؤ' سرن ہائے سرن مجھے بچاؤ۔" اور یہ آواز سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پشپا سے کئی دنا

کا ساتھ رہا تھا اس کی آواز میں اچھی طرح پہچان چکا تھا اور اس وقت یہ آواز پشپا ہی کی تھی اور اس نے مجھے آواز دی تھی' جس حیثیت سے بھی سہی لیکن اس نے مجھے سرن سرن کہہ کر پکارا تھا' یہاں میں بے اختیار ہو گیا۔ تمام احتیاط بالائے طاق رکھ کر میں اس جانب دوڑا' جدھر سے یہ آوازیں آ رہی تھیں اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے اچھی خاصی اٹھا پٹخ کی آوازیں سنائی دیں' میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ آوازیں اس جگہ سے آ رہی ہیں' جہاں رادھن لال رہتا ہے' میں دیوانہ وار اس جگہ دوڑا' ایک بار پھر میرے کانوں میں وہی دل دوز آواز ابھری۔

"سرن' سرن مجھے بچالو' سرن مجھے بچالو' ہائے سرن مجھے بچالو۔" میں پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا اس دروازے تک پہنچ گیا اور نہ جانے پھر میرے اندر کہاں سے ایک عجیب سی قوت ابھر آئی' دروازہ بند تھا' میں نے زور سے شانے سے دروازے کو دھکا دیا اور دروازے کے پٹ کھل گئے۔ تڑاخ کی آواز ہوئی تھی اور میں دوڑتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا۔ بہت بڑی سی جگہ تھی اور یہاں رادھن لال نے اپنی آرام گاہ بنا رکھی تھی' گو وہ مجھے اس آرام گاہ تک کبھی نہیں لایا تھا لیکن میں یہ بات جانتا تھا کہ وہ رات کو یہیں رہتا ہے' میں نے آرام گاہ میں تیز روشنی دیکھی اور اس تیز روشنی میں مجھے جو کچھ نظر آیا وہ میرے لیے ناقابل یقین تھا' بابا سفیدے اور رادھن لال دونوں ہی وہاں موجود تھے اور ان کے چہروں پر شیطنت بکھری ہوئی تھی۔ سامنے بڑا سا بیڈ بچھا ہوا تھا' جس پر سفید چادر تھی' لیکن اس وقت یہ سفید چادر بیڈ سے ہٹی ہوئی تھی او اس پر پشپا موجود تھی۔ پشپا نے یہ چادر اپنے بدن پر لپیٹ رکھی تھی اور اس کی آنکھوں میں شدید خوف و ہراس تھا وہ سخت دہشت زدہ نظر آتی تھی' مجھے دیکھ کر اس کی دل دوز آواز پھر ابھری۔

"مجھے بچاؤ سرن' مجھے بچاؤ' تمہیں بھگوان کا واسطہ۔" بابا سفیدے کو یہاں دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی تھی' کیونکہ اس سے پہلے میں نے اسے رادھن لال کے پاس کبھی نہیں دیکھا تھا' دونوں نے مجھے دیکھا اور پھر رادھن لال کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

"تو یہاں کیوں مرنے آیا ہے؟" اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"گرو مہاراج' یہ......... یہ......... یہ پشپا ہے۔"

"ہاں یہ پشپا ہے' تیری ماں تو نہیں ہے۔" رادھن لال نے شدید غصے میں ہوئی آواز میں کہا' میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا' ایک شراب کے برتن پڑے ہوئے تھے اور شراب کی ایک خالی بوتل نیچے رکھی ہوئی دوسری شاید خالی ہو رہی تھی حالات میری سمجھ میں آنے لگے' میں نے بھرائی ہوئی میں کہا۔

"گرو مہاراج!"

"گرو مہاراج کے بچے' یہاں سے دفع ہوتا ہے کہ نہیں........"

"مم مگر مہاراج........"

"ارے کیا اگر مگر لگا رکھی ہے تو نے' جانتا ہے گرو کا درجہ کیا ہوتا ہے؟ اس زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ حکم کا درجہ رکھتا ہے اور تو اپنے گرو کا حکم نہیں مان رہا۔" بابا سفیدے نے کہا' دونوں کی شخصیتیں میرے لئے محترم تھیں' بڑا احترام کرتا تھا لیکن اس وقت جو کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر فیصلہ کرنا میرے لئے مشکل نہیں تھا' وہ چیخیں بھی یاد آ رہی تھیں' جو اس سے پہلے میں سنتا رہا تھا' کیا ان چیخوں کا راز بھی تھا' میں واپس نہ پلٹا تو ان دونوں کو مزید غصہ آ گیا۔

"کیسا ڈھیٹ ہے یہ' ارے میں کہہ رہا ہوں تو جاتا ہے کہ نہیں یہاں سے؟" رادھن لال نے کہا۔"

"جانتا ہوں گرو مہاراج' مگر یہ پشپا.........۔"

"نہیں سرن نہیں' بھگوان کے لئے' یہ لوگ میری عزت لوٹنا چاہتے ہیں' انہوں نے مجھے اغوا کر لیا ہے' میں تمہارے ساتھ آ رہی تھی سرن۔"

"بک بک بند کر کتیا' نہیں تو تیرے شریر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔" رادھن لال نے غرا کر کہا اور اس کی جانب بڑھا۔ پشپا بدن سے چادر لپیٹے لپیٹے مسہری نیچے کود گئی' بابا سفیدے مجھ سے بولا۔

"تو جا یہاں تیرا کام نہیں ہے' نادر جا چلا جا یہاں سے۔ کیوں اپنی جان کے پیچھے ہوا ہے' تجھے تو وہ مل رہا ہے جو تو خوابوں میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا' پھر بڑے آدمی کے بیچ میں کیوں آ رہا ہے؟"

"سنو بابا سفیدے' میری بات سنو' گرو مہاراج میرے گرو ہیں۔ دل سے عزت کرتا ہوں ان کی لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمہیں شاید یہ یاد نہیں رہا کہ میں ایک مسلمان کا بیٹا ہوں' میرا باپ بے شک مرچکا تھا' لیکن جب میں پیدا ہوا تھا تو میرے کان میں اذان کی آواز کہی گئی تھی اور اس کے بعد میں نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی' لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ ایک مسلمان کسی ایسی لڑکی کی عزت لٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا' جو مظلوم اور بے کس ہو' اس لڑکی سے میرا کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو لیکن بہرحال یہ ایک عزت دار لڑکی ہے' میں اس کے گھرانے کو بھی جانتا ہوں' ہرچند کہ میں وہاں دھوکے سے داخل ہوا تھا' ایک غلط نام کے ساتھ' لیکن یہ مجھ پر بھروسہ کر کے یہاں تک آئی تھی' اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ میری وجہ سے ہوا ہے۔ میری وجہ سے نہ بھی ہوتا تب بھی شاید اس طرح میں یہاں آ جاتا تو اس کو بے سہارا نہ چھوڑتا.........."

"ارے مسلمان کے بچے' میں کہتا ہوں کہ تو یہاں سے غرق ہوتا ہے کہ نہیں' رادھن لال نے میز پر رکھی بوتل اٹھالی' جس سے شاید وہ مجھے مارنا چاہتا تھا۔

"آپ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دو گروجی' گردن نہیں اٹھاؤں گا آپ کے سامنے مگر اس لڑکی کو جانے دو۔"

"بابا سفیدے دیکھ رہا ہے تو؟"

"ہاں دیکھ رہا ہوں۔"

"گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو وہ کہاں بھاگتا ہے؟"

"شہر کی طرف.........۔"

"اس پاپی کو سنبھالو' میں نے بہت کچھ کیا ہے اس کے ساتھ' بہت کچھ سوچا ہے اس کے لئے' پر یہ کیا بے کار باتیں کر رہا ہے.........؟"

"تھوڑا سا صبر کرو رادھن لال' میں اسے سمجھاتا ہوں" بابا سفیدے نے کہا' پھر وہ میری طرف رخ کر کے بولا۔

"دیکھو جب کوئی کسی کو کچھ دیتا ہے تو بے مقصد نہیں دیتا اور ہم دونوں بہت گہرے دوست ہیں' تمہیں پتہ نہیں کہ رادھن لال کے پاس کون کون سی طاقتیں ہیں' وہ اگر چاہے تو ایک لمحے میں تمہیں مٹا دے' وہ اگر چاہے تو یہ لڑکی کتیا کی طرح اس کے

پاؤں جائے‘ لیکن اس کی بھی ایک وجہ ہے‘ جب کسی لڑکی کو اپنی قربت میں لایا جاتا
پھر اسے جادو کے زیر اثر لا کر اپنے ساتھ شامل نہیں کیا جاتا‘ بلکہ اسے اس کے اصل
میں ہونا چاہئے‘ چاہے وہ رنگ ایسا ہی کیوں نہ ہو‘ جیسا اس وقت ہے‘ یہاں اکثر
لائی جاتی ہیں اور جب وہ یہاں سے جاتی ہیں تو ان کا ذہن صاف کر دیا جاتا ہے‘ سمجھ
ہو نا‘ پھر انہیں یاد نہیں رہتا کہ یہاں ان کے ساتھ کیا ہوا تھا‘ یا وہ کہاں گئی تھیں‘ اپنا
کھیلنے کے بعد ہم لوگ انہیں اپنے جادو کے زیر اثر تمام باتیں بھلا دیتے ہیں‘ تم بالکل
فکر رہو‘ یہ لڑکی بے شک تمہارے ساتھ یہاں آئی اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے
جب تم دونوں اس طرف آ رہے تھے تو پیچھے سے اسے اٹھا لیا گیا تھا لیکن جب یہ یہاں
واپس جائے گی تو اسے کچھ یاد نہیں ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ تم بے فکر
بات تم تک کبھی نہیں پہنچے گی اور پھر رادھن لال بھلا تمہیں کسی تکلیف کا شکار تھوڑ
کرے گا‘ اصل میں بات یہ ہے کہ رادھن لال تمہیں اپنی شکتی دے گا اور تمہاری
خوبصورتی حسین لڑکیوں کو تمہاری جانب راغب کرے گی‘ وہ تمہارے فریب کا شکار ہو
یہاں تک آیا کریں گی۔ یہ ہم دونوں کا منصوبہ ہے اور اس سے آگے کچھ کہنا بے کار ہے
انسان کا اپنا اپنا شوق ہوتا ہے۔ یہ ہم دونوں کا ہی شوق ہے اور شاید تمہیں اس بات
یقین نہیں آئے کہ اگر تمہاری شکل و صورت اس قابل نہ ہوتی تو ہم تمہیں کبھی یہ قو
نہ دیتے‘ تمہیں دیکھنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ تمہیں ہم اپنے شکاروں کو پھان
کے لئے استعمال کریں گے اور یہی بات میں نے اب رادھن لال سے کہی‘ تب ہی رادھ
لال تمہیں اپنا شاگرد بنانے پر تیار ہوا ورنہ رادھن لال کو کیا پڑی تھی کہ بلاوجہ اپنی شکتی
کسی کو دیتا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا سفیدے‘ لیکن کیا یہ گناہ نہیں ہے.........؟"

"بے وقوف کے بچے گناہ اور ثواب کے چکر میں کیوں پڑا ہے‘ بات تیری
میں نہیں آ رہی‘ اب کیا تیرے ساتھ سختی ہی کرنا پڑے گی.........؟"

"نہیں بابا سفیدے‘ میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"سنا تم نے سفیدے‘ اس کی زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"اب یہ خود اپنے ہاتھوں سے موت کو بلا رہا ہے۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"دیکھو اب تم دونوں سن لو‘ رادھن لال مجھے وہ قوت نہیں چاہئے جو اس طرح
مجھے حاصل ہو‘ یہ لڑکی ہندو ہے‘ لیکن انسان ہے‘ ایک آبرو مند لڑکی ہے اس کی عزت
میں نہیں لٹنے دوں گا‘ خدا کا شکر ہے کہ میں صحیح وقت پر یہاں پہنچا‘ اب تم دونوں اپنی
عزت خود میری نگاہوں میں کھوتے جا رہے ہو‘ میں ایک بار پھر تم سے کہہ رہا ہوں کہ اس
لڑکی کو چھوڑ دو‘ میرے ساتھ جانے دو‘ میں اسے اس کے گھر پہنچا دوں‘ اس کے بعد اگر تم
چاہو تو میرے ساتھ جو سلوک چاہو کر لینا میں گردن نہیں اٹھاؤں گا‘ لیکن اسے اس کے
گھر تک پہنچانے کے بعد ہی سب کچھ ہوگا۔"

"میں تجھے بتاتا ہوں" رادھن لال نے کہا اور ہاتھ میں پکڑی بوتل میرے سر کا
نشانہ لے کر پھینک کر پوری قوت سے ماری‘ لیکن میں بیٹھ گیا تھا اور بوتل دیوار سے ٹکرا
کر ریزہ ریزہ ہو گئی تھی‘ بابا سفیدے نے رادھن لال کو دیکھا اور اس کے بعد دونوں
میرے جانب لپکے لیکن اس وقت میرے دل میں ان دونوں کے لیے کوئی عزت نہیں
تھی۔ وہ لمحات ختم ہو گئے تھے جب میں ان لوگوں کی عزت کرتا تھا‘ انہوں نے خود اپنی
عزت گنوا دی تھی‘ جب کسی کی عزت دل میں نہ رہے اور دل میں ایک عزم پیدا ہو جائے
تو پھر انسان بہت مضبوط ہو جاتا ہے‘ ان دونوں نے مجھ پر حملہ کیا‘ لیکن میں نے دونوں
ہاتھ پھیلائے اور پھر دونوں کی گردنیں اپنے ہاتھوں کے شکنجے میں کس لیں‘ پھر میں نے
کہا۔

"پشپا تم اپنا لباس پہن لو‘ کہاں ہے تمہارا لباس.........؟"

"ان پاپیوں نے‘ ان پاپیوں نے۔" پشپا کی سسکیوں بھری آواز ابھری۔

"تمہیں معلوم ہے وہ کہاں ہے.........؟"

"ہاں اس الماری میں بند کر دیا ہے انہوں نے۔"

"جاؤ اپنا لباس نکالو۔" میں نے کہا‘ ان دونوں کو ایک دم اندازہ ہو گیا تھا کہ میری
جسمانی قوت ان سے کہیں زیادہ ہے‘ ظاہر ہے وہ عمر رسیدہ تھے‘ بدکار تھے‘ جسموں میں
جان نہیں تھی اب یہ الگ بات تھی کہ ان کی جادوئی قوتیں الگ حیثیت رکھتی ہوں لیکن
نہ جانے کیوں اس وقت وہ اپنی جادوئی قوتیں مجھ پر نہیں آزما رہے تھے‘ وہ میرے بازوؤں
سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن میں نے ان کی گردنیں اس طرح بھینچ رکھی تھی

کہ وہ اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو رہے تھے' پشپا دوڑ کر گئی اس نے الماری سے اپنا لباس نکالا پھر مجبوری کے عالم میں اس نے ہمارے سامنے ہی زیب تن کر لیا' جب اس نے لباس پہن لیا تو میں نے اس سے کہا۔

"اب جاؤ دروازے سے باہر نکل جاؤ۔"

"خبردار اگر اس نے دروازے سے باہر قدم رکھا تو.........." رادھن لال نے

اور اس کے بعد اس نے پوری قوت لگا کر اپنے آپ کو مجھ سے چھڑا لیا' پھر اس نے میری کمر پر زور دار گھونسے لگائے اور ان ضربوں سے مجھے اچھی خاصی تکلیف ہوئی تو بابا سفیدے بھی میری گرفت سے نکل گیا' اچانک ہی میں نے ان دونوں کو دیوار کی جانب دوڑتے ہوئے دیکھا اس دیوار پر ڈیکوریشن کے طور پر لمبی لمبی کلہاڑیاں سجی ہوئی تھیں۔ تھیں تو صرف ڈیکوریشن کی چیزیں' لیکن بہرحال ان کے پھل خاصے تیز اور چمکدار تھے دونوں ان کی جانب لپکے' میں ایک لمحے میں صورت حال کو سمجھ گیا' میری چھلانگ ان سے زیادہ تیز رفتار تھی اور اس سے پہلے کہ وہ وہاں تک پہنچنے میں ان کلہاڑیوں تک پہنچا اور پھر میں نے ان میں سے ایک کلہاڑی اتار ہی لی' کلہاڑی جیسے ہی میرے ہاتھ میں آئی دونوں رک گئے' اب وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہے تھے' بابا سفیدے نے اچانک ہی زمین پر لوٹ لگائی اور میری ٹانگوں کو اپنی گرفت میں پھنسانے کی کوشش کی' لیکن میں نے کلہاڑی کا وار کیا اور بابا سفیدے کی ایک ٹانگ ران کے پاس سے کٹ گئی وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا اور رادھن لال نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میری بغلوں میں ہاتھ ڈال کر کمر پر قینچی لگا دی' لیکن میرا ہاتھ آزاد تھا' میں نے احتیاط کے ساتھ کلہاڑی اٹھا کر اس کی پشت میں ماری اور اس کی پشت زخمی ہو گئی' وہ پیچھے ہٹا تو میں نے کلہاڑی پوری قوت سے گھمائی اور میرے ذہن میں ایسا کوئی خیال نہیں تھا کہ میں ایسا عمل کروں اور کلہاڑی سیدھی اس کی گردن کی جانب لپکی اور پھر وہ منظر بڑا ہوش ربا تھا' جس میں میں نے رادھن لال کی گردن کٹ کر دور گرتے ہوئے دیکھی تھی' اس کی گردن سے خون کا فوارہ بلند ہو گیا تھا اور اس کا بے گردن کا دھڑ نیچے زمین پر تڑپ رہا تھا' اسی دوران بابا سفیدے نے ایک بار پھر کوشش کی اور اپنی کٹی ہوئی ٹانگ پر اٹھا' اس نے کلہاڑی پر ہاتھ ڈالا اور کلہاڑی دیوار سے اتار لی۔ یہ دوسری کلہاڑی تھی' پھر اس نے کلہاڑی گھمائی لیکن

میں بھی ہوشیار ۔۔۔ تھا' میں نے اس کے وار کو اپنی کلہاڑی کے دستے پر روکا اور اسے پوری قوت سے دبا کر نیچے کر دیا پھر میں نے اس پر پاؤں رکھا اور دوسرے لمحے میری کلہاڑی فضا میں بلند ہوئی' اب مجھ پر بھی خون سوار ہو گیا تھا' بابا سفیدے کی کھوپڑی دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی اور اس کے بعد کھیل ختم ہو گیا تھا' ان دونوں کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں اور پشپا دیوار سے ٹکی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی اس کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے اور اس کا چہرہ خوف و دہشت کے تصویر بنا ہوا تھا۔ میں نے حقارت سے ان دونوں کی لاشوں کو دیکھا پھر اپنے آپ کو۔ خون کے چھینٹے میرے لباس پر پڑ گئے تھے۔ لیکن مجھے ان کی پرواہ نہیں تھی۔ میں بالکل ٹھیک ٹھاک تھا' میں نے کلہاڑی ایک جانب پھینکی اور پھر پشپا کی طرف دیکھا' پھر آہستہ سے بولا۔

"پشپا تم محفوظ ہو اپنے آپ کو سنبھالو.........."

پشپا نے کوئی جواب نہیں دیا' وہ بدستور دیوار سے لگی تھر تھر کانپتی رہی' یہاں میرے اور لباس بھی موجود تھے۔ باہر نکلنے سے پہلے لباس تبدیل کرنا ضروری تھا۔ میں نے پشپا سے کہا۔

"سنو پشپا! یہ دونوں شیطان اب جہنم رسید ہو گئے ہیں اور یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہاں اس وقت ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ ویسے بھی۔ یہاں بہت کم لوگ آتے ہیں اور صرف وقت پر آتے ہیں' اس لئے اب تمہیں کسی اور سے تو کوئی خطرہ نہیں ہے' میرے یہ کپڑے خون آلود ہو گئے ہیں۔ انہیں تبدیل کرنا ضروری ہے' اگر تم اس کمرے میں ان لاشوں کے پاس نہ رک سکو تو میرے ساتھ آؤ' آؤ پشپا! ہمت کرو' میں تمہیں اتنی تفصیل ضرور بتا دوں گا کہ تمہارے ذہن کی الجھن دور ہو جائے' خدا کا شکر ہے کہ میرے بروقت پہنچ جانے سے تمہاری عزت بچ گئی۔"

پشپا نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"پشپا.........." میں نے اسے آواز دی۔

"ہاں ہاں۔" اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری اور پھر وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی' اس نے اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا تھا اور زار و قطار رونے لگی تھی۔ نہ جانے کیوں میرا ہاتھ اس کے سر پر پہنچ گیا۔ میں نے کہا۔

"نہیں پشپا........ بہرحال مجھے اس تمام کاروائی کا افسوس ہے،
.... لیکن، آؤ میرے ساتھ آؤ........" میں نے کہا اور اسے سنبھال کر بازو کا
دے کر اپنے ساتھ باہر لے آیا، پھر میں اپنی رہائش گاہ پر پہنچا۔ پشپا تمام چیزیں حیرانی
دیکھ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کے حواس بحال ہوتے جا رہے تھے، میں نے لباس نکال
اسے تبدیل کیا، پشپا وہیں رخ بدلے بیٹھی رہی........ پھر اس کے بعد مجھے کچھ خیا
آیا........ ظاہر ہے میں اب اس قدر احمق بھی نہیں رہا تھا خاصی دنیا داری آگئی تھی
میں اس سنگین صورت حال سے اچھی طرح واقف تھا جو اب مجھے پیش آسکتی تھی۔ چنا
کوئی حماقت کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا، لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے اپنا بھر
جائزہ لیا اور پھر پشپا کا ہاتھ پکڑے ہوئے باہر نکل آیا۔ اسے ایک جگہ کھڑا کر کے میں
رادھن لال کے اس کمرے میں داخل ہوا جہاں اب بھی دونوں کی بھیانک لاشیں پڑ
ہوئی تھیں، رادھن لال کا سر اس کے دھڑ سے کافی فاصلے پر پڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھ
دہشت زدہ انداز میں پھٹی ہوئی تھیں۔

"کتے کہیں کے، بڑے گیانی بنے پھرتے ہیں۔ شیطان کا دوسرا روپ، مگر غل
میری بھی ہے، میں ان تمام باتوں کو سوچے سمجھے بغیر اس کی عقیدت میں اس قدر گرفتا
گیا کہ دنیا کی ہر اچھائی اور برائی بھول گیا۔ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں
انسانی وقار کھو بیٹھوں........" بہرحال رادھن لال کے اس کمرے کی تلاشی لینے کے بع
مجھے ایک جگہ سے خاصی کرنسی دستیاب ہو گئی، خاصی دولت تھی یہاں زیورات،
چاندی، لیکن میں چور نہیں تھا، مجھے ان میں سے ساری چیزیں نہیں چاہئے تھیں، میں
صرف اتنی رقم وہاں سے حاصل کی جو میری ابتدائی ضروریات پوری کر دے اور کچ
عرصے تک مجھے مشکلات سے دور رکھے۔ چنانچہ یہ رقم اپنی جیبوں میں بھرنے کے بعد
وہاں سے باہر نکلا اور پھر پشپا کے ساتھ اس منحوس جگہ سے باہر نکل آیا........ پھر خا
فاصلہ طے کرنے کے بعد میں اس جگہ پہنچا جہاں پشپا کی کار کھڑی ہوئی تھی اور یہ دیکھ
میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں کہ کار بدستور وہاں موجود تھی........ میں
پھٹی پھٹی آنکھوں سے پشپا کو دیکھا تو پشپا بولی۔

"کک.... کیا ہوا، کیا ہوا........؟"

"کچھ نہیں پشپا کچھ نہیں، تم کار چلا سکو گی........؟"

"ہاں اب میں ٹھیک ہوں۔" اس نے کہا۔

بہرحال پشپا کے ساتھ بیٹھ کر میں چل پڑا۔

"کار کی رفتار بالکل سست رکھو، تمہارے اعصاب قابو میں نہیں ہیں۔"

"یہ کیا ہوا تھا۔ یہ سب کیا ہوا تھا سرن اور تم تم........؟"

"پشپا! بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں بتانے کو دل چاہتا ہے لیکن بتائی نہیں جا سکتیں۔"

"کیا مطلب، کیا مطلب، کون تھے یہ پاپی، بھگوان ان کا ناس کرے، کون تھے........؟"

"پشپا جب ہم تم ساتھ آ رہے تھے اس طرف تو تم غائب کہاں ہو گئی تھیں........؟"

"بھگوان کی سوگند مجھے نہیں معلوم اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے اوپر کوئی غلاف سا آ پڑا ہو، بس دم گھٹنے لگا تھا میرا، ایسا لگا تھا جیسے کسی نے مجھ پر کمبل ڈال دیا ہو، پھر میرے شریر کو اٹھا کر کسی طرف لے جایا گیا اور کمبل میں لپٹی لپٹی دم گھٹنے کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو اسی جگہ ہوش میں پایا تھا، جہاں میں بند تھی، اس سمے وہاں کوئی نہیں تھا، میں اکیلی وہاں پڑی ہوئی تھی، میں نے بہت دروازہ پیٹا لوگوں کو پکارا، لیکن کسی کی کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی، پھر سارا سمے میں نے اس کمرے میں گزارا اور پھر یہ دونوں پاپی کمرے میں داخل ہوئے، دروازہ بند کیا اور........ بھگوان ان کا ناس کرے۔" پشپا کی آنکھیں پھر دھندلا گئیں۔

"نہیں پشپا خود کو سنبھالو۔"

"مگر ایک بات بتا دو سرن........؟"

"کیا........؟"

"تمہارے یہ کپڑے وہاں کیسے موجود تھے........؟"

"ایں........!" میں نے چونک کر کہا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے تم یہیں رہتے ہو۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ

سے کہا۔

"پشپا! بعض اوقات انسان گناہ کرتا ہے، لیکن وہ خود گنہگار نہیں ہوتا، ویسے
شخص اپنے آپ کو معصوم ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن حقیقتاً معصوم نہیں ہو

"میں کچھ نہیں سمجھی.........؟"

"کاش میں تمہیں صحیح طور پر سمجھا سکتا۔"

"مگر مجھے بتاؤ تو سہی.........؟"

"بتا دوں گا پشپا، بتا دوں گا ابھی مجھے کچھ اور کام بھی کرنے ہیں......... پشپا تم
تکلیف تو ہوگی، ایسا کرو، میں تمہیں تمہارے گھر تک پہنچائے دیتا ہوں۔ یہ بات تو ط
کہ تمہارے اس طرح گم ہو جانے سے تمہارا سارا گھر پریشان ہوگا، تم جو دل چاہے
لوگوں سے کہہ دینا میں ذرا کچھ کام کر کے واپس پہنچوں گا۔"

"مطلب.........؟"

"دیکھو، تمہیں حفاظت کے ساتھ تمہارے گھر کے دروازے تک پہنچا دینا
فرض ہے، لیکن اپنی جان بچانا بھی میرا فرض ہے، کیوں، میں غلط کہہ رہا ہوں.........؟"

"میں سمجھی نہیں.........؟"

"دیکھو میرے ہاتھوں دو انسان قتل ہو گئے ہیں۔ اب قتل کی وجہ کچھ بھی ہو
یہ بات تو تم بھی جانتی ہو کہ مجھے قاتل کی حیثیت سے گرفتار کر لیا جائے گا، میں پہلے
دونوں لاشوں کو ایسی جگہ ٹھکانے لگا دیتا ہوں جہاں سے ان کا پتہ نہ چلنے پائے۔ اس ط
میں بچ سکوں گا۔ پشپا، یہ بات تو صرف تم جانتی ہو کہ یہ قتل میں نے مجبوری کی حالت
کئے تھے، لیکن قانون یہ بات نہیں مانے گا........."

"ہاں یہ تو ہے........."

"تم ایسا کرو مجھے اپنے گھر سے تھوڑے فاصلے پر اتار دینا اور اس کے بعد تم
جانا، اپنے طور پر تم ان کو جو دل چاہے بتا دو، چاہو تو حقیقت بتا دینا، لیکن ابھی میرا ان
سامنے جانا مناسب نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" پشپا نے گردن ہلائی پھر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ پشپا
پورے گھر میں روشنی ہو رہی تھی۔ بہت سے لوگ گیٹ کے باہر ہی کھڑے ہوئے

ہماری کار ابھی خاصی دور تھی اور ان لوگوں نے یقینی طور پر اسے نہیں دیکھا تھا پشپا نے
گاڑی روکی اور بولی۔

"دیکھو سارے کے سارے جمع ہیں۔"

"وہ تو ہونا ہی چاہئے، ظاہر ہے۔ کسی گھر کی بیٹی غائب ہو گئی ہے، اچھا پشپا تو پھر
ٹھیک ہے؟"

"ایک بات اور بتا دو سرن.........؟"

"ہاں پوچھو.........؟"

"یہ تم اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہہ رہے تھے.........؟"

"ساری باتیں بعد میں بتاؤں گا پشپا، بہت لمبی کہانی ہے، پلیز محسوس نہ کرنا۔"

"نہیں ٹھیک ہے، کب آؤ گے پھر.........؟"

"اپنے کام سے نمٹنے کے بعد۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں کار سے اتر گیا اور اس کے بعد تیز تیز قدموں آگے بڑھ کر
ایسے راستوں کا انتخاب کرنے لگا جہاں سے مجھے دیکھا نہ جا سکے۔ پشپا نے کار آگے بڑھا دی
تھی۔ میں تیز رفتاری سے چلتا رہا اور بہت دور نکل آیا......... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
اب کیا کروں، بہرحال مجھے یہ خیال ضرور تھا کہ ایک قاتل کی حیثیت سے مجھے شناخت کر
لیا جائے گا اور بالآخر پولیس میرے پیچھے پڑ جائے گی، لیکن اب جو کچھ بھی ہو اپنی زندگی
بچانا ضروری ہے۔

الیاس بھائی کا کوئی پتہ نہیں تھا، ایک بار جیل گئے تھے تو اس کے بعد سے آج تک
مجھے نہیں مل سکے تھے، لیکن اس کے بعد میں نے جو دنیا دیکھی تھی وہ بالکل مختلف تھی،
یہاں میرا ایک اور ٹھکانہ بھی تھا......... میں چاہتا تو وہاں جا سکتا تھا۔ یہ چچی جان کا گھر تھا
یعنی ریاض کا گھر لیکن میں جانتا تھا کہ جہاں جہاں سے میرا رابطہ ہوگا وہاں مجھے تلاش کیا
جائے گا، اس لئے جس قدر جلد ہو سکے مجھے یہ شہر ہی چھوڑ دینا چاہئے اور اس کے لئے بہتر
طریقہ یہ تھا کہ میں ریلوے اسٹیشن چلوں، چنانچہ میرے قدم اس جانب اٹھ گئے......... پھر
کچھ دیر کے بعد میں ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا تھا رات اچھی خاصی گزر چکی تھی۔ ریلوے
اسٹیشن تقریباً خالی ہی پڑا ہوا تھا، اکا دکا افراد ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے جو دکانیں ریلوے

اسٹیشن پر بھی ہوا کرتی تھیں ان میں سے چند دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر چائے کی ایک دوکان پر پہنچ گیا اور میں نے اس سے چائے طلب کی۔

"چائے بن رہی ہے بابو جی تھوڑا سا انتظار کرلیں۔" چائے والے نے کہا.......
میں کھڑا ہوگیا تو وہ بولا۔

"آپ کو اسی آخری گاڑی سے جانا ہے..........؟"

"آخری گاڑی.........؟"

"ہاں جی بس یہی ایک آخری گاڑی اس وقت یہاں رکتی ہے باقی گاڑیاں گزر جاتی ہیں' چھوٹا سا اسٹیشن ہے نا' مگر آپ کیا یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں.........؟"

"نہیں میں یہاں کا رہنے والا ہوں اور اسی آخری گاڑی سے مجھے جانا ہے' وہ کس وقت یہاں پہنچے گی.........؟"

"بس جی بیس پچیس منٹ میں پہنچنے ہی والی ہوگی' اس آخری گاڑی کے بعد ہی ہم بھی دوکان بند کر دیتے ہیں.........."

"اچھا اچھا........" میں نے کہا لیکن میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ یہ آخری گاڑی کہاں جائے گی' بہرحال تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھے چائے بنا کر دے دی اور میں چائے پینے لگا' چائے کے پیسے ادا کر کے میں فارغ ہوا ہی تھا کہ اسٹیشن پر تھوڑی سی ہنگامہ آرائی نظر آئی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ٹرین آرہی ہے' یہ بھی اچھا ہی ہوا' مجھے اسی وقت نکل جانے کا موقع مل جائے گا۔ ٹرین کہاں جا رہی ہے اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی' میں انتظار کرتا رہا تھوڑی دیر کے بعد ٹرین آکر رک گئی' تقریباً تمام ہی مسافر سو رہے تھے' دو تین افراد یہاں اترے اور اپنے سامان سمیت بڑے پھاٹک کی جانب بڑھ گئے' میں ایک ڈبہ منتخب کر کے اس میں سوار ہوگیا' ڈبہ خالی تھا اور اس میں صرف چند خاندان نظر آرہے تھے' جو سو رہے تھے۔

ویسے یہ ڈبہ ایئر کنڈیشنڈ تھا اور اس لئے بھی اس میں زیادہ رش نہیں تھا' جب کہ دوسرے کئی ڈبوں میں میں رش دیکھ چکا تھا۔ گو ان میں بھی لوگ سو رہے تھے لیکن کھڑکیوں سے نظر آتے تھے جبکہ اس کے باہر شیشے لگے ہوئے تھے۔ بہرحال میں ایک آرام دہ نشست پر بیٹھ گیا۔ جیب میں نوٹ تو کافی مقدار میں موجود تھے مجھے اس کی فکر نہیں تھی

کہ ٹکٹ کا کیا ہوگا ٹرین یہاں صرف پانچ منٹ رکی اور اس کے بعد آگے بڑھ گئی جب اس نے رفتار پکڑلی تو میں نے سکون کی ٹھنڈی سانس لی' زندگی میں ایک نئے سفر کا آغاز ہوگیا لیکن جس انداز میں ہوا تھا وہ بے حد خراب تھا' میں نے جو کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اس کے حصول میں ناکام رہا تھا اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ زندگی کی اس نئی ڈگر پر کس طرح سفر کیا جائے' یہ احساس بھی تھا کہ جب ان دو افراد کی لاشیں پولیس کو دستیاب ہوں گی تو اس کے بعد یہ کھوج کی جائے گی کہ ان کا قاتل کون ہے' پتہ نہیں کہاں سے میرے بارے میں علم ہوگا۔ ہو سکتا ہے گنگولی رام ہی یہ بات بتا دے کہ سرن یہاں آیا تھا بعد میں یہ بھی پتہ چل جائے کہ سرن درحقیقت میں نہیں تھا اصلی سرن بھی تو کہیں نہ کہیں ہوگا' پھر ہو سکتا ہے فیض خاں کے مکان سے معلومات حاصل کی جائیں' بہرحال کبھی اس کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ کوئی تمہاری جانب سے غافل ہو جائے گا' مستعدی اور ہوشیاری ہر لمحے قائم رکھنی چاہئے یہی زندگی کی ضمانت بنتی ہے۔ ورنہ انسان بے موت مارا جاتا ہے' مجھے موت سے دلچسپی نہیں تھی اور میں زندہ انسانوں کی طرح جینا چاہتا تھا اب دیکھنا یہ تھا کہ تقدیر مجھے اس کا موقع فراہم کرتی ہے یا نہیں' پھر رفتہ رفتہ ٹرین رفتار پکڑتی چلی گئی اور میری سوچوں کے دائرے اسی طرح پھیلنے سکڑنے لگے' اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب ہوا کیا ہے' درحقیقت بابا سفیدے ہی غلط آدمی تھا اور چچی جان بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ فیض خان کا خاندان برائیوں ہی میں پڑ چکا تھا' حقیقت مجھے معلوم تھی بات فیض خاں ہی نے بگاڑی تھی وہ بھی ریلوے ملازم تھا لیکن دولت مند بننے کے خواب دیکھتا تھا' سونا بنانے کے چکر میں بالآخر وہ اپنی زندگی گنوا بیٹھا' ریاض خاں ایک بگڑا ہوا نوجوان تھا اور چچی جان خود بھی الٹے سیدھے وظیفے کر کے نہ جانے کیا بننا چاہتی تھیں' بابا سفیدے جیسا عیاش اور اوباش طبع نوجوان خیر چچی جان کی جانب متوجہ تو نہیں ہو سکتا تھا لیکن پتہ نہیں اس نے کیوں مجھے یہ مقام دے دیا تھا اس کی وجہ بعد میں ان ہی لوگوں نے بتا دی تھی کہ میری شکل و صورت میرا جسم ان لوگوں کے لئے قابل توجہ تھا اور وہ میرے ذریعے نوجوان لڑکیوں کا شکار کر کے عیاشی کرنا چاہتے تھے' لعنت زدہ انسان' حالانکہ عمر کی اس منزل میں تھے جہاں انسان اپنی برائیوں سے خود بخود دور ہو جاتا ہے لیکن وہ اب بھی اس قدر ذلیل تھے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ رادھن لال جو کالی طاقتوں کا مالک

تھا اتنی آسانی سے میرے ہاتھوں کیسے مارا گیا۔ غالباً دھوکہ ہو گیا۔ اسے یہ امید نہیں ہوگی کہ میں کسی دن اس کے ساتھ یہ سلوک بھی کر ڈالوں گا۔ ان کمبختوں نے مجھے سرن لال بنا کر اس لئے وہاں بھیجا تھا کہ میں معصوم پشپا کو بہکا کر وہاں تک لے آؤں' آہ.......
بہت اچھا ہوا پشپا بچ گئی' میرے ساتھ تو آئندہ جو کچھ ہوگا میں دیکھ لوں گا لیکن وہ لڑکی بیچاری' معصوم صورت' ایک شریف نفس لڑکی' خدانخواستہ اگر وہ ان لوگوں کے ظلم کا شکار ہو جاتی تو کیا میں اپنے آپ کو کبھی معاف کر سکتا تھا' ممکن نہیں تھا' یہ بالکل ممکن نہیں تھا ہو سکتا ہے مجھے خودکشی ہی کر لینا پڑتی۔ میں نے جذباتی انداز میں سوچا پھر آنکھوں میں غنودگی سی طاری ہونے لگی' غالباً ہلکے ہلکے ہچکولے اور ایک مدہم سی بے سری آواز میرے ذہن کے پردوں سے ٹکرا کر مجھے نیند مہیا کر رہی تھی پھر اس وقت آنکھ کھلی جب ڈائننگ کار کے ویٹر ناشتہ ناشتہ چلاتے پھر رہے تھے' ٹرین کا سفر بدستور جاری تھا میں نے محسوس کیا کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے' چند افراد ان سے ناشتہ لے کر کھانے پینے میں مصروف تھے' میں نے خود بھی ناشتہ طلب کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے ناشتہ فراہم کر دیا گیا۔ ہلکا پھلکا ناشتہ کر کے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے میں نے آئندہ کے بارے میں سوچا' اپنے مستقبل کے لئے اب اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر کچھ کرنا پڑے گا' یہ سب احمقانہ اقدامات ہیں جو میں اب تک کرتا رہا ہوں' انسان کی زندگی کا انداز یہی ہے کہ دنیا میں آ کر محنت مزدوری کرے اپنے لئے گنجائش نکالے اور پھر اپنے جیسوں کی طرح زندگی بسر کرنا شروع کر دے' ماں اور سوتیلے بہن بھائیوں سے دور ہوئے طویل عرصہ گزر چکا تھا لیکن ماضی کچھ ایسی تلخی رکھتا تھا کہ جب بھی اس کے بارے میں سوچتا منہ میں کڑواہٹ گھل جاتی۔ میرے دل میں ایکبار بھی یہ آرزو نہیں ابھری تھی کہ میں واپس اپنی بستی جاؤں' ماں کو دیکھوں بستی کو دیکھوں' باقی تو میرا تھا ہی کیا' سچی بات یہ ہے کہ بہن بھائیوں نے کبھی مجھ سے کوئی رغبت نہیں رکھی تھی اور یہ بھی فضل خان ہی کی کوششیں تھیں' میرا ایک مقام بنا دیا گیا تھا ایک ملازم' یا ایک گھر کی سب سے معمولی شخصیت کا مقام جس کا کام صرف پٹنا اور گھر کے کام کاج کرنا تھا۔ پھر چائے ختم ہو گئی' ویٹر کو پیسے وغیرہ دے کر میں فارغ ہوا ہی تھا کہ چند آفیسران کمپارٹمنٹ میں آ گئے' مجھ سے ٹکٹ مانگا تو میں نے ان سے نہایت صاف گوئی سے کہا کہ میں نے ٹکٹ نہیں بنوایا ہے وہ میرا ٹکٹ بنا دیں'

انہوں نے کوئی تعارض نہیں کیا تھا' میں نے ٹکٹ کی رقم انہیں ادا کی اور وہ مجھے ایک پرچی دے کر آگے بڑھ گئے' اب بھی میں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ یہ ٹرین کہاں جا رہی ہے۔ اس ایئر کنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں جو لوگ سفر کر رہے تھے وہ رکھ رکھاؤ والے تھے ان کے درمیان میں ہی سب سے ہلکا نظر آ رہا تھا' ان کے ساتھ ان کے خاندان بھی تھے اس لئے کوئی میری جانب رجوع نہیں ہوا پھر ٹرین کا یہ سفر تقریباً بارہ گھنٹے کے بعد ختم ہوا اور ٹرین رک گئی میں بھی نیچے اتر آیا تھا تب میں نے اس ریلوے اسٹیشن کا نام دیکھا' یہ میرے ملک کا ایک بہت بڑا شہر تھا' بہت بڑا اور صنعتی شہر' جس کے بارے میں میں نے تفصیلات سنی تھیں کبھی یہاں تک پہنچا نہیں تھا لیکن تقدیر نے مجھے یہاں پہنچا دیا تھا' کیا شہر تھا انسانوں کی بھرمار وہ دن بھی مجھے یاد آ گیا جب الیاس بھائی کے ساتھ پہلی بار میں نے ریل میں سفر کیا تھا ایک عجیب و غریب انداز میں اس کے بعد ایک اسٹیشن پر اترا تھا' دنیا دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس کے بعد میں نے بہت کچھ دیکھا تھا لیکن اتنا بڑا شہر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا' بلند و بالا عمارتیں' سڑکوں پر بہتا ہوا کاروں بسوں اور رکشاؤں کا طوفان' ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے لوگ کسی شدید ہنگامی کیفیت کا شکار ہیں اور بھاگے جا رہے ہیں شاید اپنی جان بچانے کے لئے۔ اب اس ہنگامی شہر میں مجھے کیا مقام حاصل ہوتا ہے۔ مجھے یہ دیکھنا تھا......... حالانکہ اس ہنگامہ خیزی سے دل ہول رہا تھا لیکن ایک بات یہ بھی دل میں تھی کہ جو کچھ بھی ہے بہرحال مجھے ہمت کے ساتھ اپنی زندگی بچانے کے لئے کوششیں کرنی ہیں' ہر خوف کو دل سے نکال کر اپنے لئے ایک جگہ تلاش کرنی ہے پتہ نہیں اس بھرے شہر میں میرے لئے وہ جگہ کون سی ہوگی۔ نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا' کئی جگہ بسوں میں بھی بیٹھا اور جہاں بس ختم ہوئی وہاں اٹھ گیا' اس بار بھی میں بس ہی میں بیٹھا تھا' شام کے تقریباً پانچ بج رہے تھے بس نے مجھے جس جگہ اتارا اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا کیا ہی حسین جگہ تھی' بہت سے لوگ وہاں نظر آ رہے تھے جگہ جگہ دوکانیں سجی ہوئی تھیں لوگ ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے' داہنے ہاتھ پر پتھروں کی ایک بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ سامنے ہی بڑا خوبصورت سا منظر تھا۔ لیکن انداز کچھ عجیب سا تھا' میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر وہاں پہنچ گیا تب میری نگاہوں نے ایک اور منظر دیکھا بہت دور کافی فاصلے پر سمندر لہریں لے رہا تھا'

سمندر کا علاقہ تھا پانی کی بے کراں چادر پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی، سرمائی پانی دور سے بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا میرا دل چاہا کہ میں بھی اس طرف جاؤں، چنانچہ میں اس طرف بڑھ گیا خاصہ فاصلہ طے کرنا پڑا تھا یہ ایک ساحلی تفریح گاہ تھی میں اپنی معلومات میں خود بخود اضافہ کرتا جا رہا تھا پھر میں پانی کی لہروں کے قریب پہنچ گیا مجھے عجیب سا خوف محسوس ہونے لگا تھا اگر یہ پانی انسانوں کی جانب دوڑ پڑے تو انسان کہاں جائیں گے' میرا خیال ہے آن کی آن میں یہ اتنا بڑا شہر زیر سمندر چلا جائے گا۔ کیسی خوفناک بات تھی' لوگ پانی کے اندر نہا رہے تھے ایک دوسرے پر پانی اچھال رہے تھے، تفریحات کر رہے تھے' تاحد نظر ریت چلی گئی تھی میں اس ٹھنڈی ریت پر آگے بڑھ گیا اور پھر اپنی فطرت کو تسکین دینے کے لئے میں انسانوں سے اتنی دور چلا گیا کہ لوگ وہاں نہیں آتے تھے' کافی فاصلے پر بائیں سمت بہت مکانات اور فلیٹ بنے ہوئے تھے' لوگ سمندر کے کنارے بھی آباد تھے اور زندگی گزار رہے تھے' کیا ہی خوبصورت نظارہ ملتا ہو گا انہیں' اب میں جس جگہ موجود تھا وہاں ریت کے سوا اور کچھ نہیں تھا' نرم ریت جس پر پانی کی لہریں بھگو کر اور نرم کر جاتی تھیں' میں نے قدم آگے بڑھائے لیکن اچانک ہی مجھے ایک عجیب منظر کا سامنا کرنا پڑا' میرے قدموں کے نشانات ریت پر پیچھے چھوٹتے جا رہے تھے لیکن مجھ سے آگے کچھ اور نشانات بھی نظر آ رہے تھے بالکل اسی سیدھ میں جس میں میں جا رہا تھا' یہ نشانات اگر دور تک چلے جاتے تو کوئی بات نہیں تھی لیکن میں نے جو خاص بات محسوس کی وہ یہ تھی کہ جب میں چند قدم آگے بڑھتا ہوں تو مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر یہ نشانات بنتے چلے جا رہے ہیں۔ جب میں نے ان پر غور کیا تو میں شدت حیرت سے چونک پڑا اور کھڑا ہو گیا۔ نشانات بھی رک گئے تھے' یہ کیا اسرار ہے.........؟ کوئی ہے تو نہیں میرے آس پاس' پھر یہ قدموں کے نشانات کیسے ہیں......... میں نے دل میں سوچا ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو' آگے سے کوئی شخص گزرا ہو اور اس کے نشانات آگے چل کر معدوم ہو گئے ہوں' میں نے پھر چند قدم آگے بڑھائے اور اس وقت میری حیرت اپنی آخری حدوں کو چھونے لگی جب میں نے پھر اپنے آگے قدموں کے نشانات بنے ہوئے دیکھے' نہ جانے کیوں میرے دل میں خوف کا ایک احساس جاگ اٹھا اور میں نے ڈری ڈری آواز میں کہا.........

"کون ہے.........؟ کون ہے یہاں.........؟ کون ہے.........؟" یہ آواز فضا میں گونجی ہی تھی کہ میرے کانوں نے سنا۔

"ہم ہیں مہاراج۔" میں نے پاگلوں کی طرح گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا' لیکن کوئی نظر نہیں آ رہا تھا' تب میں نے سوال کیا۔

"کون......... کون ہو.........؟"

"تمہارے بیر۔ ہم تمہارے بیر ہیں' مہاراج' مونگا ہے ہمارا نام۔"

"مم......... مم......... مونگا۔" میرے منہ سے نکلا۔

"ہاں مہاراج' حکم ہو تو سامنے آ جائیں.........؟"

"میرے بیر.........؟"

"تو اور کیا......... ہم تمہارے بیر ہیں جاپ کیا تھا نہ تم نے ہمارے لئے' ہم تمہارے بیر ہیں۔ مہاراج' تم نے ہمیں بلا لیا ہے مگر مگر۔"

"مگر کیا.........؟"

"سامنے آئیں تمہارے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا تم کون ہو۔ کیسے بیر۔ کہاں کا بیر.........؟"

"مہاراج۔ ایک بات بتائیے آپ نے جاپ کیا تھا نہ ہمارے لئے.........!"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"تعجب ہے آپ کو نہیں معلوم' پھر وہاں پیڑ کے نیچے کیا جھک مارتے رہتے تھے۔ ہمیں پکڑنے کے لئے۔"

"مپ......... پیڑ کے نیچے.........؟"

"ہاں تو اور کیا........."

"مگر تم........."

"ٹھہرو ہم تمہارے سامنے آ رہے ہیں۔" اس نے کہا اور دفعتاً ہی میرے سامنے ایک عجیب الخلقت شے نمودار ہو گئی آہ......... میرے دل و دماغ کا کیا حال تھا میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا' ایک موٹا سا بھدا سا بدن میرے سامنے تھا لیکن صرف شانوں تک اس کے دونوں ہاتھ بھی تھے سینہ پیٹ ٹانگیں بھی تھیں لیکن سر غائب تھا اس کے شانوں

پر سر نہیں تھا لیکن وہاں کسی زخم وغیرہ کا نشان بھی نظر نہیں آرہا تھا' میرا سانس گھٹنے لگا اور غشی سی طاری ہونے لگی میں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تت......... تم......... تم......... تم سرکٹے ہو۔" اصل میں سرکٹوں کی کہانی میں نے اپنی بستی ہی میں سنی تھی' بہت فاصلے پر ایک جگہ تھی جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہاں ایک سرکٹا رہتا ہے اس کا سر نہیں ہے اور وہ لوگوں کو پریشان کرتا ہے' وہ بھوت ہے اور اس وقت یہ سرکٹا بھوت میرے سامنے تھا میرے اعصاب سن ہونے لگے دل چاہا کہ وہاں سے بھاگ جاؤں لیکن بھاگ بھی نہیں سکا' تب میں نے اس سے کہا۔

"بھاگ جاؤ......... بھاگ جاؤ......... بھاگ جاؤ۔"

"مہاراج ہماری بات تو سنیں۔" لیکن میں نے اس کی کوئی بات نہیں سنی' اچانک میرے بدن میں جیسے زندگی واپس آگئی' میں پلٹا اور اس کے بعد میں نے جس تیز رفتاری سے واپسی کا سفر طے کیا تھا وہ شاید کسی انسان کے بس میں نہ ہوگی' کسی گھوڑے سے زیادہ تیز رفتاری سے میں وہاں سے بھاگا تھا اور فاصلے طے کرتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں بہت سے لوگ موجود تھے' میں اس سرکٹے سے خوفزدہ تھا' میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ کسی جگہ بیٹھ جاؤں' تھوڑے ہی فاصلے پر ایک چاٹ بھلے والا نظر آرہا تھا اس کے سامنے کچھ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ میں ہزاروں دقتوں کے ساتھ وہاں تک پہنچا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا' میرا سانس سینے میں نہیں سما رہا تھا' بھاگا ہی کتنی تیز رفتاری سے تھا' بھوت دیکھ کر بھلا کون رک سکتا ہے' دہی بھلے والا وہاں پہنچ گیا اور اس نے کہا۔

"کیا لاؤں صاحب.........؟"

"کچھ......... کچھ بھی لے آؤ........." میں نے ہانپتے ہوئے کہا اور وہ واپس چلا گیا تھوڑی دیر کے بعد اس نے دہی کی چاٹ میرے سامنے کچھ دوسرے لوازمات کے ساتھ رکھ دی' مجھے اس چیز کی ذرا بھی ضرورت نہیں محسوس ہو رہی تھی لیکن یہاں بیٹھنا بھی تھا' میں گہری گہری سانسیں لیتا رہا اور آہستہ آہستہ میرا سانس اعتدال پر آتا چلا گیا' میرے آس پاس کی کرسیاں خالی پڑی تھیں لیکن جب میں نے دہی کی پلیٹ کی جانب قدم بڑھایا تو اچانک ہی ایک ہاتھ میری پلیٹ پر آکر رک گیا ایک انسانی ہاتھ ہی تھا' میں ایک بار پھر

اچھل پڑا وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے شانوں پر سر نہیں تھا' میں نے چیخنے کی کوشش کی لیکن آواز میرے منہ سے نہ نکل سکی تو مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

"سنو مہاراج کیوں پاگل ہوئے جا رہے ہیں......... ارے ہم بیر ہیں تمہارے' غلطی تم سے ہوئی تھی مہاراج' اگر تم جاپ پورا کر لیتے تو ہمارا سر بھی ہمارے کندھوں پر ہوتا' ایک تو خود سرکٹا بنا دیا ہمیں اور اس پر ہم سے ڈر رہے ہو۔"

"تت۔ تم کون ہو.........؟"

"دیکھو مہاراج جو جاپ تم کر رہے تھے نہ ہم اس جاپ کے بیر ہیں اور ہمارا نام مونگا ہے' جب تم اپنا جاپ آخری حد تک مکمل کر لیتے تو ہم پورے کے پورے تمہارے سامنے آجاتے' مگر تم نے جاپ پورا نہیں کیا اور ہمیں آدھا چھوڑ دیا اور اب بتاؤ اس سنسار میں ہم آدھے رہ کر جئیں گے' تم نے ہمارے اوپر ظلم کیا ہے مہاراج۔" میں حیرت سے اس عجیب و غریب وجود کی یہ بات سن رہا تھا اور میرے ذہن میں بہت سے خیالات آرہے تھے۔ بہرحال یہ تو ایک حقیقت تھی کہ وہ بے سر کا انسان میری نگاہوں کے سامنے آگیا تھا' اور اس وقت بھی مجھے صرف اس کا ہاتھ نظر آرہا تھا لیکن اس کے باوجود میں اس کی آواز سن رہا تھا' میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"پہلے مجھ کو یہ بتاؤ کہ یہ بیر کیا ہوتا ہے.........؟"

"واہ رے واہ......... مالک بن بیٹھے ہو ہمارے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ بیر کیا ہوتا ہے' اب ایسا کرو انسان بن کر بیٹھو تو ہم تمہیں اپنے بارے میں بتائیں' ہمیں تو یہ لگتا ہے کہ ہم مصیبت میں ہی پھنس گئے۔ اب تمہیں اسکول ماسٹر کی طرح سبق بھی پڑھانے پڑیں گے۔"

"اپنا ہاتھ بھی اپنے جسم کی طرح گم کر لو۔" میں نے کہا اور دوسرے لمحے اس کا ہاتھ میری نگاہوں سے غائب ہو گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت میرے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔ حالانکہ اطراف میں بے شمار افراد موجود تھے لیکن کوئی میری جانب متوجہ نہیں تھا۔ سب اپنی اپنی تفریحات میں مشغول تھے۔ میں ہی تھا جو ایک عجیب و غریب صورت حال سے دو چار تھا۔ وہ آواز پھر مجھے سنائی دی۔

"کیا سوچ رہے ہو مہاراج؟"

"کچھ نہیں۔"

"دیکھو، اب ہم تمہیں اپنے بارے میں بتا رہے ہیں۔ ہمارا ایک الگ گھرانا ہو ہے۔ جس میں بیر ہوتے ہیں، ویر ہوتے ہیں، پدم ہوتے ہیں، شنکھا ہوتے ہیں، ہم سب لو چماری کی اولاد ہیں، لونا چماری کو جانتے ہو؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے کہا اور مجھے ہنسی کی آواز سنائی دی۔

"تو پھر ویسے ہی پدم، ویر بننے چلے تھے، مہاراج، چلو ٹھیک ہے جو کچھ بھی تھا، ہ تو گئے، بس ایک جھگڑا رہ گیا ہمارے تمہارے درمیان۔"

"وہ کیا.........؟" اب میں سنبھل گیا تھا۔

"ادھورا چھوڑ دیا ہے تم نے ہمیں۔ ہم تو اب بھی سب کچھ کریں گے تمہارے لئے، پر تم ہماری کھوپڑیاں کہاں سے لاؤ گے؟"

"تم مجھے اپنے بارے میں بتا رہے تھے۔" میں نے کہا۔

"ہاں بتا تو رہے ہیں۔ جو جاپ رادھن لال نے تمہیں بتایا تھا وہ ہمیں قبضے میں کرنے کے لئے تھا۔ رادھن لال پاپی خود تو کچھ نہیں کر سکتا تھا تمہیں اس نے اس کام کے لئے تیار کیا اور تم نے جاپ شروع کر دیا۔ پر پورا جاپ نہیں کر سکے اور ہم ادھورے رہ گئے۔"

"تو اب میں کیا کروں؟"

"اب کیا کرو گے مہاراج۔ اب تو تم نے ہمیں ادھورا چھوڑ ہی دیا۔"

"تم میرے کس کام آ سکتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"لو یہ بھی پوچھ رہے ہو، ارے یہ کہو ہم تمہارے کس کام نہیں آ سکتے؟"

"تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ اب میں کیا کروں؟"

"ہوں۔ یہ بھی ہم ہی بتائیں۔ ارے جو من چاہے کرو۔ سنسار کے بادشاہ بن گئے ہو تم، راجہ ہو راجہ، جو چاہو گے مل جائے گا۔ جو کہو گے سنسار کے لوگ مانیں گے۔ سمجھ رہے ہو نا ہماری بات!"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہم کریں گے ہم۔"

"تم یہ سب کر سکتے ہو؟"

"کہہ کر دیکھو۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں۔"

"اچھا پھر نمونہ دکھاؤ۔"

"بولو، کیا کرنا ہے؟" اس نے پوچھا اور میری نگاہیں میں چاروں طرف بھٹکنے لگیں پھر میں نے ایک خوبصورت سی لڑکی کو دیکھا جو کچھ لوگوں کے ساتھ وہاں آئی ہوئی تھی۔ خاموش خاموش سی، ایک جگہ کھڑی تھی۔ میں نے کہا۔

"اس لڑکی کو میرے پاس بلاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" مجھے جواب ملا۔ سامنے والی کرسی ہلی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہاں سے کوئی اٹھ گیا ہو۔ میرے لئے یہ حیرت کی بات تھی۔ میری نگاہیں اس لڑکی پر مرکوز ہو گئیں ذرا سی دیر گزری تھی کہ لڑکی نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر آہستہ قدموں سے میری جانب آنے لگی۔ میں حیرت سے اچھل پڑا تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ میری سمت آ رہی ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ میرے قریب پہنچ گئی اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"میرا نام سندری ہے۔ سندری مکرجی۔"

"جی!"

"آپ کا نام کیا ہے؟" اس نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"نن.......... نن.......... نادر۔" میں نے جواب دیا۔

"نادر صاحب۔ مجھے کیا ہوا ہے؟ آپ بتا سکتے ہیں؟"

"میں سمجھا نہیں!"

"بس نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آپ مجھے اشارہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ میں ادھر نہیں آنا چاہتی تھی لیکن میرے قدم اسی جانب اٹھ گئے اور میں آپ کے پاس پہنچ گئی۔ اب میرا دل چاہتا ہے کہ ادھر بیٹھ کر آپ سے باتیں کروں۔"

"آپ کیا کھانا پینا پسند کریں گی؟"

"نہیں۔ سمندر کے کنارے ایسی چیزیں نہیں کھانی چاہئے ان میں سمندر کی
بھی شامل ہوتی ہے اور یہ لوگ صفائی کا خیال بھی نہیں رکھتے آپ بھی براہ کرم یہ ر
کچھ نہ کھائیے۔" میں حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا تو وہ بولی۔

"آپ نے مجھے کیوں بلایا تھا؟"

"نن..... نہیں سندری' بس ایسے ہی' نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ خیال آ
تھا کہ آپ سے کچھ باتیں کی جائیں اور آپ یہاں آگئیں۔"

"اوہو' اس کا مطلب ہے آپ تو بڑی شکتی کے مالک معلوم ہوتے ہیں۔ دل
دل کا راستہ طے کر لیتے ہیں۔ بہرحال جیسے بھی یہاں آئی ہوں۔ آپ سے مل کر مجھے خ
ہوئی۔ میرے پتا جی ایک بڑے بزنس مین ہیں کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں کوئی فل
لڑکی ہوں۔ انسان کا انسان سے گفتگو کر لینا کوئی بری بات تو نہیں ہوتی۔"

"ہاں مس سندری' بری بات نہیں ہوتی۔"

"آپ کیا کرتے ہیں نادر صاحب؟"

"بس یونہی آوارہ گردی۔"

"کسی بڑے باپ کی اولاد ہوں گے؟"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر صرف آوارہ گردی کر کے آپ جی لیتے ہیں!؟"

"جی رہا ہوں۔"

"خیر مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں آپ سے آپ کی ذاتی زندگی کے بارے
پوچھوں' لیکن جس قوت کا مظاہرہ آپ نے کیا ہے وہ میرے لئے ناقابل یقین ہے۔ کی
بتاؤں گی تو کوئی نہیں مانے گا کیا آپ مجھ سے دوبارہ ملنا پسند کریں گے؟"

"کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو میرا کارڈ رکھ لیجئے۔ آپ جب بھی میری کوٹھی پر آئیں گے میں آپ
سواگت کروں گی۔ اس نے اپنے پرس سے ایک چھوٹا سا خوبصورت کارڈ نکال کر مجھے
جس پر اس کا نام اور گھر کا پتہ لکھا ہوا تھا۔

میں نے وہ کارڈ اپنی جیب میں رکھ لیا لیکن میں مسلسل حیرتوں کا شکار ہو رہا تھا وہ
میری طرف دیکھتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

"اگر یہ جگہ ایسی نہ ہوتی تو ہم یقیناً کہیں بیٹھ کر کچھ کھاتے لیکن اس کے باوجود
میں آپ کو دعوت دیتی ہوں کہ کبھی میرے گھر ضرور آیئے۔ آپ کے ساتھ کھانا کھا کر
مجھے خوشی ہوگی۔"

"میں ضرور آؤں گا۔"

"تو اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"جیسا آپ پسند کریں۔"

"اجازت چاہوں گی۔ اگر کسی نے آپ کے پاس بیٹھا ہوا مجھے دیکھ لیا تو مجھ سے
ہزاروں سوال کیے جائیں گے۔ یہ پوچھا جائے گا کہ آپ کون ہیں جبکہ میں آپ کے بارے
میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ کیا آپ مجھے اپنا پتہ دینا پسند کریں گے؟"

"میں خود آپ سے ملاقات کروں گا مس سندری۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر اجازت' اصل میں میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی ہیں وہ سب سمندر
میں نہا رہے ہیں۔ مجھے سمندر کی لہروں سے ڈر لگتا ہے اس لئے میں پانی میں نہیں گئی اور
کھڑی ان لوگوں کو نہاتے ہوئے دیکھ رہی تھی کہ آپ نے مجھے طلب کر لیا۔ اچھا پھر
دوبارہ ضرور ملاقات کیجئے گا۔" اس نے کہا اور اٹھ کر وہاں سے آگے بڑھ گئی۔

میرا سر چکرا رہا تھا۔ سندری کا دیا ہوا کارڈ میرے ہاتھ میں موجود تھا اور میں
چکرائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا کہ اچانک سامنے والی کرسی ہلی اور پھر مجھے وہی
آواز سنائی دی۔

"کہو مہاراج! ہم نے غلط تو نہیں کہا تھا۔"

"نہیں واقعی۔ تم کمال کی چیز ہو۔"

"چیز نہیں' ہم......... ہیں۔"

"جو کچھ بھی ہو' کاش میں تمہارا سر مکمل کر سکتا۔ تم تو میرے بڑے کام آسکتے
ہو۔"

"وہی تو تم نہیں کر سکتے مہاراج' لیکن خیر کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔"

"کیوں نہیں کر سکتا میں؟"

"کیسے کرو گے؟"

"وہ جاپ پورا کرلوں گا اور تمہیں مکمل کر دوں گا۔" میں نے کہا اور اس کی
کی آواز سنائی دی۔

"یہی تو نہیں کر سکتے تم اب۔"

"آخر کیوں؟"

"جاپ یاد ہے تمہیں ذرا دماغ پر زور دو۔" اس نے کہا اور میں نے جاپ یاد
شروع کر دیا لیکن دماغ خالی تھا۔ کیا مجال کہ ایک بھی لفظ ذہن میں آیا ہو۔ بہت دیر
کوشش کرتا رہا اور اس کے بعد میں نے حیرانی سے سامنے دیکھا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"واقعی وہ جاپ میں بھول گیا۔"

"اب وہ تمہیں کبھی یاد نہیں آسکے گا۔ مگر چلو چھوڑو کوئی ایسی بات نہیں
دیکھ لیں گے بعد میں اب یہ بتاؤ یہیں بیٹھے رہو گے یا یہاں سے اٹھو گے؟"

"مم.......... مگر میں کہاں جاؤں؟ میرے لئے یہ پورا شہر اجنبی ہے اور کوئی
میرا شناسا نہیں ہے۔" وہ پھر ہنسا اور بولا۔

"اچھا تو پھر ٹھیک ہے کھڑے ہو جاؤ۔"

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا دفعتاً ہی فضا میں ایک ہلکی ہلکی حرارت پیدا
اور مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم میں گرمی بھرتی جارہی ہے اور پھر مجھے اپنا وجود
بھاری محسوس ہوا لیکن یہ چند لمحات کی بات تھی۔ اس کے بعد میں پُرسکون ہو گیا لیکن
اپنی حالت پر غور کر رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دی۔

"مونگا"

"ہاں۔" یہ دوسری آواز بھی میرے ہی منہ سے نکلی تھی لیکن یہ میری نہیں
کی آواز تھی ایک بار پھر مجھ پر حیرت کا دورہ پڑا تو اس نے کہا۔

"نہیں، حیران ہونے کی ضرورت نہیں، اب ہماری جگہ تمہارے شریر ہی
ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے ہم رہیں گے کہاں؟ تمہارے شریر ہی میں ہمیں بسیرا کرنا ہوگا۔"

"گویا اب تم میرے بدن کے اندر ہو!"

"تو اور کیا، تم نے محسوس نہیں کیا!"

"لل.......... لیکن.........."

"نہیں مہاراج۔ رہنے دو، فائدہ ہی ہوگا تمہیں۔ آگے چل کر دیکھ لینا۔"

پھر دماغ نے مجھ سے کہا کہ مجھے یہاں سے نکلنا چاہئے۔ ایک ٹیکسی کر کے کسی اچھے سے ہوٹل کا پتہ معلوم کرنا چاہئے۔ قیام کے لئے ہوٹل تو ہوا ہی کرتے ہیں۔ اس خیال کے تحت میں آگے بڑھا اور ایک ٹیکسی کے پاس پہنچ گیا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے ڈرائیور سے کہا۔

"مجھے کسی فائیو سٹار ہوٹل لے چلو۔" لیکن یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میرے منہ سے اپنی نہیں مونگا کی آواز نکلی تھی۔ مونگا کی آواز میں ایک بھاری پن اور ایک رعب دار کیفیت تھی۔ میں جن حیرتوں میں ڈوبا ہوا تھا اس کا تصور آپ بھی کر سکتے ہیں۔ بہرطور ٹیکسی چل پڑی میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے کون سے ہوٹل جانا ہے لیکن پھر ٹیکسی نے مجھے ایک فائیو سٹار ہوٹل اتار دیا۔ میں نے اسے کرایہ ادا کیا اور میرے قدم فائیو سٹار ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ میں آپ سے پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان تمام کاوشوں میں میرا کوئی دخل نہیں تھا۔ بس میرا بدن میرے دماغ سے جدا ہو کر عمل کر رہا تھا اور میں فائیو سٹار ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچ چکا تھا۔ پھر میں نے اپنی رہائش کے لئے ایک کمرہ طلب کیا اور فائیو سٹار ہوٹل کے اٹینڈنٹ نے بڑے ادب سے مجھے مخاطب کیا۔ میں نے کمرہ حاصل کر کے اس میں اپنا نام نادر شاہ لکھوایا تھا۔ بہرطور پھر میں اندر داخل ہو گیا۔ پورٹر میرے ساتھ تھا۔ میرے پاس کوئی سامان نہیں تھا، پورٹر نے کمرے کا دروازہ کھولا اور مجھ سے کہنے لگا۔

"سر میرے لئے اور کیا حکم ہے؟ آپ کو کوئی شے درکار ہو تو براہ کرم فرما دیجئے۔"

"نہیں ہمارا سامان ابھی بعد میں آجائے گا۔ ابھی ہم خود یہاں پہنچے ہیں۔"

"بہتر سر۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر اس کے حوالے کیا اور پورٹر اس بڑے نوٹ کو لے کر کئی بار مجھے سلام کر کے باہر نکل گیا۔ میں نے کمرے کو اندر سے دیکھا زندگی میں کبھی خواب میں بھی اتنا شان دار کمرہ نہیں دیکھا تھا۔ کیا اعلیٰ درجے کی سر تھی۔ ٹیلی ویژن' ڈش' ایئر کنڈیشنڈ اور نہ جانے کیا کیا۔ میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر مسہری پر جا بیٹھا تو ایک بار پھر مجھے اپنے بدن میں وہی حرارت محسوس ہوئی اور اس کے بعد پھر میرا بدن ہلکا ہو گیا اور مونگا کی آواز سنائی دی۔

"کہیئے مہاراج' مزا آیا۔"

"مم.... مونگا۔" میں نے ہکلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب یہ ہکلانا چھوڑ دیجئے۔ آپ ایک ویر کے مالک ہیں۔ سنسار آپ کے چرنوں میں ہوگا۔ مجال ہے کسی کی جو آپ سے انحراف کرے۔"

"مگر مونگا اب مجھے کرنا کیا چاہئے؟"

"سنسار کے مزے لوٹو اور کیا کرو گے۔" اس نے کہا۔

"مونگا تم جانتے ہو۔ میں نے رادھن لال اور بابا سفیدے کا خون کر دیا ہے۔"

"تو پھر!"

"پولیس کو میری تلاش ہوگی۔"

"پولیس کی ایسی کی تیسی۔"

"کیا مطلب؟"

"کس کی مجال ہے جو آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ ہم جو آپ کے ساتھ ہیں۔"

"ایک بات اور بتاؤ مونگا۔"

"جو من چاہے پوچھیں مہاراج۔ مونگا آپ کا داس ہے۔ پوچھیئے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"کیا تم چوبیس گھنٹے میرے ساتھ رہو گے؟"

"نہیں مہاراج یہ تو ممکن نہیں ہے گا۔"

"کیوں؟"

"ہم نے کہا نا آپ سے کہ ہمارا بھی ایک پریوار ہوتا ہے۔ ہمیں اس کے بیچ بھی جانا پڑتا ہے۔ پر مہاراج جب آپ ہمیں آواز دو گے تو ہم آپ کے پاس موجود ہوں گے۔ آپ کسی بھی سمے ہم سے کوئی کام کہو گے تو ہم وہ کام کریں گے۔"

"ہوں۔"

"تو پھر اب ہمیں اجازت مہاراج۔"

"مونگا۔ یہاں مجھے کوئی مشکل تو پیش نہیں آئے گی۔"

"پتہ چل جائے گا مہاراج۔ چنتا کیوں کرتے ہو۔" اس نے کہا۔ پھر میرے کمرے کا دروازہ کھولا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اندر سے باہر نکل گیا ہو۔ میری حالت بہت خراب تھی۔ مسہری پر دراز ہو گیا اور اس کے بعد میرے بدن سے پسینہ نکلنے لگا۔

"یہ سب کیا ہے' خدایا یہ سب کیا ہے؟"

O----------------O

ایک خواب محسوس ہوتا تھا۔ ایک پراسرار خواب' اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ جب اس خواب سے میری آنکھ کھلے گی تو کیا ہوگا؟ میں کہاں نظر آؤں گا؟ اپنی بستی میں یا گزرے ہوئے واقعات میں سے کسی ایک منظر میں یا پھر ریاض خان کے گھر یا..... یا' لیکن یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی بات تھی۔ خواب ایسے تو نہیں ہوتے' پھر یہ سب کیا ہے؟ میں کس جال میں پھنس گیا ہوں۔ بھلا وہ لمحات بھولے جا سکتے ہیں جب پشپا کے لئے میں نے دو افراد کو قتل کر دیا تھا۔ نہیں یہ سب کچھ خواب نہیں ہے یہ حقیقت ہے۔ تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟ یہ فائیو سٹار ہوٹل اور یہ سب کچھ کیا میں اس کے قابل ہوں۔ میں نے تو جس انداز میں زندگی کا آغاز کیا اس میں یہ تصور بھی ایک عظیم سرمایہ ہو سکتا ہے لیکن اب یہ سب کچھ اور پھر مونگا۔ یہ مونگا کیا چیز ہے؟ اف کتنا خوفناک تھا وہ' اس کے شانوں پر سر ہی نہیں تھا' پتہ نہیں اس کی اصل شکل کیسی ہوگی؟ پھر نیند آ گئی تھی۔ دل و دماغ کچھ ایسے تھکے ہوئے تھے کہ خوب گہری نیند سویا۔ دوسری صبح جاگا تو ایک بار پھر وہی وحشت حملہ آور ہو گئی۔ لیکن اب میں نے دل میں سوچا کہ اپنے آپ کو سنبھالنا ضروری ہے اگر انہی وحشتوں میں رہا تو بن موت مارا جاؤں گا۔ ایک طرف ٹوائلٹ لکھا

ہوا تھا۔ چنانچہ اٹھ کر میں اندر داخل ہو گیا۔ ٹوائلٹ کو اندر سے دیکھا۔ کیا کچھ
نہیں تھا وہاں۔ سفیدی ہی سفیدی تھی چاروں طرف۔ چمکدار ٹائلوں سے ٹوائلٹ
تھا اور یہاں جو کچھ تھا مجھے تو اس کا استعمال بھی نہیں آتا تھا۔ عقل سے کام لیا۔ ٹب پر
بیٹھا اور شاور کھول دیا۔ ایسا شاور اور ایسا واش روم میں نے ایک فلم میں دیکھا تھا۔
وہ سب کچھ میرے قبضے میں تھا اور مونگا اس نے جو کچھ کہا تھا وہ تو بڑے اچھے مستقبل
نشان دہی کرتا تھا۔ بہرحال اب دیکھنا یہ ہے کہ زندگی کی گاڑی کون سی پٹڑی پر سفر
ہے۔ پھر غسل کرتے کرتے دل میں خیال آیا کہ نادر زندگی تو کوئی شے ہی نہیں۔ ٹھوکر
میں پروان چڑھے ہو۔ دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارتے رہے ہو۔ تقدیر میں
لکھا ہے تو یہی سہی' کیا فرق پڑتا ہے کچھ ہو گیا تو دیکھا جائے گا۔ اپنے آپ کو تقدیر
فیصلوں پر چھوڑ دو۔ ہاں اپنے تحفظ سے غافل نہ رہو۔ میں نے نہانے کے بعد وہی لب
پہنا جو میرے بدن پر تھا۔ بھلا دوسرے لباس تھے کہاں۔ باہر نکلا اور ایک طرف بیٹھ
نہ جانے دل میں کیا خیال آیا کہ سامنے کی الماری کھول کر دیکھی اور اسے دیکھ کر دنگ
پڑا۔ لباس وہ کہ ان پر آنکھ نہ ٹک سکے ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ ویٹر نے دروازے
دستک دی اور پھر دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ اس نے ادب سے مجھے سلام کیا اور کہنے لگا

"سر۔ آپ کے ملازم آپ کا سامان لے آئے تھے۔ میں نے آپ کے لیے
الماری میں ٹانگ دیئے ہیں کوئی غلطی ہو گئی ہو تو فرما دیجئے۔"

"مم..... میرے لباس!"

"جی سر' وہ آپ کے خالی سوٹ کیس رکھے ہوئے ہیں۔" اس نے ایک جانب
اشارہ کیا میں نے ابھی تک سوٹ کیس نہیں دیکھے تھے لیکن اب جو انہیں دیکھا تو میری
آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میں نے ویٹر سے کہا۔

"میرے کتنے ملازم آئے تھے؟"

"دو آئے تھے سر۔ آپ نادر شاہ ہیں نا۔"

"ہاں۔"

"بس۔ آپ ہی کے بارے میں پوچھ کر وہ اوپر آئے تھے۔ اب آپ یہ بتا
ناشتے میں کیا لینا پسند کریں گے؟"

"جو دل چاہے لے آؤ۔" میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا اور
ویٹر گردن خم کر کے باہر نکل گیا۔

ایک بار پھر میں نے الماری کھولی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس میں لٹکے ہوئے
سوٹ دیکھنے لگا۔ ایک سے ایک قیمتی کپڑے کا سوٹ تھا۔ سلیپنگ سوٹ' تولیہ اور نہ
جانے کیا کیا کچھ۔ میں نے چکرائے ہوئے سر کو جھٹکا اور الماری بند کر دی۔ اب مجھے اپنے
بدن کا لباس انتہائی حقیر لگ رہا تھا۔ ایک بار پھر دل میں وہی خیال ابھرا کہ نادر' جو کچھ
سامنے آیا ہے اور حقیقت کی شکل میں ہے تو اسے نظرانداز نہ کر۔ اپنا یہ وحشت بھرا
انداز چھوڑ دے اور خود کو تقدیر کے دھارے کے حوالے کر دے۔ دیکھیں آگے کیا ہوتا
ہے؟ جب تو خود اپنے طور پر کوئی عمل نہیں کر سکتا تو پھر وقت اور حالات تیرے ساتھ جو
کچھ کر رہے ہیں انہی سے تعاون کر اور اس احساس نے میرے اندر ایک نئی روح پھونک
دی۔ میں نے اس نادر کو اپنے اندر ختم کر ڈالا۔ جو خوف اور دہشت کا شکار رہتا تھا اور
ایک نئے نادر کو جنم دیا۔ ویٹر کے آنے سے پہلے میں نے اندرونی استعمال کا ایک لباس نکالا
اور اسے پہن لیا۔ اپنے اصل لباس کی گٹھڑی بنا کر میں نے ایک طرف ڈال دی تھی۔

ویٹر تھوڑی دیر کے بعد آیا تو ایک ٹرالی پر ناشتہ لئے ہوئے تھا اور یہ ناشتہ شاید
زندگی میں میں نے پہلے نہیں کھایا تھا اور صحیح معنوں میں ان تمام اشیاء کا استعمال نہیں جانتا
تھا۔ ویٹر سے میں نے اپنے پرانے کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"انہیں لے جاؤ اور کسی ڈسٹ بن میں ڈال دینا۔"

"جی سر" ویٹر نے کہا اور میں نے ٹپ کے طور پر ایک نوٹ اس کے حوالے کر
دیا' بڑا نوٹ تھا اور میرے پاس وہی کرنسی چل رہی تھی جو رادھن لال کے گھر سے لایا
تھا۔ استعمال کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی ابھی تک۔ ویٹر نے جھک جھک کر کئی سلام
کیے۔ ٹپ اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ پھر وہ باہر نکل گیا اور میں ناشتے کی جانب
متوجہ ہو گیا۔ ناشتے کے ساتھ میں نے جو سلوک کیا تھا کوئی دیکھتا تو شاید مجھ پر ہنستا۔ سیدھی
سی بات ہے۔ کھانا ہی نہیں آتا تھا۔ میں نے تو عام طور سے رات کی بچی ہوئی روٹی سالن
کے ساتھ کھائی تھی۔ یہاں نہ جانے کیا کیا کچھ تھا۔ بہرحال مطلب تو کھانے سے تھا۔ ہر چیز
چکھی جو زیادہ پسند آئی اسے پورا ہڑپ کر گیا اور کچھ دیر بعد میں ناشتے سے فارغ ہو چکا

تھا۔ پھر میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً ہی مونگا کا خیال آیا اور میں نے
اسے آواز دی۔ دیکھوں تو سہی بدبخت جو کچھ کہہ گیا ہے وہ کرے گا بھی یا مجھے چوڑ
میں مروا کر چلا گیا ہے۔ میں نے اسے آواز دی۔

"مونگا!"

فوراً ہی مجھے اپنے عقب سے آواز سنائی دی "مہاراج!"

"تت تو یہیں موجود ہے!"

"نہیں مہاراج ابھی پہنچا ہوں۔"

"کہاں تھا؟"

"بار بار کیوں پوچھتے ہو۔ کہہ چکا ہوں میرا بھی ایک پریوار ہے اور سنو! بہت سے
کام مجھے بھی ہوتے ہیں۔ اب میرے سپرد کئی کام کیے گئے ہیں۔ وہ بھی پورے تو کرنے
ہیں۔ اس لئے اگر کبھی دیر ہو جائے تو برا مت ماننا اور ایک بات اور کہیں' اگر کوئی خاص
بات ہو تو مجھے آواز دینا۔ یہ بار بار آواز دینا نا میرے حق میں اچھا ہو گا نا تمہارے حق
میں۔"

"ارے تو تو ابھی سے ہی بدل گیا۔"

"نہیں مہاراج میں نہیں بدلا بیر ہوں آپ کا لیکن ادھورا' میری گردن بھی اگر
پوری ہو جاتی تو پھر مجھے آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرنا ہوتی۔ اب بھی کروں گا مگر ہر دفعہ
نہیں۔"

"اور اگر میں کسی مصیبت میں پھنس گیا تو؟"

"ارے تو کیوں پھنسو گے مصیبت میں۔ خود بھی اپنی کھوپڑی سے کام لو۔ ناک
میں دم کر دیا میرا تو۔"

"ارے.... ارے مونگا' ناراض کیوں ہوتا ہے؟"

"ناراض نہیں ہو سکتا مہاراج پر سنسار میں ہم ویروں کے بھی بہت سے
ہوتے ہیں۔ تمہیں کوئی ضروری کام ہو بے شک بلا لو' یا پھر ہمارا من چاہے تو ہم تمہارے
پاس پہنچ جائیں۔ ہر وقت مونگا مونگا کی رٹ مت لگائے رکھنا۔"

"ٹھیک ہے بھائی۔ یہ جو سب کچھ نظر آرہا ہے کیا تو نے کیا ہے؟"

"نہیں تمہارے چاچا نے کیا ہے؟ ارے ہم نے نہیں کیا تو اور کس نے کیا ہے
اور بھی بہت کچھ کرتے رہیں گے۔ پر آخری بار کہہ رہے ہیں اپنی کھوپڑی بھی استعمال
کرو۔ ہماری ہی جان کو مت روتے رہا کرو۔"

"ٹھیک ہے بھائی۔ ٹھیک ہے۔ اب کیا کہیں تجھ سے۔ جا آرام کر۔" میں نے کہا
اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سامنے سے ایک پرچھائیں سی ہٹ گئی ہو۔ اب شاید
میری آنکھیں مونگا کو نادیدہ حالت میں بھی دیکھنے کے قابل ہو گئی تھیں۔

بہرحال زندگی کے یہ واقعات آگے چل کر نہ جانے کیا شکل اختیار کرنے والے
تھے۔ انسان کو اپنے مستقبل کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ نہ جانے کیا ہو۔ وقت میرا استاد تھا اور
مجھے سب کچھ سکھا رہا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک چھوٹے سے گاؤں کا ایک
معمولی سا لڑکا جس کے مستقبل کے بارے میں مذاق کے طور پر بھی کچھ کہا نہ جا سکتا ہو
اس وقت اس کیفیت میں ہے کہ فائیو سٹار ہوٹل میں اس کا قیام ہے اور اس کے پاس
درجن بھر شاندار سوٹ موجود ہیں اور اس کی جیب میں اچھی خاصی رقم بھی ہے۔
بہرحال دل تو چاہتا تھا کہ ہر احساس سے بے نیاز ہو جاؤں لیکن یہ بھی ممکن نہیں تھا اگر
کوئی احساسات کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ انسانی صفات ہی سے
محروم ہو گیا ہے۔ انسانی فطرت میں تشویش' شک' محبت' فریب اور نہ جانے کون کون سی
چیزیں شامل ہیں۔ کوئی بھی ان سے الگ نہیں ہے اور جو کوئی یہ کہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے'
پھر میں نے اپنا دل کافی مضبوط کر لیا۔ اب یہ تو ممکن نہیں تھا کہ انہی وسوسوں سے خوف
زدہ ہو کر ہوٹل کے اس کمرے ہی میں گھسا رہوں اور پھر یہ بھی اتنا آسان کام نہیں تھا
ظاہر ہے اس ہوٹل کے اخراجات بہت زیادہ ہوں گے۔ اس احساس کے ساتھ ہی ایک بار
پھر بدن میں جھرجھری آگئی وہ کمبخت مونگا مجھے یہاں پہنچا تو گیا ہے لیکن جو رقم میری جیب
میں ہے اس کے خاتمے کے بعد کیا ہو گا؟ کہیں اس ہوٹل میں میری بے عزتی ہی نہ ہو
جائے۔ اس کی بات مانوں یا اپنے دل کی اور عقل کی۔ لیکن بہرطور ابھی اتنے پیسے بے
شک تھے کہ چند روز یہاں بھی گزار سکتا تھا۔ یہ پیسے ختم ہو گئے اور مونگا صرف ایک کہانی
نکلا تو بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ویسے اس کے یہ الفاظ میرے لئے تعجب خیز تھے۔
پہلے تو اس نے بڑی نرمی سے بات کی تھی اب نخرے دکھا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں۔

پھر دن گزر گیا۔ شام ہو گئی۔ کمرے میں بیٹھے بیٹھے طبیعت اکتا گئی تھی۔ حالانکہ ٹیلی ویژن تھا' ڈش لگی ہوئی تھی۔ ٹیلی فون تھا۔ تمام چیزیں تھیں لیکن میرا کسی سے رابطہ نہیں تھا۔ کوئی ایسا نہیں تھا جسے ٹیلی فون پر مخاطب کر سکوں۔ ٹیلی ویژن وغیرہ بھی شاید مجھے کھولنا نہیں آتا تھا۔ اپنے آپ کو اس ماحول کے مطابق اتنی آسانی سے تو نہیں ڈھال سکتا تھا۔ وقت تو لگتا ہی ہے۔ پھر شام کو بالکل ہی ماحول سے تنگ آکر میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک لباس نکالا اور کچھ نہ سہی جب تک یہ سب کچھ موجود رہے اس سے ہی تھوڑا فائدہ اٹھایا جائے۔ ایک انتہائی خوبصورت گہرے نیلے رنگ کا ایک سوٹ نکال کر پہننا شروع کر دیا۔ شیو وغیرہ بھی بنا لیا تھا۔ بال بھی سنوار لئے تھے۔ جوتے پہن کر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ آئینے میں اپنا جائزہ لے کر باہر نکلا تھا۔ اور نہ جانے کیوں یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے ماضی سے سارے رشتے میرے ٹوٹ چکے ہوں۔ ایک بالکل ہی نئی شخصیت کو میں نے آئینے میں دیکھا تھا۔ بہرحال میں چلتا ہوا لفٹ تک پہنچا اور لفٹ مجھے ہوٹل کے فسٹ فلور پر لے گئی جہاں ریکریشین ہال تھا۔ اچھی خاصی رات ہو گئی تھی۔ ریکریشین ہال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ایک جانب بڑا سا سٹینڈ بنا ہوا تھا۔ جس پر آرکسٹرا مدہم دھنیں چھیڑے ہوئے تھا۔ ویٹر ٹرالیاں گھماتے پھر رہے تھے اور میزوں پر بہترین لوگ نظر آ رہے تھے۔ شان دار سوٹوں میں ملبوس زیادہ تر افراد کے ساتھ خواتین تھیں ایک سے ایک حسین۔ ان کے ساتھی بھی ایسے ہی تھے۔

میں اپنے آپ کو بہت کم تر محسوس کرنے لگا۔ جب کوئی نگاہ مجھ پر اٹھتی تو مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ لوگ مجھے دیکھ کر اب مسکرا دیں گے لیکن کسی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ آئی بلکہ اگر میری غلط فہمی نہیں تھی تو کچھ آنکھوں میں میں نے اپنے لئے پسندیدگی کے جذبات دیکھے تھے اور یہ آنکھیں خود بھی بے حد حسین تھیں۔ ایک ویٹر میرے پاس پہنچ گیا اور اس نے میری میز کی طرف رہنمائی کر دی۔ میں اس گوشے میں جا کر بیٹھ گیا اور ویٹر نے جھک کر کہا۔

"آپ کے لئے کیا لاؤں سر؟"

"کوئی ٹھنڈا مشروب۔" میں نے سنبھل کر جواب دیا۔

ویٹر گردن خم کر کے چلا گیا اور میں طائرانہ نگاہ سے ہال کے تمام لوگوں کو دیکھنے

لگا۔ تمام کے تمام چہرے اجنبی' ہر شخص بے گانہ' مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں بھری کائنات میں تنہا ہوں۔ ان میں سے کوئی میرا شناسا نہیں ہے۔ اور شاید تنہائی کی زندگی ہی میری زندگی کا آخری لمحہ بن جائے۔ ویٹر نے بڑی نفاست سے مشروب کا ایک جگ اور گلاس میرے سامنے رکھ دیا۔ اس کے ساتھ اس نے کچھ اور لوازمات بھی سجا دیئے تھے۔ پھر اس نے جھک کر پوچھا۔

"ڈنر یہیں لے گے سر' یا اپنے روم میں۔"

"اپنے روم میں۔ نہیں میرا مطلب ہے یہیں ہال میں۔"

"ٹائم!" ویٹر نے اپنی لفٹ بک نکال کر کہا۔

"ساڑھے نو بجے۔" میں نے جواب دیا۔ اور ویٹر گردن خم کر کے چلا گیا۔ میں آرکسٹرا کی دھنیں سننے لگا۔ زندگی کس قدر خوبصورت ہے ناجانے یہ کون لوگ ہیں جنہیں یہ سب کچھ حاصل ہے۔ مجھے اپنی بستی یاد تھی اس کے بعد کی دنیا یاد تھی' فیض خان کا گھر یاد تھا۔ ریاض خان یاد تھا اور اس کے بعد بہت سی یادیں میری زندگی سے چپکی ہوئی تھیں۔ وہ سب ایسے نہیں تھے۔ میں نے ان میں سے کسی کو اس عالی شان ہوٹل جیسے کسی ہوٹل میں جاتے نہیں دیکھا تھا۔ شاید یہ شہری دنیا ہے۔ مجھے اس دنیا سے روشناس ہونا پڑے گا۔ کوئی طریقہ کار دریافت کرنا پڑے گا اس کے لئے' آہ! لیکن کیسے؟ کیا کروں؟ دل تو یہ چاہتا تھا کہ ان سب لوگوں میں ضم ہو جاؤں۔ ایسی کوئی حسین صورت میری ساتھی ہو' میں اس کے ساتھ میز پر بیٹھا ہوا ہوں اور زندگی اس سبک روی سے قدم آگے بڑھا رہی ہو۔ وقت گزرتا رہا۔

ساڑھے نو بجے ویٹر مینو لے کر میرے پاس آ گیا اور اس نے ادب سے مینو کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ یہ بھی ایک دلچسپ بات تھی۔ تھوڑی بہت انگریزی کے الفاظ پڑھ تو لیا کرتا تھا لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کی اصلیت کیا ہے لیکن حالات کو سنبھالنا جانتا تھا۔ میں نے مسکراتی نگاہ سے ویٹر کو دیکھا اور کہا۔

"ویٹر' آج اپنی مرضی سے کچھ کھلا دو۔ جو کچھ لاؤ گے کھا لوں گا۔" ویٹر میری بے تکلفی پر خود بھی ذرا بے تکلف ہوا اور کہنے لگا۔

"سر کون سے ملک کا کھانا پسند کرو گے؟"

"بھائی جس ملک میں رہ رہا ہوں۔"

"جی سر یہ تو بہت اچھی بات ہے' ویسے ہمارے ہاں ہر ملک کی ڈشز ملتی ہیں آپ صرف حکم کر کے دیکھیں۔"

"وہ حکم بعد میں کریں گے فی الحال تم اپنے ملک کی بہار دکھاؤ۔"

"جی سر۔" ویٹر گردن خم کر کے چلا گیا اور میں نے اس مشکل سے نجات پا لی۔ کھانا آ گیا اور کیا ہی کھانا تھا میں یہ سوچنے لگا کہ کاش یہ زندگی مجھ پر مستقل چسپاں ہو جائے۔ کھانے کی لذت نے بہت کچھ فراموش کرا دیا تھا۔ میزوں پر اب کھانے سرو ہونے لگے تھے کیونکہ یہی ڈنر ٹائم ہوتا ہے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک بڑے سے ہال میں شاید پارٹی ہو رہی تھی' اس میں بڑی لمبی سی میز بچھی ہوئی تھی اور لوگ آ کر ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ پھر میں نے ہال کے دروازے سے ایک دراز قامت شخص کو ایک خوبصورت عورت کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ عورت بھی اس کی ... کے برابر تھی ساڑھی میں ملبوس چہرہ کافی جاذب نگاہ تھا لیکن چند قدم آگے بڑھنے کے بعد اس شخص کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ ایسے چونکا جیسے اسے کوئی الیکٹرک شاک لگا ہو۔ میں نے اس کی کیفیت کو بخوبی محسوس کیا تھا اور میرا دم نکل گیا تھا۔ پتہ نہیں کون شخص تھا اور مجھے دیکھ کر اس طرح چونکا کیوں ہے؟ میرے ذہن میں صرف ایک ہی تصور آیا کہیں وہ خفیہ پولیس کا آدمی نہ ہو۔ پارٹی کے بارے میں بھی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا اس شخص نے چند لمحے اس کیفیت کا مظاہرہ کرنے کے بعد ساتھی عورت کو میری طرف متوجہ کیا۔ عورت نے بھی مجھے دیکھا اور پھر اس کی کیفیت بھی مرد سے مختلف نہیں تھی۔

"ہو گئی گڑ بڑ" میں نے دل ہی دل میں سوچا اور پہلو بدلنے لگا۔ اب کیا کروں ایسا کیا طریقہ کار ہو جس سے میں یہاں سے فرار ہو جاؤں۔ سب کچھ یہیں موجود تھا ہونا میرے لئے ممکن نہیں تھا اور پھر ہو ہی' کیا ہونا ہے؟ کیا ہو گا؟ دل نے اندر سے کہا اب صرف حالات کا انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے۔ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ بلا وجہ سے مر مر کر جینے سے کیا فائدہ؟ چنانچہ میں بے حس ہو گیا لیکن میری نگاہیں ان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مرد نے عورت سے کچھ کہا۔ عورت نے گردن ہلا دی۔ پھر عورت

پورشن کی جانب چل پڑی جہاں پارٹی ہو رہی تھی۔ مرد دروازے سے باہر نکل گیا اور میں صبر وسکون کے ساتھ انتظار کرنے لگا کہ اب پولیس کا ایک دستہ آئے گا۔ مجھ پر رائفلیں تان لے گا اور اس کے بعد جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔ پھر مجھ پر مقدمہ چلے گا۔ عدالت میں میں فلمی ہیرو کی طرح کٹہرے میں کھڑا ہوں گا۔ جج صاحب فیصلہ سنائیں گے کہ:

"نادر شاہ کو دو افراد کے قتل کے جرم میں سزائے موت سنائی جاتی ہے۔" پھر پولیس میرے گرد گھیرا ڈال دے گی اور مجھے کشاں کشاں پھانسی کے پھندے تک لے جایا جائے گا۔ میرا دم گھٹنے لگا' میں نے سامنے رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں اسے خالی کر گیا۔ کیا حماقت ہے تصورات کو اس حد تک ڈھیل نہیں دینی چاہئے کہ زندگی ہی عذاب بن کر رہ جائے۔ پتہ نہیں کیا قصہ ہے۔ بہرطور وہ شخص واپس نہیں آیا اور میں اس کا انتظار کرتا رہا۔ ادھر میں عورت کو دیکھ رہا تھا جو شیشے کے پارٹیشن کے دوسری جانب سے نظر آ رہی تھی۔ اس نے اس طرح کی سیٹ حاصل کی تھی کہ وہاں سے مجھ پر نگاہ رکھ سکے۔ پارٹی میں نہ جانے کیا کیا ہو رہا تھا۔ لیکن میں نے اس عورت کو اپنی جانب ہی متوجہ پایا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کہیں فرار ہو جاؤں۔ ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا ہے لیکن کچھ دیر کے بعد کچھ ہو جائے گا۔ یہ خیال میرے دل میں جڑ پکڑتا چلا گیا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ عورت بھی ساتھیوں سے معذرت کر کے اٹھ گئی ہے۔ میں ہوٹل سے باہر نکل آیا اور انتظار کرنے لگا کہ عورت باہر آئے لیکن اگر وہ آ بھی جاتی تو میں اس کا کیا بگاڑ لیتا؟

بہت دیر تک میں ہوٹل کے لان میں ٹہلتا رہا پھر جھنجلا کر واپس پلٹا اور لفٹ سے اوپر آ کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے لباس تبدیل کیا اور اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ اب جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا اگر ان لوگوں نے مجھے ٹریس کر لیا ہے تو پھر کوئی بھی نہیں بچا سکتا مجھے کوئی بھی نہیں۔ نہ جانے کیا کیا خیالات دل میں آتے رہے۔ تقریباً آدھا گھنٹہ مجھے واپس آئے گزر گیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور میں چونک پڑا۔ ویٹر بھی ہو سکتا ہے۔ اور کوئی اور بھی۔ بہرحال میں نے دروازہ کھولا جسے کہ میں نے اندر سے بند کر دیا تھا۔ میرے سامنے ایک عمر رسیدہ شخص کھڑا ہوا تھا دراز قامت تھا۔ کن پٹیوں سے بال سفید تھے۔ چہرے سے اچھی پر وقار شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔ کمرے

میں اندر روشنی ہو رہی تھی۔ اس لئے اس نے مجھے بھی دیکھا اور نہ جانے کیوں اس
چہرے پر غم کے آثار پھیل گئے۔

"میں اندر آ سکتا ہوں؟" اس نے کہا۔

"کون ہیں آپ؟"

"اندر آنے دو گے مجھے؟" اس شخص نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور میں
قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تشریف لائیے۔" میں نے کہا اور وہ آہستہ قدموں سے اندر آ گیا لیکن اس
پیچھے اسی کی عمر کی ایک عورت اور دو افراد اور اندر داخل ہوئے تھے جن میں ایک
آدمی اور دوسری جوان عورت تھی۔ چاروں کمرے میں داخل ہو گئے۔ میں ہکا بکا
دیکھ رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے تو جوان عورت نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر میری طر
دیکھ کر بولی۔

"کیا ہم لوگ اتنے ہی بڑے مجرم ہیں سہیل؟"

"جی!" میں نے حیرت سے کہا۔

"بیٹھنے کو بھی نہیں کہو گے ہمیں؟"

"آپ لوگ تشریف رکھیے لیکن آپ کی آمد کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"بیٹھ سکتے ہیں نا۔"

"جی جی تشریف رکھیے۔"

"بیٹھئے ڈیڈی۔ آپ پلیز بیٹھ جائیے۔" عورت کچھ زیادہ ہی باعمل نظر آ رہی تھی
جبکہ معمر عورت کے چہرے پر غم آلود سنجیدگی چھائی ہوئی تھی اور یہی کیفیت اس نوج
کی تھی جو جوان عورت کے ساتھ آیا تھا۔ وہ لوگ بیٹھ گئے۔ میں نے اپنے بستر ہی پر
مناسب سمجھا تھا۔ ان لوگوں کی آمد کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ عورت نے ک

"سہیل، کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی کہ تم ہم سب کو معاف کر دو۔ تم
پتہ ہے کہ تمہارے اس عمل سے ہم لوگوں کی زندگی کو کیا گھن لگ گیا ہے۔ ڈیڈی
صورت دیکھ رہے ہو۔ کس قدر خوش مزاج آدمی تھے لیکن تمہارے جانے کے بعد
ڈیڈی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہیں آئی ہے۔ اور ممی، آہ کاش تم ایک ماں کے

کے اندر جھانک سکتے۔ سہیل انسان کو اس قدر شدت پسند نہیں ہونا چاہئے۔ تم محسوس
نہیں کر سکتے کہ تمہارے اس قدم نے ہم لوگوں کو کس طرح سولی پر لٹکا دیا ہے۔ لوگوں
سے بہانے کرتے پھر رہے ہیں۔ نہ جانے کیا کیا کہہ رہے ہیں لیکن تم نے... تم نے یہ سب
کچھ نہ سوچا۔ تم نے سہیل۔ تم نے جو قدم اٹھایا اور جس طرح بھی اٹھایا کاش اس طرح
تم قدم نہ اٹھاتے۔"

میں اب بھی ان کی باتیں نہیں سمجھ پا رہا تھا لیکن کچھ نہ کچھ تو بولنا ضروری تھا۔
میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے میرے بارے میں آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میرا نام سہیل
نہیں نادر ہے۔"

عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور میرے پاس پلنگ پر
آ بیٹھی اس نے کہا۔

"میں تمہاری بھابی ہوں۔ میں نے زندگی کا طویل وقت یہاں گزارا ہے۔ سہیل،
شاید میرے یہ الفاظ تمہیں مصنوعی محسوس ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میرا کوئی چھوٹا
بھائی نہیں تھا اعظم کے چھوٹے بھائی کی حیثیت سے میں نے تمہیں اپنا چھوٹا بھائی سمجھا۔
شاید تم اس بات سے انکار نہ کر سکو۔ تم نے بارہا اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں لیکن اگر میں آپ سے یہ عرض کروں کہ میں سہیل نہیں
نادر ہوں تو کیا آپ لوگ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں گے؟"

"اگر تم یہ کہو کہ سورج اب مشرق کی بجائے مغرب سے نکلنے لگا ہے تو کیا اس
بات پر یقین کیا جا سکتا ہے؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جو کچھ میں کہہ رہا
ہوں اس پر خدا کے واسطے آپ یقین کر لیجئے۔" میں نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا اور
عورت مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"دیکھو سہیل۔ انسان بے شک اپنی ذات میں جیتا ہے اور کسی سے یہ کہنا کہ تم
اپنے لئے نہیں کسی دوسرے کے لئے جیو۔ عجیب سا لگتا ہے۔ بہت عجیب لگتا ہے۔ لیکن
سہیل گھر کی عزت دنیا کی ہر چیز سے قیمتی ہوتی ہے تم کچھ بھی کہو، کچھ بھی کہتے رہو۔ میں تو

تم سے یہی کہوں گی کہ دیکھو والدین اولاد کو پرورش کرنے کے لئے ناجانے کیا کیا جتن
کرتے ہیں کیا ایک چھوٹی سی قربانی دے کر انسان اپنے گھر کی عزت نہیں بچاسکتا۔ میں یہ
نہیں کہتی کہ تم وہ کرو جو باقی تمام افراد کہہ رہے ہیں لیکن کم از کم تھوڑا سا تو تعاون کرو۔
دیکھو ہم سب تباہی کے دہانے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے سامنے ہمارا تاریک مستقبل
ہے۔ سہیل اس مستقبل کے لئے ہمیں تمہاری مدد درکار ہے۔ ہمیں مایوس نہ کرو۔ میں
تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ سہیل۔ خدا کے لئے.... خدا کے لئے....“ عورت کی
آواز رندھ گئی۔ اور میں نے تھک کر آنکھیں بند کرلیں اور پیشانی مسلنے لگا۔ کیا کرنا چاہئے
مجھے ’کیا کرنا چاہئے؟ پھر دل میں یہ خیال آیا کہ کم از کم دیکھوں تو سہی معلوم تو کروں ان
سے کہ ان کی مشکل کیا ہے؟ کچھ لمحے سوچتے رہنے کے بعد میں نے کہا.........

”گویا آپ لوگوں کو یہ یقین ہے کہ میں سہیل ہوں.......؟“

”اگر تم ہماری کچھ عزت کرو تو........“ ان خاتون نے کہا۔

”ٹھیک ہے‘ اگر آپ اس بات پر بضد ہیں کہ میں ہی سہیل ہوں تو آپ کی بات
مان لیتا ہوں‘ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لیجئے‘ اگر کبھی اس بات کا انکشاف ہو جائے
کہ سہیل کوئی اور ہے تو آپ مجھے مجرم قرار نہیں دیں گی میں آپ کی بہ حیثیت آپ کی
شخصیت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ آپ مجھے جس انداز میں مجبور کر رہی ہیں اس کی
وجہ سے میں خاموش ہوا جاتا ہوں.........“ نوجوان عورت آہستہ سے ہنس پڑی۔

”اگر کوئی تمہیں مجھ سے زیادہ جاننے کا دعویٰ کرے تو میرے سامنے آئے۔“

”یعنی آپ پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ رہی ہیں کہ میں ہی سہیل ہوں؟“

”سہیل کیوں پریشان کر رہے ہو‘ باز آجاؤ۔ ویسے تو مجھ سے بڑی محبتوں کا دعویٰ
کرتے تھے کہ بھابی میں تمہارے بیٹے کی جگہ ہوں۔ یہ ہوں وہ ہوں اور اب مجھے بھی اسی
لکڑی سے ہانک رہے ہو.........“

”ٹھیک ہے اب مجھے حکم دیجئے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے.......؟“

”گھر چلو.......؟“

”حاضر ہوں.........“

”کیا واقعی.......؟“

”عرض تو کر رہا ہوں کہ حاضر ہوں۔ اب کچھ نہیں کہوں گا۔ یہاں میرا اچھا خاصا
سامان موجود ہے.........“

”کسی چیز کی تم فکر ہی مت کرو۔ وقاص نے تمہیں یہاں دیکھا تھا۔ وہ یہاں ایک
پارٹی میں شریک ہونے آیا تھا اپنی بیوی کے ساتھ‘ لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد اس نے پارٹی
چھوڑ دی اور ہمیں اطلاع دی.........“

”یہ وقاص صاحب کون ہیں.........؟“

”منیجر کی بات کر رہی ہوں.........“

”اچھا اچھا اچھا‘ ٹھیک ہے‘ تو پھر میں چلوں.........!“

”ہاں بالکل.........“

”اور میرا سامان.........؟“

”کہا نا وقاص سب کچھ لے آئے گا.........“

”جیسی اللہ کی مرضی.........“ میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا اور عورت خوش ہو
گئی‘ میں چونک کر بولا۔

”ویسے میں آپ کو کیا کہوں.........؟“

”باز نہیں آؤ گے اپنی حرکتوں سے.........“

”پلیز ایک کام کریں جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں بتا دیں‘ کیا کہوں میں آپ
کو.......؟“

”بھابی نہیں کہتے تھے مجھے.........“

”ہاں ہاں بھابی۔ نام کیا ہے آپ کا.........؟“

”چلو گھر چل کر بتاؤں گی اچھی طرح سے.........“ محترمہ نے ناز بھرے انداز میں
کہا اور میں گھر چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔

دلچسپ صورت حال تھی۔ میں نے تو ان لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش نہیں
کی تھی‘ لیکن یہ زبردست دھوکہ کھانے کے موڈ میں تھے تو اب بھلا میں کیا کرتا‘ سارا
سامان وغیرہ وہیں چھوڑ دیا گیا‘ وہ صاحب جن کا نام وقاص لیا گیا تھا۔ یہ ساری کارروائی ان
کے ذریعے ہونے والی تھی‘ نیچے ایک بہت قیمتی کار کھڑی ہوئی تھی‘ ہم لوگ اس میں بیٹھ

گئے' معمر خاتون اور معمر شخص بھی ہمراہ تھے۔ کار اسٹارٹ ہو کر چل پڑی اور اس کے بع
ایک انتہائی خوبصورت عمارت میں داخل ہوئی۔ میں زندگی کے اس نئے موڑ پر دلچسپی سے
غور کر رہا تھا۔ کیا ہی عجیب معاملہ ہے۔ لیکن بہرحال حرج بھی کیا ہے' بیچارے غلط فہمی
شکار ہو گئے ہیں۔ وقت آنے پر غلط فہمی خود بخود دور ہو جائے گی۔ وہ لوگ بڑی خو
خوشی مجھے اندر لائے۔ کچھ ملازم ٹائپ کے لوگ بھی نظر آ رہے تھے۔ بھابی صاحبہ نے
دوسروں سے کہا۔

"آپ لوگ آرام کیجئے۔ میں ذرا اس کی خبر لینے کے بعد اور اسے یاد دلانے کے
بعد کہ یہ سہیل ہے واپس آتی ہوں.........."

وہ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور محترمہ بھابی جان مجھے لئے ہوئے ایک
خوبصورت بیڈ روم میں آ گئیں' حسین بیڈ روم تھا' انہوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"شرم نہیں آئی تھی تمہیں ماں باپ کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہوئے؟"

"ماں باپ نے میرے ساتھ جو سلوک کیا میڈم' آپ اسے نہیں جانتیں!"

"ہزار بار میں نے تم سے پوچھا کہ کیا خود تمہارے دل میں کوئی ہے' کسی کے
ساتھ زندگی کے عہد و پیماں کر چکے ہو' کبھی بتایا تم نے مجھے.........؟"

"میرے ساتھ زندگی کے عہد و پیمان کسی نے نہیں کئے۔"

"تو پھر آخر فرح میں کیا خرابی ہے.........؟"

"خرابی فرح میں نہیں مجھ میں ہے.........."

"کیا بکواس کر رہے ہو.........؟"

"ٹھیک ہے' بعد میں آپ کو خود پتہ چل جائے گا کہ میں کیا بکواس کر رہا
ہوں۔"

"دیکھو سہیل' مجھے ڈراؤ نہیں۔ بہت آگے بڑھ بڑھ کر اس گھر کے معاملات میں
مداخلت کرتی ہوں لیکن تم سب کے سہارے سے۔ اعظم نے اس طرح مجھ پر اعتماد کا
اظہار کیا ہے کہ میں نے یہ ذمے داریاں اپنے سر لے رکھی ہیں اور پھر بہرحال مستقبل
میں یہ ہمارا گھر ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ فرح جیسی لڑکی کو میں ٹھیک کر لوں
گی۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے' وہ بس ذرا غلط پرورش پا چکی ہے۔ ماں باپ نے اسے

ضرورت سے زیادہ ہی سر چڑھا رکھا ہے' لیکن یہ تم بھی جانتے ہو کہ وہ تمہیں پسند کرتی
ہے' اب ٹھیک ہو جائے گا سہیل' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس تم مجھے یہ بتا دو کہ کسی اور
کو تو نہیں چاہتے۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے جبکہ تم نے ہمیشہ مجھ سے یہی کہا کہ بھابی اگر
ایسی کوئی بات ہوئی تو آپ کو بتا دوں گا۔"

"جی ہاں جی ہاں' ابھی تک تو کوئی ایسی بات نہیں ہے' لیکن اگر ایسی کوئی بات
ہوئی تو واقعی آپ کو بتا دوں گا بلکہ اچھی طرح بتا دوں گا' ویسے محترمہ آپ کا نام کیا ہے؟"

وہ پھر غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگیں۔ پھر آہستہ سے بولیں۔

"فرزانہ.........."

"جی ہاں جی ہاں' بہت بہت شکریہ اور یہ صاحب جو خطرناک سی صورت کے مالک
ہیں جنہیں آپ ڈیڈی کہہ رہی تھیں یہ کون ہیں.........؟"

"توبہ توبہ.........."

"کسی کو اپنا باپ کہنا کتنا مشکل کام ہے۔ کاش یہ آپ کی سمجھ میں آ جائے اور
دوسری خاتون جو غمزدہ شکل بنائے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں وہ میری ماں ہوں گی اور یہ اعظم
صاحب.........."

"اچھا دیکھو' کیوں ان بیچارے لوگوں کو غمزدہ کر رہے ہو.........؟"

"میڈم! بہت بڑا نقصان اٹھائیں گی آپ' ایک بات کا میں آپ سے وعدہ کرتا
ہوں' آپ کو جو غلط فہمی ہوئی ہے' بہرحال کسی نہ کسی شکل میں دور ہو جائے گی لیکن
اطمینان رکھیں آپ کی اس کوٹھی سے میں کوئی قیمتی شے لے کر نہیں بھاگوں گا' اپنا فرض
تو میں پورا کر چکا ہوں اور آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں سہیل نہیں ہوں.........."

"پھر وہی بکواس اب بتاؤ میں کیا کروں.........؟"

"بہتر ہے یہ مسئلہ کل پر چھوڑ دیجئے گا اور صبح کو یہ سب طے کر لیں گے کہ ہمیں
کیا کرنا ہے.........؟"

"بھاگو گے تو نہیں.........؟"

"اب نہیں بھاگوں گا.......... کم از کم میرا ضمیر مطمئن ہے اور میں یہ بات جانتا
ہوں کہ آپ لوگ خود دھوکہ کھا رہے ہیں میں نے آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش نہیں

کی ہے۔"

"سہیل تمہیں اپنی بھابی کی قسم، دیکھو اب یہاں سے جانا نہیں، تمہیں ا
نہیں ہے کہ ہم سب کس طرح خطرے میں پڑ گئے ہیں، تم یہ بھی جانتے ہو کہ جواد
صاحب کس قدر خشک مزاج آدمی ہیں، بڑی عجیب سی باتیں کی ہیں انہوں نے ڈیڈی
ایک عزت دار اور شریف آدمی کے لئے یہ ساری باتیں کس قدر دلدوز ہو سکتی ہیں"
تم ان پر غور کر سکتے.........."

"ہوں ہوں، ٹھیک ہے تو اب آپ آرام کیجئے.........."

"جاؤ گے تو نہیں.........؟"

"وعدہ کرتا ہوں.........."

"میرے سر پر ہاتھ رکھو.........." بھابی صاحبہ نے کہا اور میں نے ان کی سر پر ہا
رکھ دیا۔"

"کھاؤ میری قسم.........."

"آپ کی قسم، جب تک آپ لوگ خود مجھے یہاں سے نہیں بھگائیں گے، یہ
یہاں سے نہیں بھاگوں گا.........."

"اوکے اوکے، ٹھیک ہے.........." انہوں نے مجھے خدا حافظ کہا اور باہر نکل گئیں
تب میں نے پورے کمرے کے ماحول کا جائزہ لیا اور مسہری پر جا کر بیٹھ گیا..........

"کمال ہے بھائی، کمال ہے۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ایسی غلط فہمی ہو رہی
ہے ان لوگوں کو کہ کسی طور ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں اب میں ان سے صورت حال
کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا تو یہ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے اور یہی کہیں گے
کہ میں اداکاری کر رہا ہوں، بہرحال اب کیا کیا جائے، لیکن کم از کم یہ پتہ تو چلنا چاہئے کہ
اصل معاملہ کیا ہے۔ پھر اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آیا تو میں نے بھی آرام سے سو جانے کی
ٹھانی اور دوسری صبح دن کو دس بجے تک سوتا رہا تھا، پھر کچھ آہٹوں نے ہی جگایا تھا۔ ایک
عمر رسیدہ ملازمہ میرے کمرے کی صفائی کر رہی تھی، میں نے اسے دیکھا اور فوراً ہی میرے
دل میں ایک خیال آیا، کسی ملازم سے ہی کیوں نہ صورت حال معلوم کی جائے، لیکن پتہ
نہیں ملازمہ زبان کھولنے پر آمادہ ہو گی یا نہیں۔ میں ایک کروٹ بدل کر اٹھ بیٹھا تو ملازمہ

چونک کر سیدھی ہو گئی پھر اس نے جلدی سے کہا۔

"سلام چھوٹے میاں.........."

"وعلیکم السلام، کیا نام ہے تمہارا.........؟"

"چھوٹے میاں، ہمیں بھول گئے، شبنم ہیں ہم.........."

"ہاں ہاں شبنم شبنم، بس کیا بتاؤں شبنم، اچھا یہ بتاؤ باہر کیا ہو رہا ہے.........؟"

"کچھ نہیں، سب کے سب جا چکے ہیں۔ منجھلے میاں بھی چلے گئے کوئی کام تھا
انہیں، بڑے صاحب بھی، فرزانہ بیگم کچھ خریداری کرنے گئی ہیں، مجھ سے کہہ گئی تھیں
کہ آپ کو ناشتہ دے دوں.........."

"اور والدہ صاحبہ.........؟"

"فرزانہ بیگم کے ساتھ گئی ہوئی ہیں.........." شبنم صاحبہ نے بتایا۔

"شبنم! اس کا مطلب ہے گھر میں کوئی نہیں ہے.........."

"نہیں جی ہم سب ہیں.........."

"ہم سب تو ہیں مگر گھر والوں میں سے کوئی نہیں ہے.........."

"ہاں جی، وہ لوگ تو گئے ہوئے ہیں.........."

"شبنم، مجھے تم سے کچھ کام ہے.........."

"حکم کیجئے چھوٹے میاں.........."

"دیکھو، مجھ سے کوئی الٹا سیدھا سوال مت کرنا، جو تم سے پوچھوں وہ بتانا.........."

"جی.........!" شبنم حیرت سے بولی۔

"دو سو روپے انعام دوں گا تمہیں سمجھیں۔" میں نے کہا اور شبنم کی آنکھوں
ں چمک دیکھ کر سوچا کہ بن گیا کام، دو ہی باتیں ہو سکتی تھیں، اگر ملازمہ کچھ زیادہ ہی
فادار ہوتی تو یہ دو سو روپے کا خیال اس کی آنکھوں میں چمک نہ پیدا کرتا، اس کا مطلب
ہے وہ زبان کھول دے گی۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے اسے اپنے پاس موجود کرنسی میں
ے دو سو روپے نکال کر دیئے اور اس نے مجھے کئی سلام کر کے نوٹ اپنے پلو میں باندھ
لئے، پھر بولی..........

"ناشتہ لے آئیں سرکار اگر آپ منہ ہاتھ دھو لیں تو.........."

"فضول باتیں مت کرو یہاں بیٹھ جاؤ........" میں نے ایک طرف اشارہ کیا اور وہ بیٹھ گئی۔

"میرا نام کیا ہے........؟" میں نے سوال کیا........

"جی چھوٹے میاں........"

"دیکھو' جی یا کیا اور کیوں کا لفظ تمہاری زبان پر نہیں آنا چاہئے' جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں وہ سب تفصیل سے بتاتی رہو........"

"سہیل میاں ہیں آپ جی۔"

"ہاں ٹھیک' میں سہیل میاں ہوں' بالکل ٹھیک کہا تم نے' شبنم! مجھے یہاں سے گئے ہوئے کتنے دن گزر گئے تھے........؟"

"وہ جی صحیح بات تو یاد نہیں' لیکن چار پانچ مہینے تو ہو گئے........"

"ہاں ہاں بالکل اتنا ہی عرصہ ہوا ہے........" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا' وہ مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے اب اسے میری دماغی حالت پر شبہ ہو رہا ہو........ میں نے پھر پوچھا۔

"شبنم! تم کتنے عرصے سے یہاں ملازم ہو........؟"

"چھوٹے میاں' ہمیں تو یہاں چودہ پندرہ سال ہو گئے' اتنے سے تھے آپ جب ہم یہاں آئے تھے' اللہ بخشے فضل بھی زندہ تھا' یہیں پر اس کا انتقال ہوا ہم بیوہ ہو گئے اس کے بعد بھلا ہمیں کہاں جانا تھا........؟"

"گڈ' اس کا مطلب ہے کہ تمہیں گھر کی ساری باتیں معلوم ہیں........"

"یہ تو آپ لوگوں کی مہربانی ہے کہ ایک نوکرانی کو آپ نے اتنی عزت دی جی۔"

"میرے والد صاحب کا کیا نام ہے........؟"

"بڑے مالک کا........؟"

"ہاں........"

"ناظم علی........" وہ حیرت سے بولی۔

"اور ماں کا کیا نام ہے........؟"

"عائشہ بیگم........" اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش گہرے ہوتے چلے گئے۔

"خیر میرے بھائی کا نام اعظم ہے اور بھابی کا فرزانہ' یہ تو مجھے معلوم ہے........"

"چھوٹے میاں کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ........؟"

"پلو میں سے دو سو روپے کھول لوں گا جو کہہ چکا ہوں وہی کرو' زیادہ گڑبڑ کی تو اچھا نہیں ہوگا........" میں نے کہا اور وہ خوفزدہ ہو گئی اس نے دوپٹے کا پلو مٹھی میں دبا لیا........

"ہاں' اچھا اب مجھے یہ بتاؤ کہ یہ فرح بیگم اور جواد بیگ کون ہیں........؟"

"جواد بیگ آپ کے ہونے والے سسر ہیں جی' اور فرح بیگم آپ کی ہونے والی بیوی........"

"ہوں' تو اس گھر کا معاملہ کیا چل رہا ہے؟"

"بس جی' جتنا ہمیں معلوم ہے اتنا ہی تو بتا سکتے ہیں' بڑے صاحب کو کاروبار میں نقصان پہ نقصان ہوئے' لاکھوں کروڑوں روپیہ ڈوب گیا سب کچھ تباہ ہونے کو تھا کہ جواد بیگ نے آپ کا رشتہ خود دیا' فرح بی بی کے کہنے سے اور آپ کا سارا قرضہ ادا کر دیا' اس طرح کاروبار کو دوبارہ سہارا ملا' بس جی اتنا ہی معلوم ہے ہمیں تو........" میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر ہنس پڑا' پھر میں نے کہا۔

"اچھا لو' یہ دو سو روپے اور لو میں تو یہ آزما رہا تھا کہ تم گھر کے معاملات کے بارے میں کتنا جانتی ہو........" شبنم بی بی نے جلدی سے نوٹ دوبارہ میرے ہاتھ سے لے لئے تو میں نے کہا۔

"اور جانتی ہو یہ دوبارہ نوٹ میں نے تمہیں کیوں دیئے ہیں........؟"

"قربان جاؤں سرکار کے' آپ تو ہیں ہی بڑے دل والے........"

"ہاں ہاں بالکل بالکل' میں نے یہ دو سو روپے تمہیں اس لئے دیئے ہیں کہ جو کچھ میں نے تم سے پوچھا ہے اسے بھول جاؤ۔ کسی کو اس کے بارے میں نہ بتانا........"

"ٹھیک ہے سرکار' آپ جیسا حکم دیں........"

"اب جاؤ' ناشتے کا بندوبست کرو........" میں نے کہا اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی صورت حال خاصی حد تک میری سمجھ میں آ رہی تھی بلکہ واقعی اب سمجھنے کے لئے

کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ فرزانہ بھابی نے جو کچھ کہا تھا ان کے الفاظ اب میری سمجھ میں آرہے
تھے' قربانی عزت وغیرہ کا معاملہ' تو یہ شخص بیچارہ مقروض ہو چکا ہے' ماں باپ ہیں بے
میرے' ہوسکتا ہے سہیل میرا اتنا ہی مشکل ہو' لیکن سہیل' اس کا مطلب ہے کہ سہیل
نامی نوجوان گھر والوں کے فیصلے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے کہیں فرار ہوگیا ہے' واہ بیٹا تم تو
چلے گئے اور مجھے پھنسا گئے مصیبت میں' کرنا کیا چاہئے اب' ان لوگوں کی مشکلات میں اپنی
ٹانگ اڑاؤں یا خود اپنی مشکل میں مبتلا رہوں' فیصلہ کرنا تھا' دل نے کہا کہ نادر کیسی تنہا اور
بے کیف زندگی گزار رہا ہے' اگر ان لوگوں کا تیرے ذریعے کچھ بھلا ہوسکتا ہے تو کیا ہرج
ہے' تھوڑے دن تک یہی کھیل کھیل لے' ویسے تو نے تو صاف کہہ دیا ہے ان لوگوں سے
کہ تو سہیل نہیں ہے اور آئی گئی کے ذمے دار یہ لوگ خود ہوں گے چنانچہ اب تیرے
لئے یہاں کوئی مشکل بھی نہیں ہے' بار بار ان لوگوں پر یہ اظہار بھی نہیں کرنا کہ تو سہیل
نہیں ہے کم از کم اس وقت تک جب تک اصلی سہیل یا تو واپس نہ آجائے یا پھر اس
ڈرامے کا کوئی اور ڈراپ سین نہ ہو.........."

یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں غسل خانے میں داخل ہوگیا۔ نہا دھو کر کپڑے پہن کر
باہر آیا تھا کہ شبنم بی بی ناشتہ لے آئی اور میں نے یہ عمدہ ناشتہ کیا۔ میرے لباس دھل کر
ہوٹل سے آچکے تھے اور میرے ہی کمرے میں سجے ہوئے تھے' گھر میں استعمال کرنے کا
ایک لباس پہن کر میں بیٹھ گیا' ویسے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ برابر کی الماریوں میں لاتعداد
لباس سجے ہوئے ہیں' ظاہر ہے یہ سہیل کے ہوں گے' لیکن میں نے ان میں سے کوئی
لباس استعمال نہیں کیا تھا' ویسے بھی میں ان تمام چیزوں سے گریز کرنا چاہتا تھا' تو پھر فرزانہ
بھابی واپس آگئیں' میرے لئے خاصے تحفے تحائف لائی تھیں پھر انہوں نے کہا۔

"ماں باپ سے بالکل بات چیت نہیں کرو گے' تمہیں نہیں معلوم اماں جان کس
قدر بے چین ہیں.........؟"

"ٹھیک ہے' چلتا ہوں.........."

"سہیل' بہت غم اٹھائے ہیں انہوں نے' اب دیکھو نا تقدیر کے فیصلوں سے
انحراف نہیں کیا جاسکتا' تم سب سے ناراضگی چھوڑ دو.........."

"چھوڑ دی........." میں نے مسکراتے ہوئے کہا.........

"کیا واقعی.........؟"

"بالکل.........."

"تو پھر آؤ' اماں جان سے لپٹ جاؤ.........." اور پھر جب میں اماں جان سے لپٹا تو
میرے دل کے انتہائی پوشیدہ گوشوں سے ایک درد بھری آواز نکلنے لگی' یہ آواز میرے
کانوں میں الفاظ بن کر گونج رہی تھی' یہ آواز میری ماں کی تھی' آج ایک دوسری ماں سے
لپٹ کر مجھے اپنی ماں یاد آئی تھی' لیکن ان یادوں کے ساتھ ساتھ دل پر ایک بوجھ بھی تھا'
جیسے بھی گزرتی زندگی گزار لیتی' میری پرورش کرتی' میں جوان ہوتا تو اس کا سہارا بن جاتا'
شادی کے بغیر کیا وہ نہیں رہ سکتی تھی' ارے بھیک مانگ لیتی' برتن مانجھ لیتی دوسرے
گھروں کے لیکن مجھ پر سوتیلا باپ تو مسلط نہ کرتی جس نے میری شخصیت ہی مسخ کر کے
رکھ دی تھی' سوچنے سمجھنے کے قابل ہو کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ فضل خاں دودھ والا
ایک گھٹیا اور پنچ آدمی تھا' وہ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا میرے ساتھ جو اس نے کیا'
اس کے اپنے بھی بچے تھے' میں نے نمایاں فرق دیکھا تھا اپنے اور ان بچوں کے درمیان'
اور یہ فرق میری ماں بھی کرنے لگی تھی چاہے فضل خاں کے خوف سے ہی کیوں نہ ہو' کیا
ے یہ کرنا چاہئے تھا' یہ نقلی اماں جان مجھ سے لپٹی ہوئی روتی رہیں اور بہرحال میں نے
نہیں مصنوعی دل کے ساتھ تسلیاں بھی دیں انہوں نے روتے ہوئے کہا.........

"پاگل! زندگی میں تو بڑی وسعتیں ہیں' اگر ہم لوگوں کو اس طرح سہارا مل جائے
تو تجھے گریز نہیں کرنا چاہئے' تو نے بہت دکھ دیئے ہیں مجھے........."

"آپ بے فکر رہیں اماں جان' اب میں آپ کو کوئی دکھ نہیں دوں گا۔" سو رات
ڈنر پر بھی یہ جذباتی محفل جاری رہی اور میں بھی اداکاری کرتا رہا۔ معاملات تقریباً
ار ہو گئے' اباجان نے بھی میرے ساتھ شفقت کا سلوک کیا' پھر دوران گفتگو مجھے یہ
معلوم ہوئی کہ جواد بیگ صاحب مسلسل دھمکیاں دیتے رہے ہیں' فرح بیگم میری
ں میں آئی رہی ہیں' دل میں ایک خیال ابھرا' ذرا دیکھوں تو سہی' اپنی ہونے والی ان
صاحبہ کو۔ اور یہ بات میں نے فرزانہ بھابی سے کہی تو فرزانہ بھابی مسکرا کر بولیں۔

"یہ ہوئی نا بات' دیکھو سہیل' میں کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کہوں گی فرح
ل بری لڑکی نہیں ہے' تھوڑے بہت عرصے کے بعد تمہیں پسند بھی آجائے گی' لیکن

اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے گھر کی عزت کے لئے ہو رہا ہے.........."

"آپ بالکل بے فکر رہیں ان سب کی شکایتیں دور کر دوں گا.........."

"تو پھر کیا خیال ہے فرح کو ٹیلی فون کر دوں..........؟"

"کر دیجئے.........."

"ابھی نازل ہو جائے گی.........."

"رات کو واپس چلی جائے گی..........؟"

"بڑی بے تکلف ہے تمہیں بہت پسند کرتی ہے' ابھی تک ہم لوگوں نے مرض اس خیال کے تحت جواد بیگ صاحب کو تمہاری واپسی کے بارے میں ٹیلی فون نہیں کیا کہ فوراً ہنگامہ شروع ہو جائے گا' کہیں تم اس ہنگامے سے انحراف نہ کرو' حالات بڑ سنگین چل رہے ہیں' جواد بیگ صاحب بڑے کاروباری آدمی ہیں' کھرے لہجے میں کہا تھا کہ جو کچھ انہوں نے ہمارے لئے کیا ہے' صرف فرح کے اچھے مستقبل کے لئے ہے' اگر یہ بات نہیں ہوئی تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ دوسرے وہ سلوک نہ کرتے جو کچھ بیگ صاحب کریں گے' سمجھ رہے ہو نا.........."

"سمجھ رہا ہوں' لیکن اب اس وقت آپ انہیں فون مت کیجئے گا' کل مل گے فرح صاحبہ سے' بہرحال فرزانہ بھابی نے جو کچھ بھی کیا ہو' دوسرے دن صبح ساڑھے گیارہ بجے تھے کہ ایک چمچماتی ہوئی کار اس کوٹھی کے پورٹیکو میں آکر رکی اور سے ایک چمچماتی ہوئی دوسری کار اتری' میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے د تھا۔ صورت شکل تو بہت اچھی تھی' لباس انتہائی ماڈرن اور محترمہ کی چال ڈھال اندازہ ہوتا تھا جیسے دنیا کو قدموں تلے مسلتی ہوئی چل رہی ہوں..........

میں انتظار کرتا رہا۔ تمام مراحل سے گزرنے کے بعد وہ میرے کمر دروازے تک پہنچیں اور اندر داخل ہو گئیں' دروازے ہی پر کھڑی مجھے گھورتی ر میں انہیں سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ ویسے دل میں ایک عجیب سا احسا تھا.......... یہ فرح صاحبہ ہیں تو سہیل کی ملکیت' لیکن دل کو اس طرح لبھا رہ بھٹک جانے کو دل چاہتا تھا۔

"انتہائی بداخلاق بھی ہو اور بدتمیز بھی.........." انہوں نے فرمایا۔

"جی جی بالکل.........." میں نے کہا۔

"کیا..........؟"

"مم..... میرا مطلب ہے بالکل نہیں.........."

"تم پاگل ہو گیا..........؟"

"جی ہاں جی ہاں.........."

"دیکھو' میں ذرا دوسری قسم کی لڑکی ہوں' میں کہتی ہوں کہاں چلے گئے تھے تم..........؟"

"وہ بس ذرا سیر و سیاحت کے لئے گیا تھا.........."

"مجھے ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے..........؟"

"دیکھنے گیا تھا کہ کون کونسی جگہیں اس دنیا میں ہم دونوں کے قابل ہیں.........."
ں نے کہا اور وہ آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی میرے قریب پہنچ گئی۔

"تم انتہا پسند ہو.........."

"بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے.........."

"کیا ٹھیک ٹھیک لگا رکھی ہے' کہاں کہاں گئے تھے مجھے بتاؤ' اور اس طرح سب کو ائے بغیر کیوں گئے تھے' تمہیں پتہ ہے تمہارے پیچھے سب کی کیا حالت ہوئی؟"

"پتہ ہوتا تو جاتا کیوں..........؟"

"بیوقوف کہیں کے.........."

"شکریہ.........."

"اب کیا پروگرام ہے..........؟"

"ناشتہ کر لیا ہے دوپہر کا کھانا کھاؤں گا.........." میں نے کہا۔

"شٹ اپ.........."

"نہیں کھاؤں گا.........." میں نے جواب دیا اور وہ ہنس پڑی۔

"بس اب تیار ہو جاؤ تمہیں پتہ نہیں ہے میں تمہارے لئے کس قدر پریشان رہی لا اور پتہ ہے ان لوگوں نے کیا اڑانا شروع کر دیا تھا؟"

"کن لوگوں نے..........؟"

"انہی تمہارے گھر والوں نے.........."

"مکھیاں اڑائی ہوں گی یا پتنگ اڑانا شروع کر دی تھی.........."

"کہنا شروع کر دیا تھا ان لوگوں نے کہ تم مجھے ناپسند کرتے ہو اس لئے گھر سے بھاگ گئے ہو۔" فرح نے کہا۔

"بکواس کرتے ہیں' تم سے حسین لڑکی تو میں نے روئے زمین پر دوسری نہیں دیکھی۔"

"جھوٹ بول رہے ہو.........." وہ اترا کر بولی۔

"ہو سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا.........؟" وہ پھر غصیلے لہجے میں بولی۔

"نہیں میرا مطلب ہے کہ ہو سکتا ہے کسی کونے کھدرے میں چھپی بیٹھی ہو۔ میری نگاہوں کے سامنے نہ آئی ہو۔"

"کون؟"

"وہی' میرا مطلب ہے تم سے زیادہ خوبصورت لڑکی۔"

"بہت زیادہ ظرافت کا مظاہرہ مت کرو' میں تم مردوں کی چالیں خوب سمجھتی ہوں۔"

"ظاہر ہے' مردوں سے تمہارا واسطہ پڑتا رہتا ہے۔"

"کیا مطلب۔ میرے کردار طنز کرنا چاہتے ہو؟"

"ارے باپ رے' تم سے تو کوئی بات کہنا بھی بس مشکل ہی ہے۔"

"اچھا میں کہتی ہوں تیار ہو جاؤ' تمہیں معلوم نہیں تمہاری وجہ سے میں نے کیسے طعنے سنے ہیں' کس کس نے میرا مذاق اڑایا ہے' لوگ یہ کہنے لگے تھے کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے اور میں اس قابل نہیں ہوں۔"

"توبہ توبہ کون لوگ تھے وہ ان کے ناموں کی ایک فہرست بنا کر مجھے دے دو' سب کو ٹھیک کر دوں گا۔" میں نے کہا۔

"اب اٹھو گے یا یونہی بکواس کرتے رہو گے؟"

"اٹھوں گا' سر کے بل اٹھوں گا۔" میں نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کیا

مزے کی بات تھی میری ہونے والی بیگم صاحبہ یہ خاتون ہیں جو کسی اونٹ کی طرح میری ناک میں نکیل ڈالنے کی کوشش کر رہی ہیں' بہرحال میں تیار ہو گیا۔ وقت نے کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا تو وقت کے ساتھ سفر تو کرنا ہی تھا' اب یہ الگ بات ہے کہ اس سفر میں میری ٹانگیں ٹوٹ جائیں' کیا کروں' کیا نہ کروں کوئی ایک بات سمجھ میں آتی ہو تو اس کے بارے میں کہوں۔

بہرطور میں نے لباس وغیرہ تبدیل کر لیا' گھر کے لوگوں میں فرح نے کوئی دلچسپی نہیں لی تھی اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ فرح نہ تو ان لوگوں کو پسند کرتی ہے اور نہ ہی یہ لوگ فرح کو پسند کرتے ہیں' عجیب لوگ تھے' ایک شخص کو داؤ پر لگا کر اس کے مستقبل سے کھیل رہے تھے۔ حالانکہ انسان اپنے معاملات خود بھگتتا ہے اگر ان کا کوئی ایسا معاملہ تھا تو انہیں خود دیکھنا چاہئے تھا' فرح جیسی تیس مار خاں ٹائپ کی لڑکی بھلا کون پسند کر سکتا تھا۔ بیچارہ سہیل صحیح بھاگا' ایسی لڑکی کے ساتھ گزارہ کرنا کتنا مشکل کام ہے۔

بہرحال فرح صاحبہ مجھے اپنی قیمتی کار میں بٹھا کر لے چلیں' راستے میں انہوں نے کہا۔

"بتاؤ گے نہیں کہاں گئے تھے؟"

"بھئی فرح' بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جنہیں فوراً ہی نہیں بتایا جا سکتا۔ اب میں تمہیں کیا کیا بتاؤں؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا' کیا دنیا میں کوئی ایسی بات ہے جو تم مجھ سے بھی چھپاؤ گے اگر ابھی تم ایسا کر رہے ہو تو شادی کے بعد کیا ہو گا؟"

"بالکل بالکل شادی کے بعد شاید میں تم سے ہر بات چھپاؤں۔"

"کیا مطلب ہے؟" فرح نے اتنی زور سے بریک لگایا کہ میرا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ وہ مجھے گھور رہی تھی۔

"وہ سامنے سامنے۔" میں نے سامنے سے آنے والی گاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تم کیا کہہ رہے تھے؟"

تم خود سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"آج تک کوئی ایسی بات ہے جو میں نے تم سے چھپائی ہے' بس کہہ دیا کہ ذرا وسیاحت کے لئے دل چاہا تھا۔ نکل گیا تھا' چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنا دیا۔" فرح نے کا رفتار پھر مناسب کردی تھی' اس نے غصیلی آواز میں کہا۔

"میرے سامنے ذرا محتاط رہ کر بولا کرو۔"

"آئندہ خیال رکھوں گا۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔

• میں ڈیڈی سے کیا کہوں گی؟"

"میرا تعارف کرا دینا' بتا دینا انہیں کہ میں سہیل ہوں۔"

"بہت زیادہ پُرمذاق بننے کی کوشش مت کرو۔" خدا خدا کر کے ہم خوبصورت کوٹھی تک پہنچے تھے جو محترمہ فرح کی تھی۔ ویسے اس کوٹھی کو دیکھ کر بھی ڈانواں ڈول ہوتا تھا۔ ایک طرح سے ناظم علی صاحب کی کوٹھی سے زیادہ خوبصورت وسیع کوٹھی تھی' ظاہر ہے فرح کے باپ کی تھی اور فرح کے باپ جواد بیگ صاحب بیچارے ناظم علی کے گھٹنے زمین پر ٹکا دیئے تھے اور اب وہ ایک بیٹے کی قربانی دے کر اس ساکھ کو بحال کرنا چاہتے تھے۔ لیکن بیٹے نے اپنی قربانی قبول نہیں کی تھی اور بھاگ تھا اور پکڑے گئے تھے ہم۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور تھوڑی دیر انتظار کے بعد فرح نے آکر

"ڈیڈی اس وقت ہیں نہیں' لیکن میں تمہیں ان سے ملے بغیر نہیں جانے دوں گی۔"

"کک.......... کب تک واپس آجائیں گے؟"

"جب بھی واپس آئیں' تم پر کیوں مصیبت نازل ہو رہی ہے؟"

"بالکل نہیں نازل ہو رہی ہے۔"

"آؤ چلو اب ڈرائنگ روم میں بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"گھر جانا ہے۔"

"یہ گھر نہیں ہے۔"

"نہیں' میرا مطلب ہے اپنے گھر۔"

"تمہارا گھر یہی ہے سمجھ رہے ہو نا' شادی کے بعد میں تمہیں اس جگہ نہیں ر

ں کی' یہاں آکر رہنا ہوگا تمہیں۔"

یہ تو میری خوش قسمتی ہے۔ اتنی خوبصورت کوٹھی۔"

"آؤ۔" اس نے کہا اور میں اٹھ کر اس کے ساتھ اس کے بیڈ روم میں داخل ہوگیا۔ کیا ہی عالیشان بیڈ روم تھا۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ویسے تو پوری کوٹھی ہی ایک شاندار نظر آرہی تھی۔ لیکن بیڈ روم' اتنے قیمتی ڈیکوریشن پیس وہاں موجود تھے کہ کر آنکھیں حیرت سے پھیلتی تھیں' ایک میری بستی تھی یا اب تک گزرا ہوا وہ ماحول۔ ان دو کوٹھیوں کو دیکھنے کے بعد یہ احساس ہوا کہ انسان کس انداز میں رہتے ہیں' کس طرح جیتے ہیں۔

پھر فرح سے مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں' کسی نے ان باتوں میں مداخلت نہیں کی تھی' یہاں تک کہ میں سنجیدہ ہوگیا۔ میں نے کہا۔

"فرح! تمہارے علاوہ کوٹھی میں اور کوئی نہیں رہتا!"

"کیوں نہیں' ملازموں کی فوج ہے پوری۔"

"اس فوج کا کوئی کمانڈر نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ تمہارے علاوہ یہاں اور کون کون ہے؟"

"کیا تمہیں معلوم نہیں ہے میری ممی مرچکی ہیں' بس ڈیڈی ہیں اور میں اور یہ سب کچھ میرا ہے۔"

"وہ تو ہے یہ تو مجھے معلوم ہے' لیکن میرا مطلب ہے تم اپنے کسی رشتے دار کو بلا کر یہاں کیوں نہیں رکھتیں؟"

"کوئی اس قابل نہیں ہے' میں بہت ریزرو رہتی ہوں' عام قسم کے لوگوں سے مل کر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی' رشتے دار تم کیا سمجھتے ہو' رشتے دار ان مکھیوں کی مانند ہوتے ہیں جو ہر میٹھی چیز پر آکر بیٹھ جاتی ہیں اور اسے چٹ کر جاتی ہیں' ہم لوگ اس کے قائل نہیں ہیں' ہم رشتے داروں کو دور ہی رکھتے ہیں۔"

"ٹھیک۔" میں نے کہا اور اس کے بعد جواد صاحب سے ڈنر پر ہی ملاقات ہو گی۔ واپس آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی ایک ملازم نے آکر بتایا کہ جواد بیگ

صاحب واپس آگئے ہیں اور اب ڈنر روم میں فرح بی بی کا انتظار کررہے ہیں' چنانچہ
تیار ہوگئی۔

"آؤ چلتے ہیں۔"

"میری خیریت کی ضمانت دیتی ہو تو۔" میں نے کہا اور فرح ہنس پڑی پھر
ساتھ باہر نکلتی ہوئی بولی۔

"اب جو حرکت کی ہے اس پر جتنی بھی پڑے تمہیں ہی بھگتنی ہوگی' میں
ساتھ بالکل نہیں دوں گی۔"

"ارے تمہیں خدا کا واسطہ ہے" میں نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں جناب ڈیڈی کی بھی ایک عزت ہے ایک مقام ہے ایک وقار
کا۔ پھر تمہارا کیا خیال ہے کیا ڈیڈی تمہاری وجہ سے پریشان نہیں ہوں گے؟"

"چلو بھائی چلو' ادھر سے بھی بھگت لیا جائے گا۔" پھر میں نے جواد بیگ صاحب
طرف دیکھا' شکل ہی سے خرانٹ معلوم ہوتے تھے' مجھے دیکھ کر اچھل پڑے۔

"تم!" انہوں نے خونی آواز میں کہا۔

"جی میں۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی؟"

"کبھی کبھی آتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"مجھ سے مذاق کررہے ہو۔ جانتے ہو میں کس قسم کا آدمی ہوں؟"

"جی جانتا ہوں۔"

"یہ کہاں سے پکڑا تم نے؟" اس بار جواد بیگ صاحب نے بیٹی کو مخاطب کر
تھا۔

"نہیں ڈیڈی ایسی کوئی بات نہیں ہے ساری غلط فہمیاں تھیں۔" فرح
باپ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور میں نے سکون کی سانس لی۔

"کیسی غلط فہمیاں؟"

"جو کچھ کہا گیا تھا وہ غلط تھا' سہیل تو کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔"

"کسی کو بتائے بغیر۔"

"کام ہی ایسا تھا ڈیڈی۔"

"کیا کام تھا؟"

"اب ہر بات تو سب کو نہیں بتائی جاسکتی' بس میں نے کہہ دیا انہیں کام تھا'
انہوں نے مجھے مطمئن کردیا ہے۔"

"کمال کرتی ہو اور لوگوں نے نہ جانے کیا کیا کہانیاں اڑادی تھیں؟"

"لوگوں نے اڑائی تھیں خود سہیل نے تو نہیں اڑائی تھی کوئی کہانی' اب دیکھئے نا
بچے تو نہیں ہیں' جوان آدمی ہیں ہر شخص کے اپنے مسائل ہوتے ہیں اور اپنے مسائل
وہ خود ہی حل کرتا ہے' سہیل اگر کسی کام سے چلے گئے تو یہ تو دوسروں کا قصور ہے کہ
انہوں نے طرح طرح کی کہانیاں بنانا شروع کردیں اس میں سہیل کا کیا قصور ہے؟"

"ہاں۔ یہ بات تو ہے لیکن اس سلسلے میں سب سے بڑے قصور وار ناظم علی
صاحب ہیں ان لوگوں نے کیوں ڈرامہ شروع کردیا تھا؟"

"ڈیڈی بات ہی کچھ ایسی تھی کہ سہیل صاحب نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا بس
خاموشی سے باہر نکل گئے تھے۔"

"بیٹھو ڈنر کرو میرے ساتھ۔" جواد بیگ صاحب مطمئن ہوگئے تھے لیکن ان کی
آواز میں اب بھی ایک خونخوار کیفیت تھی میں خاموشی سے بیٹھ گیا' فرح میرے ساتھ ہی
بیٹھی ہوئی تھی جواد بیگ نے کہا۔

"اور سب خیریت تو ہے نا؟"

"جی بالکل خیریت ہے۔"

"کسی مشکل کا شکار تو نہیں ہو؟"

"نہیں سر۔" میں نے جواب دیا۔

"سر!" جواد بیگ صاحب چونک کر بولے۔

"میں اور کیا عرض کروں' آپ نے مجھے ڈانٹ ہی اتنا دیا ہے۔" میں نے کہا اور
جواد بیگ صاحب کھانے میں مصروف ہوگئے فرح مسکراتی رہی تھی لیکن بہرطور اس نے
میری خاطر مدارات کی تھی جواد بیگ صاحب نے کہا۔

"مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں، میرا خیال ہے رات یہیں رک جاؤ کل دن میں

چلے جانا۔"

"جی وہ........"

"کیا جی وہ۔ بعد میں تمہیں اس گھر میں نہیں رہنا' اصل میں بات یہ ہے کر ناظم علی کے دل سے یہ خیال دور کرنا چاہتا ہوں کہ اب بیٹے پر اس کا حق رہ گیا ہے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ بات تو پہلے ہی ان لوگوں کو بتا دی گئی تھی۔"

"وہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ خیر باقی سب کچھ بعد میں ہوگا سنا تم نے یہیں ر جاؤ۔"

"جی بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا' فرح صاحبہ مسکراتی رہی تھیں۔ ڈنر کے میں فرح کے ساتھ اٹھ کر باہر لان پر آگیا فرح مجھے اپنے لگائے ہوئے نئے پودے دکھا رہی۔ کہنے لگی۔

"باغبانی میری زندگی ہے' دنیا بھر میں جہاں کہیں کسی حسین پھول یا پودے بارے میں کوئی رپورٹ تیار ہوتی ہے اور مجھ تک پہنچ جاتی ہے تو سمجھ لو وہ میرے پا پہنچ گیا۔"

"بہت خوبصورت شوق ہے۔"

"ڈیڈی نے تمہیں یہاں رکنے کے لئے کہا ہے۔"

"ہاں۔"

"میں بھی یہی چاہتی تھی۔"

"ہاں۔"

"کیا کچھ اور سوچ رہے ہو؟"

"نن۔ نہیں کیوں؟"

"ہربات میں ہاں ہاں کیے جارہے ہو۔"

"عجیب بات ہے مس فرح' کسی بات میں اگر ہاں نہیں کہتا تو آپ ناراض ہیں۔"

"اب ایسا بھی نہیں' مجھے شوہر چاہئے کاٹھ کا الو نہیں۔" میں خاموش ہوگیا میں تو بہت سے خیالات آئے تھے لیکن زبان سے نہیں ادا کرسکتا تھا پھر فرح نے کہا۔

"میرے بیڈ روم میں سوؤ گے؟"

"ارے۔ پ۔ باپ رے۔ کک کیا جواد بیگ صاحب کے ہاتھوں قتل کرانا چاہتی ہو؟" وہ ہنس پڑی پھر بولی۔

"منہ دھو کر رکھو' میرے جھوٹ کو سچ سمجھ بیٹھے آؤ میں تمہیں تمہارا بیڈ روم دکھاؤں۔"

"بیڈ روم کی کیا ضرورت ہے رات کو اگر دیر ہوگئی تو لیٹ نائٹ واپس جاؤں گا۔"

"کیوں موت آرہی ہے کیا' واپس جانے کے لئے مرے جارہے ہو کتنے دن کے بدلے ہو مجھے۔"

"نن۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"

"میرے برابر کے بیڈ روم میں سو جانا اور سنو رات کو میرے بیڈ روم میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا۔"

"توبہ کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور وہ ہنستی رہی اس کے بیڈروم کے برابر ہی میرے لئے ایک بیڈ روم تیار کردیا گیا تھا بیڈ روم میں کافی دیر تک وہ میرے ساتھ بیٹھی رہی اور پھر میں نے کہا۔

"جب کوئی بات نہیں کرنی تھی جواد بیگ صاحب کو تو یہاں روکنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"دیکھو مجھے غصہ مت دلاؤ' اصل میں تم نہیں جانتے ڈیڈی تم پر اپنا تسلط دیکھنا چاہتے ہیں اور ہونا بھی یہی چاہئے۔ تمہیں ڈیڈی کا سارا کاروبار سنبھالنا ہے اگر ابھی سے تم نے ان سے انحراف کرنا شروع کردیا تو مستقبل میں کیا ہوگا۔"

"آہ۔ مستقبل کے بارے میں تو میں بھی نہیں جانتا۔" پھر فرح کمرے سے واپس چلی گئی اور میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرلیا پھر میں مسہری پر لیٹ کر ان حالات کے بارے میں سوچنے لگا' اب کیا کیا جائے۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اچانک مجھے مونگا کی موجودگی کا احساس ہوا وہ پرچھائی سی میرے سامنے آئی اور اس کے بعد منحوس مونگا میری نگاہوں کے سامنے آگیا' وہی بے گردن کا جسے اگر کوئی اور اس عالم میں دیکھ لیتا

تو دہشت سے مرہی جاتا لیکن میں اس کا عادی ہوگیا تھا' پھر بھی نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر خوف کی ایک جھرجھری میرے وجود میں پیدا ہوجاتی تھی' مونگا زمین پر بیٹھ کر گردن کا حصہ پیٹنے لگا جو سر کے بغیر تھا پھر وہ مکمل طور سے نمایاں ہوگیا میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"تجھ پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے' جب دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔"

"ایک تو مروا دیا ہمیں۔ دوسرا ہمارا ستیاناس کردیا' بھگوان تمہارا ستیاناس کرے۔"

"ارے۔ ارے کیا بکواس کررہا ہے؟"

"اب بتاؤ ہماری کھوپڑی ہمیں کہاں سے ملے' ارے بابا ہماری کھوپڑی تم ہی دو گے' جب تک تم جاپ پورا نہیں کرو گے' ہماری کھوپڑی ہمیں نہیں ملے گی۔"

"جہنم میں جا تو اور تیری کھوپڑی۔"

"ارے واہ۔ واہ' کیسے جہنم میں جائیں' مروا دیا ہمیں اور کہتے ہو جہنم میں جا' جہنم میں بھی بغیر کھوپڑی کے گئے تو وہاں سے نکال دیئے جائیں گے۔"

"تو میں کیا کروں؟"

"جاپ یاد کرو مہاراج' جاپ یاد کرو۔"

"مجھے نہیں یاد آتا۔"

"تو پھر۔ ہم بغیر کھوپڑی کے ہی رہیں گے اپنے پریوار میں جاتے ہیں تو وہاں جوتے پڑتے ہیں کہ سسرے کھوپڑی کہاں پھینک آیا' اب کیا بتائیں ہم تو عجیب مصیبت میں پڑ گئے' ایسا کرو مہاراج جب تک ہماری اپنی کھوپڑی نہیں مل جاتی جب تک تمہیں جاپ نہیں یاد آجاتا تو کوئی اور کھوپڑی ہمیں دے دو۔"

"کیا بکواس کررہا ہے!"

"ارے ہاں۔ ایسا تو ہوسکتا ہے' ابھی جب ہم یہاں آرہے تھے تو ہم نے ایک آدمی کو دیکھا لمبا تڑنگا' شکل وصورت بھی اچھی تھی پر کیا پتہ اس کی کھوپڑی ہماری گردن پر فٹ ہوگی یا نہیں۔"

"مونگا' بھاگ جا یہاں سے۔"

"دیکھو مہاراج تمہارا حکم ماننا ہمارا دھرم ہے' پر اس دھرم پر بھی ہم اسی

چلیں گے جب ہماری کھوپڑی ہمیں مل جائے گی' ابھی تو ہم ادھر کے رہے نہ ادھر کے' بتاؤ کیا کریں ہم۔ کیا کرسکتے ہیں؟"

"تو پھر میں کیا کروں تیرے لئے؟"

"مہاراج کوئی دوسری کھوپڑی ہی ہمیں دیدو۔"

"مگر کیسے؟"

"وہ ہم بتادیں گے۔"

"بتا۔" میں نے کہا۔

"تو پھر اٹھ جاؤ۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے مسہری سے نیچے تو اترو۔" اس نے کہا اور میں مسہری سے نیچے اتر آیا پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور دوسرے لمحے مجھے اسی کیفیت کا احساس ہوا جو پہلے بھی ہوچکا تھا میرا بدن پہلے ایک لمحے کے لئے بھاری ہوا اور پھر ہلکا ہوگیا' دماغی کیفیت بحال تھی لیکن بس یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اعصاب پر کوئی سوار ہے' میرے منہ سے نکلا۔

"یہ کیا ہے مونگا؟"

"بتاتے ہیں چلو آؤ آگے چلو۔" اس نے کہا اور میں غیراختیاری طور پر آگے بڑھا پھر میں نے اپنے ہاتھوں سے دروازہ کھولا یہ احساس مکمل طور سے مجھ پر سوار تھا کہ میں اس وقت اپنے قابو میں نہیں ہوں میرے اعضاء اس کے زیر ہدایت عمل کررہے ہیں وہ میرے ہاتھوں پیروں سے چل رہا ہے اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ آہستہ آہستہ وہ جواد بیگ کے بیڈ روم کی جانب چل پڑا پھر اس نے دروازے پر دستک دی' یعنی میں نے اور جواد بیگ نے دروازہ کھول دیا مجھے دیکھا اور بولے۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ جاگ رہے تھے!"

"ہاں میں دیر سے سوتا ہوں' سونے سے پہلے کوئی کتاب پڑھتا ہوں۔"

"مجھے آپ سے کام ہے۔"

"آؤ اندر آجاؤ۔" جواد بیگ نے کہا اور میں اندر داخل ہوگیا' ایک لفظ میرا اپنا

نہیں تھا مونگا میری زبان سے بول رہا تھا پھر اچانک ہی اپنے ہاتھ میں' میں نے ایک عجیب
سی چیز محسوس کی یہ عجیب سی چیز ایک خاص قسم کا بڑا سا خنجر تھا جو کافی وزنی تھا خنجر میں نے
اپنے ہاتھ میں محسوس کیا مجھے حیرت بیشک ہوئی لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"ہاں بولو کیا ہے؟" انہوں نے کہا اور اسی وقت میں نے خنجر سیدھا کرلیا۔ جواد
بیگ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی تھیں۔

"بکک۔ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ ہکلائے لیکن میں نے آگے بڑھ کر ان پر وار کردیا
اور اس صفائی سے وار کیا کہ ان کی گردن شانوں کے پاس سے کٹ کر دور جا گری میرے
ہوش وحواس گم ہوگئے تھے' خون کا فوارہ بلند ہوا تھا اور میرا سارا لباس خراب ہوگیا تھا'
جواد بیگ کا ایک لمحے میں خاتمہ ہوگیا ان کا جسم کچھ لمحے تڑپا اور اس کے بعد ساکت ہوگیا۔
تب مونگا میرے جسم سے باہر نکل گیا اور اس نے بڑی دلچسپی سے وہ کھوپڑی اٹھالی میرے
پورے بدن پر لرزہ طاری تھا۔ جسم سے مونگا کے نکل جانے کے بعد میں اپنی اصل
حیثیت میں تھا اور میرا بدن سرد ہوا جارہا تھا' یہ کیا ہوا۔ یہ کیا ہوا۔ جو کچھ ہوا تھا اس کی
سنگینی کا مجھے احساس تھا قتل میرے ہاتھوں ہوا تھا اور جواد بیگ کی کھوپڑی سامنے پڑی ہوئی
تھی مونگا نے آگے بڑھ کر وہ کھوپڑی اٹھائی اور وہیں بیٹھ کر اسے اپنے شانوں پر فٹ کرنے
کی کوشش کرنے لگا' بڑا بھیانک منظر تھا مونگا اس کھوپڑی کو اپنے شانوں پر بٹھا رہا تھا اور
میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دیوار سے ٹکا اسے دیکھ رہا تھا میرے اعضاء ساکت ہوگئے
تھے اور اب میں اپنے بس میں نہیں تھا۔ یہ ماحول دیکھ کر دل چاہ رہا تھا کہ چیختا ہوا بھاگ
نکلوں' خنجر اب بھی میرے ہاتھ میں تھا اور اس سے خون ٹپک رہا تھا جو کچھ کیا تھا میں نے
اپنے ہاتھوں سے کیا تھا پھر مونگا نے جھلا کر کھوپڑی اٹھائی اور جواد بیگ کے بدن پر دے
ماری۔"

"ستیاناس ٹھیک سے فٹ ہی نہیں بیٹھتی' بیکار رہی کوئی اور کھوپڑی تلاش کرنی
پڑے گی مہاراج' کوئی اور کھوپڑی۔" مونگا کی آواز رک گئی' دروازے پر ہلکی سی آہٹ
ہوئی تھی' نہ میں نے اور نہ ہی مونگا نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی تھی' جو کچھ ہو رہا
تھا وہ تو میں ہی کر رہا تھا آنے والا ایک ملازم تھا جو دودھ کا گلاس لئے ہوئے تھا گلاس پلیٹ
پر رکھا ہوا تھا اور اس پر سرپوش ڈھکا ہوا تھا۔ وہ اطمینان سے کمرے میں داخل ہوگیا پھر

رکا اس کرسی کی جانب دیکھا پھر نیچے دیکھا اور اس کے بعد کھوپڑی کو' پھر مجھے اور اس کے
بعد جو اس کی دھاڑ گونجی ہے تو میرے بھی کان جھنجھنا کر رہ گئے وہ لمبی چھلانگ لگا کر باہر
نکلا تھا۔ دروازے سے ٹکرا کر گرا اور اس کے بعد دروازے سے باہر نکل گیا پھر اس نے
دروازہ باہر سے بند کردیا اور میرے کانوں میں اس کی چیخیں گونجنے لگیں۔

"خون۔ خون۔ قتل۔ قتل' بھاگو دوڑو۔ خون۔ خون' قتل۔ قتل۔" وہ حلق پھاڑ
پھاڑ کر چیخ رہا تھا اور بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے وحشت
سے جھرجھری لی' میرا پورا بدن خون آلود تھا اور مونگا کمبخت وہ تو اب میری نگاہوں سے
بھی اوجھل ہوگیا تھا' خدا اسے غارت کرے' میں نے دل ہی دل میں سوچا دروازہ کھلا اور
بہت سے لوگ اندر گھس آئے یہ ملازم تھے ان میں وہ ملازم بھی تھا جو دودھ کا گلاس لے
کر آیا تھا وہ اب بھی چیخ رہا تھا۔

"پکڑو اس کو یہی ہے قاتل' پکڑو پکڑو۔"

"اے۔ خنجر پھینک دو" ایک ملازم نے کہا جو غالباً گیٹ کا چوکیدار لگتا تھا' اس کے
ہاتھ میں کلاشنکوف دبی ہوئی تھی اور ویسے بھی خاصا دبنگ آدمی معلوم ہوتا تھا' کلاشنکوف
کا رخ اس نے میری جانب کر کے کہا۔

"خنجر پھینک دو ورنہ پورا بدن چھلنی کردوں گا۔" میں نے گھبرا کر جلدی سے خنجر
پھینک دیا تھا۔

"پکڑو اسے۔ باندھ لو۔" پھر بہت سے ملازم دوڑے اور انہوں نے مجھے مضبوطی سے
کس لیا۔ گھر میں جیسا کہ فرح نے بتایا تھا کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں رہتا' چنانچہ فرح
بھی جاگ گئی اور آہستہ آہستہ وہاں پہنچ گئی' ملازم مجھے پکڑے ہوئے چیخ رہے تھے۔

"رسیاں لاؤ' رسی لاؤ۔" کچھ ملازم رسی لینے دوڑ گئے اور اس کے بعد مجھے کس لیا
گیا میرے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پشت پر باندھے گئے اس کے باوجود پورے بدن پر
رسی کس کر لپیٹ دی گئی پھر پیروں میں بھی رسیاں باندھ کر مجھے گرا دیا گیا فرح اندر داخل
ہوگئی تھی' ایک لمحے کے لئے تو اس کی نظر باپ پر نہیں پڑی لیکن پھر اس نے اسے دیکھ لیا
اور دوسرے لمحے اس کی دلخراش چیخ نکلی' پھر وہ لہراتی ہوئی زمین پر گر پڑی' وہ بے ہوش
ہوگئی تھی۔ ملازم اسے اٹھا کر اس کے کمرے میں لے گئے مجھے وہیں پر دبوچ رکھا گیا

جبکہ اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا کسی سے کہتا تو کیا کہتا خون آلود خنجر میرے ہاتھ میں دیکھا گیا تھا اور میرے علاوہ کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا بھلا اب مجھے جواد بیگ کا قاتل ثابت کرنے میں کسی کو کیا دقت ہو سکتی تھی۔ ملازم بھاگ دوڑ کر رہے تھے' ان میں کچھ پڑھے لکھے آدمی بھی ہوں گے چنانچہ پولیس کو فون کیا گیا اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب میری شامت کو کوئی نہیں روک سکتا' کچھ کہتا تو کیا کہتا تقدیر پر بھروسہ کر کے خاموش ہو گیا۔ دیکھنا ہے اب جو بھی ہو گا اسے دیکھنا ہی ہے بہرحال خاصا وقت انتظار کرنا پڑا اور اس کے بعد پولیس پہنچ گئی' قاتل موقع پر پکڑا گیا تھا اس لئے کوئی دقت کسی کو نہیں ہو رہی تھی' تھانے کے انچارج صاحب نے کڑک دار آواز میں کہا۔

"کسی چیز کو ہاتھ تو نہیں لگایا گیا؟"

"نہیں جناب۔"

"آلہ قتل کہاں ہے؟"

"اس کے پاس تھا ہم نے اسے بڑی مشکل سے نہتا کیا ہے۔"

"ہوں۔ آپ لوگ سب باہر نکل جاؤ۔" تھانیدار صاحب نے کہا اور اس کے بعد وہ پورے کمرے کا معائنہ کرنے لگے' میرا بھی انہوں نے سر سے پاؤں تک معائنہ کیا تھا اور گھنی مونچھوں کے نیچے سے ہوں۔ ہوں کی آوازیں نکالتے رہے تھے پھر انہوں نے اپنے ماتحتوں کو ہدایات جاری کیں اور اس کے بعد مجھے ڈنڈا ڈولی کر کے باہر لا کر راہداری میں رکھ دیا گیا' تھانیدار صاحب نے کہا۔

"تم میں سے ایک بندہ میرے ساتھ آؤ اور مجھے ساری صورت حال بتاؤ' سارا قصہ کیا ہے؟" چنانچہ وہ ایک بندہ جو شکل سے سچ مچ اللہ کا بندہ لگتا تھا تھانیدار صاحب کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ میں راہداری میں رکھا ہوا تھا اور میرے گرد اب پولیس والوں کا مجمع تھا بھلا کسی سے کچھ کہنے کی کیا گنجائش تھی' میں نے خاموشی سے آنکھیں بند کر لیں۔ اللہ کے بندے اور پولیس افسر کی گفتگو کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"تم لوگ قاتل کو جانتے ہو؟"

"جی سرکار۔"

"کون ہے یہ؟"

"سہیل صاحب ہیں جی یہ۔" ملازم نے جواب دیا۔

"اوئے میں کہتا ہوں کون ہے یہ؟"

"قسم کھاتا ہوں صاحب جی' سہیل صاحب ہیں یہ۔"

"او بندے دے پتر' میں پوچھتا ہوں شناسا ہے یہ؟"

"ہاں جی۔ چھوٹی بی بی کے منگیتر ہیں۔"

"اوئے ہوئے ہوئے۔ منگیتر ہیں۔ تو پھر منگیتر کے باپ کو کیوں قتل کر دیا اس نے؟"

"صاحب جی مجھے نہیں معلوم۔" اس طرح کے الٹے سیدھے سوالات میرے کانوں میں پڑ رہے تھے اور میں آنکھیں بند کئے یہ سوچ رہا تھا کہ کیا بری افتاد پڑی ہے۔ دل ہی دل میں مونگا کو جس قدر کوس سکتا تھا کوس رہا تھا' سچی بات یہ ہے کہ غلطی میری ہی تھی۔ فیض خان کا تو سارا ہی گھرانہ بگڑا ہوا تھا' مجھے جواد بیگ کی موت سے عبرت ہو جانی چاہئے تھی' اس قسم کے کاموں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ چچی جان خود غلط کاریوں کا شکار تھیں' مجھے بھی انہوں نے برے راستوں پر ڈال دیا۔ مگر مجھے اپنی عقل تو استعمال کرنی چاہئے تھی۔ کیا ضروری تھا کہ میں بھی یہ سب کچھ سیکھنے کی کوشش کرتا۔ اب یہ گلے پڑ گیا تھا تو بھگتنا ہی تھا بہرحال میں خاموشی سے اپنی جگہ پڑا رہا۔ پولیس کی کارروائیاں ہوتی رہیں اور کچھ دیر کے بعد مجھے ایک گاڑی میں بٹھا کر تھانے لے جایا گیا۔ گاڑی ہی میں میرے ہاتھ پاؤں کھول دیئے گئے تھے اور پھر ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دی گئی تھیں۔ راستے میں کسی نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا اور میں خاموشی سے یہ سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے تھانے میں لے جا کر مجھ سے سوالات کئے جائیں گے اور میرا بیان لیا جائے گا' مجھے ایک بہتر بیان کے لئے تیار رہنا چاہئے یہ بھی سوچتا تھا کہ ان لوگوں کو اپنی اصلیت بتاؤں یا پھر اپنے آپ کو سہیل ہی ظاہر کروں۔ یہ معاملہ بالکل مختلف تھا۔ ان لوگوں کے اہل خاندان کو میں نے صحیح صورت حال بتا دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ میں سہیل نہیں ہوں۔ لیکن پولیس کو کیا یہ بتانا مناسب ہوگا۔ ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ بہرحال آخری فیصلہ یہی کیا میں نے کہ پولیس سے یہی کہوں گا کہ میرا نام سہیل ہے' دل

میں ایک بیان بھی تیار کر لیا تھا۔

تھانے پہنچا اور مجھے فوراً ہی لاک اپ میں ڈال دیا گیا' انچارج صاحب ضابطے کی کارروائیاں کرنے لگے۔ معاملہ ایک بڑے آدمی کے قتل کا تھا اس لئے انہوں نے ڈی ایس پی صاحب کو بھی اس بارے میں اطلاع دے دی۔ باہر کیا کیا کچھ ہو رہا تھا' مجھے اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ لیکن میں بہرطور اس مصیبت سے خاصا دل برداشتہ تھا۔

پھر لاک اپ کی زمین پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں اور کچھ دیر کے بعد صبح ہوگئی۔ صبح کو مجھے ایک ڈبل روٹی کا ٹکڑا اور چائے کا ایک پیالہ دیا گیا۔ زندگی میں عیش و عشرت ہی سب کچھ نہیں ہوتے' میرے لئے تو یہ سب کچھ بہت بڑی نعمت تھا' کیونکہ بچپن میں جو زندگی گزار چکا تھا وہ بڑی کٹھن تھی۔ چنانچہ صبر و سکون کے ساتھ پیٹ کا دوزخ بھر لیا' کم از کم آگے کے حالات کے لئے خود کو تیار کر لینا چاہئے۔ اب میں احمق نہیں تھا ہر بات کو ذہن میں رکھتا تھا اور یہ جانتا تھا کہ صورت حال سے کس طرح نمٹا جا سکتا ہے۔ ابھی تو سہیل کے اہل خاندان کو اس بارے میں معلومات حاصل ہوں گی اور اس کے بعد ان لوگوں کی بھی شامت آئے گی' ادھر تمام کارروائیاں ہو رہی ہوں گی۔

پھر اس وقت دن کے ساڑھے دس بجے تھے جب مجھے ایک الگ کمرے میں طلب کر لیا گیا۔ انچارج صاحب' ڈی ایس پی صاحب کے ہمراہ موجود تھے۔ انہوں نے مجھے غور سے دیکھا اور پھر ڈی ایس پی صاحب کی آواز ابھری۔

"قتل کرنے کا بڑا شوق ہے بھئی تجھے!"

"جی نہیں' مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔"

"قاتل تو تو پکا لگتا ہے۔"

"یہ آپ کی ناتجربے کاری ہے' ورنہ میں نے زندگی میں کبھی کوئی قتل نہیں کیا۔"

میرے الفاظ سے ڈی ایس پی صاحب کا پارہ چڑھ گیا' وہ غصے سے بولے۔

"ہماری ناتجربے کاری ہے؟"

"یہی عرض کر سکتا ہوں' آپ مجھے پکا قاتل کہہ رہے ہیں۔"

"اوئے پوری کھوپڑی اتار کر رکھ دی تو نے۔ یہ کسی معمولی آدمی کا کام تو نہیں ہو سکتا۔"

"ڈی ایس پی صاحب' میری آپ سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ میں ایک اچھے خاندان کا نوجوان ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اس سلسلے میں تصدیق کر لیجئے۔"

"ہاں ہاں ہاں۔ آیا جاتا ہے تیرا خاندان بھی' قصہ کیا ہوا تھا؟"

"کوئی قصہ نہیں ہوا تھا۔ میری منگیتر مجھے اپنے ساتھ لے گئی تھی' جواد بیگ صاحب سے میری بات چیت ہوتی رہی تھی اور میں اپنی منگیتر کے ساتھ رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کرتا رہا تھا' پھر ہم لوگ سونے کے لئے چلے گئے اور اس کے بعد اچانک ہی مجھے جواد صاحب کے کمرے سے ایک چیخ کی آواز سنائی دی' میں دوڑتا ہوا ان کے کمرے کے پاس پہنچ گیا' دروازہ کھلا ہوا تھا میں کمرے میں داخل ہو گیا.........

کمرے میں تیز روشنی ہو رہی تھی' اور اس روشنی میں' میں جواد صاحب کا بے سر کا پھڑکتا ہوا جسم دیکھ رہا تھا۔ پاس ہی ایک خنجر پڑا ہوا تھا جس پر خون کے نشانات تھے۔ میں نے بے خیالی کے عالم میں یہ خنجر اٹھا لیا اور یہ دیکھنے لگا کہ یہ کس کا خنجر ہے اور اس کا کیسے قتل ہوا۔ بس اتنی دیر میں ملازم آگیا جو دودھ لے کر آیا تھا اور اس نے شور مچا دیا۔"

میرے ان الفاظ پر ڈی ایس پی صاحب ہنس پڑے تھے۔

"وہی ایک عام کہانی جو فلموں میں بھی ہوتی ہے اور عملی دنیا میں بھی۔ بلکہ آدھے لوگ فلمیں دیکھ دیکھ کر ایسی کہانیاں گھڑتے ہیں۔ اوئے تم پولیس کو بے وقوف سمجھتے ہو کیا؟"

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ یہ بات جانتا تھا کہ اس وقت ان لوگوں کے قبضے میں ہوں۔ اگر اور کوئی الٹی سیدھی بات منہ سے نکل گئی تو سارا حساب کتاب بعد میں ہو جائے گا۔

پھر ایک ایس آئی نے اندر آکر کچھ کہا۔ الفاظ میری سمجھ میں نہیں آسکے تھے۔ ڈی ایس پی صاحب اور انچارج صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ انچارج صاحب نے موقع پر موجود سپاہیوں کو حکم دیا۔

"اسے یہیں رہنے دو' بس نگرانی رکھنا۔"

سپاہیوں نے سیلوٹ کیا اور وہ دونوں باہر نکل گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ناظم

علی صاحب' میری والدہ' بھائی اعظم اور بھابی عائشہ' ہانپتے کانپتے کمرے میں داخل ہوگئے۔ انچارج صاحب اور ڈی ایس پی صاحب ان کے ہمراہ تھے۔ ان کا رویہ اب کسی حد تک بدلا ہوا نظر آرہا تھا۔

"یہ تونے کیا کیا سہیل' یہ تونے کیا کیا!؟" عائشہ بیگم دھاڑیں مارتی ہوئی بولیں۔

"سہیل ایسا کیوں کیا تم نے' سہیل ایسا کیوں کیا تم نے؟؟"

"سہیل تم نے ہم سب کو برباد کردیا۔" یہ آواز فرزانہ بیگم کی تھی۔

"آپ لوگ یوں کریں کہ اس فرد جرم پر اپنی گواہی بھی تحریر کردیں اور مجھے پھانسی کے پھندے پر پہنچادیں۔"

"سہیل کیا ہوا' مجھے بتا تو سہی!" اعظم بھائی نے کہا۔

"جناب قبلہ اعظم صاحب' میں نے کوئی قتل نہیں کیا' مجھے تو یہ ایک عجیب کی سازش معلوم ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو پھنسانے والی۔ میں نہیں جانتا یہ سازش کس نے کی ہے۔ آپ لوگ کچھ کرسکتے ہیں تو کیجئے۔ ورنہ کوئی ہرج نہیں ہے' مجھے بھی زندہ رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

"خدا کے واسطے ہمیں بتا تو دے کیا ہوا' یہ نوبت یہاں تک کیسے پہنچی؟" اعظم بھائی بولے۔

"میں اپنا بیان دے چکا ہوں' کوئی ردوبدل پسند کریں تو اس میں کرا دیجئے گا۔" میں نے کہا۔

"انچارج صاحب کیا آپ مجھے اس سے تنہائی میں تھوڑی سی بات کرنے کا موقع دے سکتے ہیں؟"

"اصولی طور پر تو مناسب نہیں ہے جناب' لیکن ڈی ایس پی صاحب موجود ہیں ان کی موجودگی میں میرا کوئی دخل نہیں۔ ان سے بات کرکے اجازت لے لیجئے۔"

"کیا بات کرنا چاہتے ہیں آپ ان سے اعظم صاحب؟"

"ڈی ایس پی صاحب میں اس سے اصل بات پوچھنا چاہتا ہوں ہوسکتا ہے آپ لوگوں کے سامنے یہ کچھ نہ بتا رہا ہو۔"

"پوچھ لیجئے۔ لیکن اصل بات معلوم ہوجائے تو ہمیں بھی ضرور بتا دیجئے گا۔"

"جی بہتر۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ صورت حال کھل کر سامنے آجائے' ہوسکتا ہے کوئی سازش ہو اس کے خلاف۔"

باقی تمام لوگ کمرے سے نکل گئے۔ صرف فرزانہ بھابی اور اعظم بھائی اندر رہ گئے۔ اعظم بھائی نے کہا۔

"سہیل کیا ہوا ہے یہ سب کچھ تمہیں خدا کا واسطہ بتادو کیا تمہارا شادی نہ کرنے کا اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ تم نے جواد بیگ صاحب کو قتل کردیا!؟"

"میں تو کچھ اور سوچ رہا ہوں جناب!" میں نے کہا۔

"کیا؟" اعظم بھائی بولے۔

میرا تو یہ خیال ہے کہ آپ نے اپنے بھائی کی زندگی بچانے کے لئے مجھے سہیل کا روپ دیا ہے۔ یہ کام آپ کو کرنا تھا۔ جواد صاحب کو قتل ہونا تھا اور اب قاتل کی حیثیت سے میں پھنس جاؤں گا اور آپ کا بھائی بچ جائے گا۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟"

کچھ نہیں اگر سمجھ میں آجائے تو ٹھیک ہے' ورنہ..........."

"دیکھو سہیل اگر اب بھی تم انتہا پسندی پر آمادہ ہو تو خدا کے لئے ایسا نہ کرو۔ ہم تمہاری زندگی بچانے کے لئے اپنی آخری پونجی تک ختم کردیں گے۔ خدا کے لئے ہمیں بتا دو سہیل اصل واقعہ کیا ہے۔"

"دیکھئے جناب بہتر یہ ہوگا کہ اب آپ یہاں سے چلے جائیں' ورنہ میں چیخنا چلانا شروع کردوں گا۔ اور اگر آپ نے زیادہ گڑبڑ کی تو میں یہ بیان دے دوں گا کہ جواد بیگ کو قتل کرنے کی سازش آپ لوگوں نے تیار کی تھی اور مجھے آلہ کار بنایا ہے' سارے کے سارے پھنس جائیں گے آپ۔"

اعظم بھائی کا رنگ فق ہوگیا اور انہوں نے ہراساں نگاہوں سے بیوی کی جانب دیکھا۔ فرزانہ بھابی کو بھی ہوش آگیا تھا۔ چنانچہ دونوں خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

پھر نہ جانے کیا کیا کارروائیاں ہوتی رہیں' ڈی ایس پی صاحب دوبارہ میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا۔

"ہاں بھئی'۔ ابتدائی تحقیقات تو تھوڑی بہت ہو چکی ہیں' کچھ باتیں پتہ چل گئی ہیں اور بڑی عجیب بات ہے اب جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو۔"

"ارشاد فرمایئے۔"

"اوئے کوئی ارشاد ورشاد نہیں۔ میں تم سے بات کر رہا ہوں۔" ڈی ایس پی صاحب نے کہا۔

"جی جی میں سن رہا ہوں۔"

"سنا ہے تم اس لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے!"

"جی ہاں بالکل درست سنا ہے آپ نے۔"

"اور اس سے بچنے کے لئے گھر سے بھاگ گئے تھے؟"

"جی بالکل۔" میں نے جواب دیا۔

"کہاں رہے اتنے دن؟"

"چھانگا مانگا میں۔"

"کیا؟"

"ظاہر ہے چھپتا پھر رہا تھا۔"

"ہوں۔ پھر واپس کیوں آئے؟"

"میں خود واپس نہیں آیا' مجھے پکڑ کر بلوالیا گیا تھا۔"

"سنا ہے تمہارے والد صاحب نے جواد بیگ صاحب سے بہت بڑا قرضہ لے رکھا تھا؟"

"جی ہاں وہ ادھار کھانے کے شوقین تھے۔"

"اور اس بات پر بات ختم ہوئی تھی کہ تم جواد بیگ کے داماد بن جاؤ گے!" ڈی ایس پی صاحب بولے۔

"جی ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"مگر تم یہ نہیں چاہتے تھے!"

"جی ہاں جی ہاں میں شریف آدمی ہوں"

"تو اس کے نتیجے میں تم نے اس شادی سے بچنے کے لئے جواد بیگ کو قتل کر دیا!"

"بس یہی گڑبڑ ہے ڈی ایس پی صاحب' قتل میں نے نہیں کیا ہے"

"گھر والوں میں سے کسی پر شبہ ہے!"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"بہرحال ایف آئی آر درج ہو چکی ہے' سارے بیانات تمہارے خلاف ہیں۔ قتل کا اعتراف کرلو تاکہ کارروائی مکمل ہو سکے۔ جو کر چکے ہو اب اس سے گردن بچانا ممکن نہیں ہوگا۔ تمہارے لئے۔ بہتر یہی ہوگا کہ قتل کا اعتراف کرلو تاکہ کیس لمبا نہ چلے۔"

"باقی تمام باتیں اپنی جگہ کیا میں ایک ایسی چیز کا اعتراف کرلوں جو میں نے نہیں کی ہے؟"

"ہوں ہڈیوں میں کھجلی ہو رہی ہے۔ چلو پھر ٹھیک ہے ہمارا یہ تھانہ انچارج بڑا ہونہار بندہ ہے تم ایک تو ایک دس قتل کا اعتراف کرلو گے۔"

"ویری گڈ تب تو معاملہ میرے اور انچارج صاحب کے درمیان چھوڑ دیجئے۔" میں نے کہا اور ڈی ایس پی صاحب مجھے گھورتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد مجھے دوبارہ لاک اپ میں ڈال دیا گیا تھا۔

ذہن منتشر تھا۔ طبیعت میں شدید غصہ تھا۔ بلاوجہ کم بخت مجھے وہاں سے پکڑ کر لائے۔ زبردستی سہیل بنا دیا۔ سب کچھ بتادیا تھا لیکن پھر بھی اس مصیبت میں ڈال دیا مجھے۔ لیکن اب میں نے ذرا سنجیدگی سے یہ بات سوچنا شروع کر دی تھی کہ یہ لوگ آخر مجھے سہیل بنانے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔ حالانکہ قتل کا معاملہ میرے علم میں تھا۔ کسی کو بھی بتاتا تو مذاق اڑانے کے سوا کچھ نہ کرتا۔ چنانچہ اصل بات میں نے کہی ہی نہیں تھی۔

لاک اپ میں پورا دن گزر گیا۔ پھر دوسرا دن بھی۔ نہ جانے کیوں ان لوگوں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ غالباً میرے معاملے میں تفتیش کر رہے تھے یہاں تک کہ تیسرا دن بھی گزر گیا۔ لیکن یہ تیسرا دن خاصی دلچسپیوں کا حامل تھا' مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ بھی پھنس گئے ہیں' اور مصیبت میں گرفتار ہیں۔ کئی بار میں نے اعظم بھائی کو دیکھا تھا ایک بار وہ ایک وکیل صاحب کے ہمراہ میرے پاس بھی آئے تھے اور وکیل صاحب مجھ سے الٹی سیدھی باتیں کرتے رہے تھے۔ پھر میں نے خاموشی اختیار کرلی یہاں تک کہ مجھے جیل میں منتقل کر دیا گیا اور اس کے بعد عدالت میں پیش کیا گیا۔ عجیب عجیب کہانیاں

عدالت میں دوہرائی جارہی تھیں اور مجھ پر وہی فرد جرم عائد کی جارہی تھی۔ یعنی یہ کہ میں کیونکہ فرح سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے میں گھر سے بھاگ گیا تھا پھر پکڑا گیا' کیونکہ معاملہ قرض کا تھا جو ناظم علی صاحب نے جواد بیگ سے لے رکھا تھا۔ اور اس سارے ڈرامے کا ڈراپ سین یہ ہوا کہ سب لوگوں کی مشترکہ سازش نے بالآخر جواد بیگ کو قتل کرادیا۔ حالانکہ مجھے افسوس تھا' اصل بات یہ نہیں تھی۔ لیکن اب میں اگر عدالت میں اصل کہانی سناتا تو اسے صرف فریب سمجھا جاتا۔ کون یقین کرتا اس کہانی پر' چنانچہ خاموشی ہی مناسب تھی۔ البتہ چوتھی یا پانچویں پیشی پر یہ کیس ایک بار پھر بدل گیا جب میرے بارے میں جرح ہورہی تھی۔ اس وقت ناظم علی صاحب' عائشہ بیگم اور فرزانہ بھابی ایک نوجوان کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور میں نے اس نوجوان کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔

یہ سہیل تھا اصل سہیل' کیس کی نوعیت ہی بدل گئی' جو بیان ان لوگوں نے دیا وہ انتہائی قابل نفرت تھا۔ اعظم بھائی نے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوکر کہا۔

"یہ میرا بھائی سہیل ہے' ساری کہانی اس طرح ہے۔ یعنی یہ کہ ہم لوگوں نے قرض لیا ہوا تھا۔ سہیل گھر سے صرف اس لئے بھاگ گیا تھا کہ وہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس کے بعد یہ نوجوان جو نہ جانے کون ہے' سہیل کی حیثیت سے ہمارے گھر پہنچا اور اس نے بتایا کہ یہ سہیل ہے' کیونکہ یہ سہیل کا بالکل ہمشکل ہے اس لئے ہم نے بھی اسے تسلیم کرلیا۔ یہ قتل اس کا سوفیصد ذاتی معاملہ ہے۔ کس بنیاد پر اس نے قتل کیا جواد بیگ صاحب کو شاید جواد بیگ صاحب نے اس کی اصل شخصیت کو شناخت کرلیا تھا' اب سہیل واپس آگیا ہے اس لئے ہم اس کیس سے بری الذمہ قرار پاتے ہیں۔"

وکیل صاحب نے پرزور دلائل دیئے اور جج صاحب نے انہیں تسلیم کرلیا' میری پھر شامت آگئی تھی۔ جج صاحب نے حکم دیا کہ پہلے اس نوجوان سے اس کی اصلیت اگلوائی جائے اور اس کے بعد کیس ازسرنو عدالت میں پیش کیا جائے۔

میں سمجھ گیا تھا کہ ایک بار پھر مجھ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹیں گے اور اب مجھ سے یہ پوچھا جائے گا کہ میں اصل میں کون ہوں۔ معاملہ ایک بار پھر پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔ چونکہ پہلا کیس ہی ڈس مس ہوگیا تھا اور میرے کرم فرما وہی انچارج صاحب

تھے۔

لاک اپ میں انہوں نے مجھے رکھتے ہوئے کہا۔ "بھئی تو تو بڑا فراڈی ہے' او کون ہے بھائی تو؟ تیرا تو ریکارڈ نکلوانا پڑے گا' کہاں کا باشندہ ہے' بہت بڑا جعلساز معلوم ہوتا ہے سمجھ گئے ہم سب کچھ۔ دو گھروں کی دولت پر قبضہ جمانا چاہا تھا تو نے۔ او بھئی پورا گینگ ہے تیرا یا اکیلا کام کرتا ہے؟۔"

"میرا ایک گینگ ہے انچارج صاحب۔" میں نے جواب دیا۔

"اوئے جیو جیو۔ کون کون لوگ شامل ہیں ان میں؟"

"بڑے بڑے نام ہیں انچارج صاحب' آپ نے اگر ان پر ہاتھ ڈال دیا تو آپ بس سمجھ لیجئے کہ آپ کی چاندی ہوجائے گی۔"

"او تونے ہماری چاندی کرائی تو ہم بھی تیری چاندی کرادیں گے' سمجھ رہا ہے نا' او کیا نہیں ہے ہمارے ہاتھ میں۔ کسی کی گردن میں پھندا ڈال دیں گے' پھندا فٹ ہوجائے گا' یہ تو ہمارے اوپر چھوڑ دے' مگر تجھے ساری تفصیل بتانی ہے۔"

"تھوڑا سا وقت دیں گے آپ مجھے؟"

"او پیارے عیش کر۔ یہ لاک اپ تیری کوٹھی ہے' جو کھانے کو مانگے گا ملے گا رات کو بستر بھی دے دیا جائے گا۔ تو سوچ لے غور کرلے۔ کام کے بندے پکڑوا دے بس سمجھ لے تیری جان بچ گئی۔"

انچارج صاحب مجھ پر نثار ہورہے تھے اور میں صورت حال کو سمجھ رہا تھا۔ بہرحال یہ بھی ایک دلچسپ مرحلہ تھا۔ جب تک تھوڑی سی آسائشیں ملتی ہیں حاصل کرلوں اس کے بعد انچارج صاحب کا ڈنڈا ہوگا اور میں ڈنڈے کھانے سے پہلے ذرا کچھ کھا پی لینا چاہتا تھا تاکہ جان بن جائے۔ انچارج صاحب کو خوش رکھنا میرے لئے ضروری تھا۔

تقدیر کا فیصلہ کیا ہوگا اس بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا' میں بھی تن بالقدیر ہو تھا قدرت نے زندگی کی گاڑی یہاں تک پہنچائی تھی تو اب اس سے آگے کی ذمہ داری بھ وہی تھی' حقیقت یہ ہے کہ انسان کو بلاوجہ پریشان نہیں ہونا چاہئے اگر دل میں ایمان ایک ذرہ بھی باقی ہے تو پھر یہ فیصلہ سب سے مناسب کہ جو تقدیر میں لکھا ہوگا وہ ہو جا گا' اب یہ بھی نہیں ہے کہ آپ برائیوں کی دلدل میں پھنستے چلے جائیں اور قدرت س بہتری کی توقع رکھیں۔ جو احکامات زندگی گزارنے کے لئے دیئے گئے ہیں ان کی تکمی کرتے رہیں' بعد میں جیسی بھی صورت حال ہوگی وہی ہوگا۔ میں زندگی کے دن گنتا ر قتل کے مقدمے میں پھنسا ہوا تھا معمولی بات نہیں تھی' سزائے موت بھی ہو سکتی لیکن کچھ بے فکری سی دل میں پیدا ہوتی جارہی تھی' موت اگر مقدر ہے تو وہی سہی کرسکتا ہے انسان۔ کئی بار عدالت میں پیشی ہو چکی تھی وہ لوگ تو اب بری الذمہ ہو تھے' میری مراد سہیل کے اہل خاندان سے ہے' کمبخت ایسے طوطا چشم تھے کہ پلٹ کر بھی نہیں لی تھی' میرا کوئی پرسان حال نہیں تھا' لاک اپ کے اندر انچارج صاحب نے کچھ معلومات حاصل کرنا تھیں وہ کی تھیں لیکن شکر ہے خدا کا کہ مار پیٹ تک نو نہیں آئی تھی' انچارج صاحب نے جب پوچھنے کے لئے ڈرائنگ روم میں بلایا تھا تب میں نے ذہن میں ایک کہانی گھڑلی تھی' میں نے انچارج صاحب سے کہا۔ "اصل میں ایک آوارہ گرد ہوں' سہیل کے بارے میں مجھے معلومات حاصل ہوگئی تھیں تو نے سوچا کہ کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے' پھر جواد بیگ صاحب کے پاس پہنچ مجھے پہچان گئے تو میں نے انہیں قتل کردیا' اعتراف قتل اور اس کی وجوہات چونکہ ا صاحب کے سامنے آگئی تھیں انہوں نے مجھے خوب ٹھوک بجالیا اور اس کے بعد

کردیا گیا' چنانچہ مار پیٹ کی نوبت نہیں آئی اور اب ایک بار پھر جیل کے لاک اپ میں اپنے فیصلے کا منتظر تھا' دل میں عجیب وغریب خیالات آتے رہتے تھے' یہاں تک آخری پیشی کا دن آگیا' رات کو مجھے اطلاع دیدی گئی تھی کہ کل پیشی ہے اور کل ہی ے مقدمے کا فیصلہ ہوجائے گا' دل میں ایک عجیب سی خلش تھی میں نے وہ نہیں کیا جس کی پاداش میں مجھے یقینی موت کی سزا ہونے والی تھی۔ میں انسانی احساسات سے تو نہیں تھا۔ دل میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے' مجھے پھانسی دی جائے گی رسی پھندہ گلے میں پڑے گا' پیروں کے نیچے تختہ ہوگا۔ تختہ ہٹے گا تو میں رسی میں جھول ؤں گا' دم گھٹے گا' نہ جانے جان نکلنے میں کتنی دیر لگے گی' بے اختیار ہاتھ گردن پر پہنچ تے تھے' اس کوٹھری میں تنہا تھا اور نہ جانے کیسے کیسے احساسات کا شکار تھا پھر کچھ غنودگی طاری ہوگئی اور اس کے بعد کچھ آہٹیں سن کر دوبارہ آنکھ کھل گئی' دیکھا تو وہ کمبخت ہ برا میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

"مونگا۔" میں نے اسے آواز دی۔

"ہم ہی ہیں مہاراج۔"

"کمبخت تو پھر یہاں آمرا۔"

"کیوں؟ داس ہیں تمہارے۔"

"لعنت ہے تیری اس غلامی پر۔ مجھے عذاب میں گرفتار کرا رہا ہے اور کہتا ہے میرا داس ہے۔"

"دوش تمہارا ہے مہاراج ہمارا تو نہیں۔"

"کیا مطلب ہے تیرا؟"

"جاپ پورا کرلیتے تو ہم بھی پورے ہوتے' ادھورے کام تو ایسے ہی ہوتے ہیں' تم نے ہمیں ادھورا چھوڑ دیا' ہم بھی تمہارے ساتھ ادھورے ہیں' پورے ہوتے تو تمہاری ہر بات مانتے' ایک آواز پر حاضر ہوجاتے تمہارے سامنے اور تمہارے ہر حکم کی تعمیل کرتے' پھر ہم کیا کریں ہمارا بھی تو ناس کردیا ہے تم نے۔"

"تو بے غیرت' اب میں کیا کرسکتا ہوں' تیری وجہ سے میں موت کی دہلیز پر جارہا ہوں' آخری لمحات ہیں یہ میری زندگی کے۔"

ارے واہ آخری لمحات ہیں' کیسے ہو سکتے ہیں آخری لمحات' ہمارا کیا ہو گا مہاراج تم مرگئے تو ہم تو سارا جیون بے سر کے گزاریں گے' جاپ تو تمہیں پورا کرنا ہی پڑے گا۔ سمجھ رہے ہو نا۔"

لعنت ہے تجھ پر اور تیرے جاپ پر اور لعنت ہے اس رادھن لال پر جس نے اپنی غرض کے لئے میری زندگی آسیب زدہ کردی' میں اس مصیبت میں پھنس گیا۔ کہیں نہ کہیں محنت مزدوری کر کے زندگی گزار لیتا' میں نے کون سی شہنشاہیت مانگی تھی' دو وقت کی روٹی بدن ڈھکنے کے لئے کپڑا اور بس' میری زندگی کا تو آغاز ہی ایسے ہوا ہے۔"

"ہمت کرو مہاراج ہمت کرو۔" اس نے کہا۔

"کاش میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا۔" میں نے کہا اور مونگا ہنس پڑا پھر بولا۔ "ہمارے ٹکڑے ہی نہیں ہوں گے مہاراج' من چاہے تو یہ حسرت بھی پوری کر کے دیکھ لو۔ مگر تم خود سوچو تم سے اگر تمہاری کھوپڑی چھین لی جائے تو تم کیا کرو گے؟"

"چل دفع ہو جا یہاں سے اب کیوں آیا ہے میرے پاس؟"

"پتہ ہے کل کیا ہونے والا ہے"؟

"کل؟"

"ہاں۔"

"مجھے کیا پتہ' میں کل کی خبر نہیں رکھتا۔"

"ہم رکھتے ہیں مہاراج ہمیں پتہ ہے۔"

"کیا ہونے والا ہے کل؟"

"جج صاحب فیصلہ لکھ چکے ہیں۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"تمہارا فیصلہ اور کیسا۔"

"تجھے معلوم ہے؟"

"لو معلوم نہ ہو گا تو کیا ہو گا' ارے ہماری بھی کھوپڑی کا سوال ہے' ہم بھی ایسے نہیں رہنا چاہتے۔"

"کیا فیصلہ کیا ہے انھوں نے؟"

"سزائے موت دے دی گئی ہے تمہیں کل فیصلہ سنا دیا جائے گا۔" میرا دم گھٹنے لگا' وہ بات سامنے آگئی تھی جس کا خدشہ تھا' میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"مروادیا نا تو نے مجھے۔"

"نہیں مہاراج ایسے تو ہم تجھے نہیں مرنے دیں گے۔"

"اب کیسے بچائے گا مجھے؟"

"چلو یہاں سے۔"

"ہاں باقی تو سب اندھے ہیں اور یہ جیل تیرے باپ کی ہے۔" میں نے کہا اور جواب میں مونگا ہنسنے لگا اس کی مکروہ ہنسی مجھے بہت بھیانک لگ رہی تھی اس نے کہا۔

"تم نے نہیں سوچا مہاراج کہ ہم یہاں کیسے آگئے۔"

"تیری بات اور ہے تو تو ہے ہی بدروح۔"

"یہ بدروح تمہارے شریر میں داخل ہو جائے گی تو تم بھی بدروح بن جاؤ گے۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"بتاتے ہیں ابھی۔ اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔" نہ جانے کیوں میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا پھر میں نے وہی کیفیت محسوس کی کمبخت مونگا پھر میرے بدن میں داخل ہو رہا تھا پہلے میرا بدن بھاری ہوا اور اس کے بعد ہلکا ہو گیا' سلاخوں دار دروازے میں تالا پڑا ہوا تھا میں آگے بڑھا ان تمام کوششوں میں معمول کے مطابق میری قوت ارادی کا دخل نہیں تھا' بس اب میرے اندر مونگا تھا جو مجھے کنٹرول کر رہا تھا' چھوٹی سی سلاخیں جن کی چوڑائی چار انچ سے زیادہ نہیں ہو گی کسی کا ہاتھ بھی نہیں گزر سکتا تھا ان میں سے لیکن نہ جانے کیسے میں ان سلاخوں سے داخل ہوا' دروازے پر موٹا سا تالا لٹکا ہوا تھا' سامنے ہی سنتری موجود تھا لیکن وہ میری جانب متوجہ نہیں ہوا تھا' دروازے سے باہر آکر میں نے حیرت سے بند تالے کو دیکھا پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا' سنتری کے قدموں کی دھمک مجھے اپنی کنپٹیوں میں محسوس ہو رہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے اب ایک لمحہ گزرے گا اور مجھ پر گولیوں کی بارش شروع ہو جائے گی' ایک قیدی کے فرار کا یہی نتیجہ ہوتا ہے لیکن کچھ نہیں ہوا میں اس راہداری کی سیڑھیاں طے کر کے نیچے آگیا اور پھر اطمینان سے چلتا ہوا جیل کے صدر دروازے کی جانب بڑھنے لگا' میری حیرتیں عروج پر تھیں' سارے کے سارے اندھے

ہوگئے تھے مجھے نہیں دیکھ پا رہے تھے یہاں تک کہ میں جیل کے صدر دروازے سے باہر نکل آیا اب اس کے بعد کھلی دنیا میرے سامنے تھی' مونگا نے کہا۔

"چلتے رہو مہاراج۔ چلتے رہو' اب یہ نہ سوچنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے' اور کیا کر رہے ہو" یہ آواز میرے دماغ میں گونجی تھی' گویا کوئی میرے اندر سے بول رہا تھا میں آگے بڑھتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے آپ کو ریلوے اسٹیشن پر پایا' ٹرین سامنے ہی کھڑی ہوئی تھی' میں بڑے پر اطمینان قدموں سے چلتا ہوا فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ کے گیٹ سے اندر داخل ہوگیا اور پھر ایک سیٹ پر بیٹھ گیا' مونگا اب بھی میرے اندر ہی تھا ٹرین یہاں زیادہ دیر کے لئے نہیں رکی تھی' کچھ لمحات کے بعد انجن نے وسل دی اور پھر چھک چھک کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی' مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے تھے یہ سب کچھ میرے لئے ناقابل یقین بھی تھا اور فرحت بخش بھی' زندگی بچ جانے کا تصور کس قدر دلچسپ ہوتا ہے' خدانخواستہ اگر کسی کو اس سے گزرنا پڑے تو پتہ چلے میرے اندر کی خواہشیں بھی بیدار تھیں اور میں مطمئن تھا' پھر مونگا میرے اندر سے نکل گیا اور میری اپنی کیفیتیں بحال ہوگئیں لیکن وہ ایک پرچھائیں میں نے اپنے قریب ہی دیکھی تھی' جو مونگا کی شخصیت تھی شکر ہے وہ میرے پاس ہی بیٹھا تھا۔

"مونگا!"

"ہاں مہاراج!"

"تو مجھے نکال تو لایا ہے لیکن میری حیثیت کیا ہوگی؟"

"کیسی حیثیت؟"

"ایک قاتل فرار ہوگیا ہے جیل سے کیا ملک بھر کی پولیس مجھے تلاش کرے گی؟"

"ارے کرتی رہے' بھاڑ میں جائے' ہمیں اس کی کیا پرواہ اور تم بھی اس کی چنتا نہ کرو۔ دیکھو جو ہم تم سے کہہ رہے ہیں اسے غور سے سنو۔"

"سنا بھائی سنا۔"

"جس طرح بھی بن پڑے کسی سادھو سنت سے واسطہ قائم کرو اس سے وہ جاپ پوچھو یا پھر خود ہی اپنے دماغ پر زور دو جاپ یاد آجائے تو اسے پورا کرلو' دیکھو ہم تم سے بھاگ نہیں رہے مہاراج تم جو کوئی بھی ہو' ہندو یا مسلمان ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں

ہے ہماری کھوپڑی ہمیں مل جائے گی ہم سکون سے رہیں گے تمہارے داس ہوں گے اور تمہارے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔"

"مگر جاپ ہی تو مجھے یاد نہیں آتا۔"

"وہ تو کوئی بھی تمہیں نہیں بتا سکتا سوائے کسی ایسے کالے علم کے ماہر سادھو سنت کے جو اس طرح کے جاپ جانتا ہو اگر تم ایسے کسی سادھو سنت سے مل لو تو سمجھ لو بیڑا پار ہوجائے گا۔"

"تو ہی مجھے کسی ایسے سادھو سنت سے ملادے تاکہ میری جان تو چھوٹے۔"

"ہم تلاش میں ہیں۔"

"مگر اس دوران کیا ہوگا؟"

"عیش کرو گے اور کیا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"کیا نہیں کرسکتے ہم تمہارے لئے' راجہ بنادیں گے تمہیں راجہ۔"

"ابھی تو تم نے مجھے بھنگی بنایا ہوا ہے دربدر مارا مارا پھر رہا ہوں۔"

"دیکھیں گے دیکھیں گے' کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا' ارے تمہیں کیا معلوم مہاراج ہم بدروحوں کے بھی بہت مسائل ہوتے ہیں تم انہیں سمجھ نہیں پاؤ گے مگر ہمیں تو ان سے گزرنا ہوتا ہے۔"

"سوا اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ خدا کی لعنت ہو تجھ پر۔" خدا کا نام لیتے ہی مونگا میرے پاس سے غائب ہوگیا تھا میں نے اس پرچھائیں کو فضاؤں میں گم ہوتے ہوئے دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر چاروں طرف دیکھنے لگا' کمپارٹمنٹ میں چند خاندان بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کے سب اپنے کاموں میں مشغول' کسی نے میری جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی' مجھے دفعتاً اپنے لباس کا احساس ہوا لیکن میری نگاہیں اس وقت حیرت سے پھیل گئیں جب میرے بدن پر قیدیوں کے لباس کے بجائے ایک عام سادہ سا لباس نظر آیا۔ مجھے پتہ بھی نہیں چل سکا تھا کہ یہ لباس کب میرے بدن پر پہنچ گیا' لیکن اس سے کم از کم مجھے یہ احساس ضرور ہوا کہ مونگا بیوقوف نہیں ہے' جیل سے باہر نکالا ہے اس نے مجھے لیکن لباس بھی تبدیل کردیا میرا ورنہ فوراً ہی پھنس سکتا تھا۔ مجھے اس کے الفاظ یاد آگئے

اس کا کہنا تھا کہ وہ مجھے موت کی آغوش میں نہیں جانے دے گا کیونکہ خود اس کے سر کا سوال ہے' یاخدا میں یہ سر کہاں سے مہیا کروں اسے یا کیا اس منحوس جاپ کے بغیر ایسی کوئی ترکیب نہیں ہوسکتی کہ اس بدنصیب کا سر اسے واپس مل جائے ورنہ وہ نہ جانے کیا کیا کرتا پھرے گا' اس کے علاوہ کچھ اور احساسات بھی دل میں آئے' میں فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں بغیر ٹکٹ بیٹھا ہوا ہوں اور میری جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں ہے' جو تھوڑی بہت رقم تھی میرے پاس وہ ختم ہوچکی تھی' اب میں بالکل قلاش تھا' میں نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور دفعتاً ہی مجھے اپنی کسی جیب میں کاغذ کی کھڑکھڑاہٹ محسوس ہوئی نکال کر دیکھا تو ریزرویشن تھی جو میرے ہی نام کی تھی' میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہ گیا' کم از کم ایک لمحہ تو سکون کا مل گیا تھا' بے عزت کرکے کم از کم ریل کے ڈبے سے نہیں اتارا جاؤں گا' ٹکٹ چیکر نے ٹکٹ چیک کئے میری ٹکٹ سے بھی وہ مطمئن ہوگیا تھا کئی بار ڈائننگ کار کے بیرے میرے سامنے سے گزرے' بھوک لگ رہی تھی لیکن جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں تھا نہ جانے مونگا نے یہ شعبہ کیوں خالی چھوڑ دیا تھا' بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی' سفر جاری رہا اور میں بھوک سے بلکتا رہا پھر نہ جانے کتنا وقت گزرنے کے بعد ٹرین کا آخری اسٹاپ آگیا اور میں نے اس عظیم الشان اسٹیشن کو دیکھا' نیچے اتر کر آگے بڑھ گیا' بدن پر نقاہت طاری تھی' سامنے ایک عظیم الشان شہر پھیلا ہوا تھا اور میں بے بسی اور بے کسی کی نگاہوں سے ایک ایک انسان کی صورت دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا' کئی بار مونگا کو آواز دی تھی' لیکن اس بدبخت کا وجود نہیں ملا تھا مجھے۔ آہ خدا مجھے اس آسیب سے نجات دے' کیا کروں کیا نہ کروں کوئی ایک بات جو سمجھ میں آتی ہو بازار بھرے پڑے تھے زندگی پر رونق تھی۔ نہ جانے کون سا شہر تھا' مجھے تو ابھی اس کا نام بھی معلوم نہیں ہوسکا تھا۔ پھر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک بھرا پرا بازار تھا۔ میں ذرا بازار سے ہٹ کر بیٹھا تھا' اچانک ہی بازار میں کچھ شور مچا اور میری گردن اس طرف اٹھ گئی۔ کچھ لوگ سامنے کی سمت دوڑ لگا رہے تھے اور چیختے بھی جارہے تھے۔ پھر عقب سے کوئی میرے پاس آکر بیٹھ گیا اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم یہاں بیٹھے ہوئے ہو اور میں تمہیں ہر جگہ تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔

"پیارے بھائی مجھ سے اس طرح باتیں کرو' جیسے ہم بہت دیر کے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں سخت مصیبت کا شکار ہوجاؤں گا۔"

"کون ہو تم اور کیا بات ہے؟"

"او جاسوس اعظم بعد میں پوچھ لینا میں کون ہوں اور کیا بات ہے۔ اس وقت تو میری مدد کرو' دیکھو یہ لوگ جو نظر آرہے ہیں۔ تم یوں کرو کہ میری جانب رخ کرکے بیٹھ جاؤ' تمہیں اللہ کا واسطہ' ورنہ یہ لوگ میری ہڈی پسلی ایک کردیں گے۔"

میرے ذہن میں کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن بہرحال میں اس سے باتیں کرنے لگا' اور وہ بھی مجھ سے اس طرح ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگا' جیسے ہم دو شناسا بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہوں۔

لوگ ہمارے قریب آئے اور ہمیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے' وہ اب بھی بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ اس شخص نے کنکھیوں سے ان لوگوں کو دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"تمہارا یہ احسان میں زندگی بھر مانوں گا۔ کون ہو تم۔ اور یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟"

"نادر ہے میرا نام۔"

"اور میرا نام حکمت ہے۔"

"مگر یہ قصہ کیا تھا؟"

یار بس کیا بتاؤں' انسان کو زندگی گزارنے کے لئے نہ جانے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ایک بھائی کی جیب صاف کردی تھی۔ پتہ نہیں کیا ہے پرس میں' لیکن شور ایسا مچا دیا تھا' جیسے دنیا بھر کی دولت جیب میں رکھی ہوئی ہو۔" حکمت نے کہا اور اپنی جیب سے ایک پرس نکال لیا۔ پرس میں کافی نوٹ موجود تھے۔ اس نے پرس وہیں بنچ کے نیچے ڈالا اور بولا۔

"آؤ چل رہے ہو! کم از کم اس خوشی میں تمہاری ایک دعوت ہوجائے۔" دعوت کا نام سنتے ہی میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ روٹی کا بندوبست ہورہا تھا' چنانچہ مزید کچھ پوچھے

بغیر میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ پھر ایک درمیانہ درجے کے ہوٹل میں داخل ہونے کے
بعد ہم دونوں میز کے گرد بیٹھ گئے اور حکمت نے کئی کھانوں کا آرڈر دے دیا۔ ویٹر گردن
خم کر کے چلا گیا تھا۔
حکمت نے فخریہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔
"اب کیا کیا جائے بتاؤ یہ شاندار زندگی گزارنے کے لئے جیبوں کی صفائی تو کرنی
ہی پڑتی ہے۔"
"تو تم جیب کترے ہو!"
"ادے نہیں بھائی جیب کترا مت کہو۔ فنکار کہو فنکار۔ آج کل ہر شخص فنکار ہے
اور سنو بھائی کوئی فن معمولی نہیں ہوتا۔ صفائی سے کسی کی جیب میں انگلیاں ڈال کر پرس
کھسکانا بہت بڑا فن ہے۔ اسے دیکھو نا ہر شخص تو فنکاری کر رہا ہے اپنا اپنا فن ہے۔"
"ٹھیک ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"
"مگر تم کون ہو پیارے بھائی۔ چہرے سے لگتا ہے جیسے اس دنیا میں اکیلے ہو۔"
"کیا یہ بات میرے چہرے پر تحریر ہے؟"
"آئیڈیا بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔" اس نے کہا اور ہنسنے لگا۔ میں اس کی ہر طرح
دلجوئی کر رہا تھا کیونکہ ابھی چند لمحات کے بعد کھانا آنے والا تھا' پھر ہماری میز پر پلیٹیں سج
گئیں اور اس کے بعد میں نے یہ سوچے سمجھے بغیر کہ مجھے کوئی کھلا رہا ہے' کھانے کی صفائی
شروع کر دی اور خوب شکم سیر ہو گیا۔ حکمت مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
پھر اس نے کہا۔
"اکیلے ہو؟"
"ہاں۔"
"کوئی گھر ہے؟"
"نہیں۔"
"پکی بات ہے؟"
"کیا مطلب؟"
"جھوٹ تو نہیں بول رہے؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"
"تو پھر ایک بات کہوں۔ دل چاہے تو مان لینا۔" وہ بولا۔
"ہاں ضرور۔"
"میرے ساتھ رہو گے؟"
میں نے ایک لمحے کے لئے اسے دیکھا۔ کم از کم ایک ساتھی مل رہا تھا۔ ایک
سہارا مل رہا تھا۔ کیا ہرج ہے۔ چنانچہ میں نے کہا۔
"اگر تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو تو۔"
"ارے کاہے کی تکلیف' سب ٹھیک ہے۔ چلتا ہے۔" حکمت نے جواب دیا اور
ں گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ حکمت نے چائے طلب کرلی تھی۔
حکمت کی یہ کھولی مجھے بہت پسند آئی تھی۔ سب غریب لوگ رہتے تھے' مصائب
ی بستی' گندی' زندگی کی سہولتوں سے محروم لیکن انسانی محبتوں سے مالا مال۔ ہر شخص
یک دوسرے کی خیریت پوچھتا۔ ہر شخص ایک دوسرے کے دکھ درد کا شریک' اسے دیکھ
ر مجھے اپنی بستی یاد آئی تھی۔ انداز وہی تھا۔ اچھے برے لوگ یہاں بھی ہوں گے۔ بھلا
ن سے کہاں چھٹکارہ حاصل ہوتا ہے۔ موٹے تازے بدن کی ایک خاتون رات کو ایک
لی پر سرپوش ڈھکے اندر آئی تھیں۔ حکمت نے ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔
"خالہ رقیہ! کسی زمانے میں جب انسان پر من و سلویٰ اترتا تھا تو آپ ہی جیسی
ئی خاتون آسمان سے اتر کر آتی ہوں گی اور لوگ آپ کا انتظار کرتے ہوں گے جیسے
ہ۔"
"باپ رے باپ تیری باتیں اتنی بڑی بڑی ہوتی ہیں کہ میرے تو سر سے گذر
تی ہیں۔"
"میرا مطلب ہے آپ جب بھی آتی ہیں کچھ نہ کچھ لے کر آتی ہیں۔"
"اور تو جو میرے لئے سب کچھ کرتا ہے کیا میں اسے بھلا دوں گی۔"
"لو خالہ رقیہ! کیا کیا ہے میں نے تمہارے لئے اب تک؟"
"بس بس نہ کہانی سنا نہ کہانی سن۔ بیمار پڑی تو مجھے دیکھنے والا کون تھا تیرے سوا۔
انے کتنے پیسے میری دوا دارو میں تو نے خرچ کئے ایک پائی نہ لی مجھ سے پھل لا کر دیتا

تھا الگ' کپڑے لا کر دیتا تھا الگ۔ دیکھ ایسی باتیں مت کیا کر مجھ سے میں تجھے جو کچھ سمجھتی ہوں میرا دل جانتا ہے۔"

خالہ رقیہ کی باتیں۔ دیکھ تو سہی نہ جانے کہاں کہاں کی کہانیاں سناتی رہتی ہے۔" حکمت نے کہا۔ تب خالہ رقیہ میری طرف رخ کرکے بولیں۔

"ارے یہ بچہ کون ہے' کونے میں چھپا بیٹھا ہوا ہے' میں نے تو اسے دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"میرا بھائی نادر ہے سچ مچ ہی نادر ہے۔"

"اچھا اچھا۔ گاؤں سے آیا ہے؟" خالہ رقیہ نے سوال کیا۔

"ہاں خالہ رقیہ۔"

"لو بیٹا کھیر کھاؤ' نیاز دلوائی تھی بڑے پیر کی۔ اب تمہارے بغیر بھلا میں کیسے کھیر کھاتی اچھا چلتی ہوں حکمت' جو چاہئے مانگ لینا۔"

خالہ رقیہ چلی گئیں اور حکمت نے گردن ٹیڑھی کرکے ہنستے ہوئے کہا۔ آؤ کھیر کھائیں۔ اس بستی کے لوگ بہت اچھے ہیں۔ ویسے انسان کو ایک دوسرے کے کام آنا چاہئے۔ کوئی شوق ہے؟"

"کیا شوق؟" میں نے پوچھا۔

یار کوئی گانا وانا سننے کا' فلیش ویلش کھیلنے کا!"

میں مسکرا دیا۔ میں نے کہا۔ "نہیں حکمت۔"

"اس کا مطلب ہے ملاجی ہو۔"

"نہیں حکمت میری ایسی تقدیر کہاں۔" میں نے حسرت بھری آہ میں کہا۔

تو پھر آؤ آج تمہیں کھیل دکھائیں گے۔" حکمت نے کہا۔

بہرحال اس وقت ایک سہارا حاصل ہوا تھا اور مجھے اس سے پورا پورا تعاون کرنا تھا۔

رات کو تقریباً ساڑھے آٹھ بجے وہ اپنی کھولی سے نکل آیا اور کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک کچے سے مکان کے دروازے کے سامنے رک گیا۔ ایک خاص انداز میں دستک دی تو دروازہ کھل گیا۔ حکمت مجھے اپنے ساتھ لے کر اندر چل پڑا۔

یہ ایک باقاعدہ جوا خانہ تھا لوگ جگہ جگہ بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ حکمت بھی ایک جگہ بیٹھ گیا۔ میں صرف دیکھنے والوں میں سے تھا کیونکہ مجھے تاش کا کھیل نہیں آتا تھا۔ حکمت البتہ پوری پوری دلچسپی سے کھیل رہا تھا۔ اور پھر اس کا چہرہ اترتا چلا گیا۔ اس کے سامنے رکھی ایک ایک روپے کے نوٹوں کی گڈی آہستہ آہستہ دوسری جانب منتقل ہو گئی۔ یہاں باقاعدہ انتظام تھا۔ ایک ایک روپے کے سو نوٹوں کی گڈی مل جاتی تھی' اور اس کے بعد اس سے کھیلا جاتا تھا۔ حکمت ہار رہا تھا۔ میں نے کئی بار اسے روکا۔ تب تیسری بار اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں نادر کھیل میں ٹوکنے سے پورا کھیل خراب ہوجاتا ہے' تم بس خاموش بیٹھے دیکھتے رہو۔"

میں نے فوراً ہی ایک دم محسوس کیا کہ حکمت کو میری یہ مداخلت ناگوار گزر رہی ہے لیکن نتیجہ غلط ہی نکلا تھا۔ حکمت کے پاس جو کچھ تھا وہ ہار گیا۔ پھر وہ جیبیں جھاڑ کر کھڑا ہو گیا' اس کے چہرے پر افسردگی طاری تھی۔ پھر وہ میرے ساتھ باہر نکل آیا' میں خاموش تھا اس نے میری خاموشی کو محسوس کرکے کہا۔

"نہیں نادر' یہ تو زندگی کے معمولات ہیں' دو آدمیوں میں سے ایک کو جیتنا ہوتا ہے ایک کو ہارنا ہوتا ہے' میں یہاں سے اچھی خاصی رقمیں جیت کر نکل چکا ہوں۔"

"ظاہر ہے مجھے تمہارے معاملات میں مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن حکمت یہ تو اچھا نہیں ہے۔"

"کیا اچھا ہے کیا برا نادر' ہر انسان کو پتہ ہے لیکن وقت اسے مجبور کردیتا ہے کہ پھر وہ سوچنا چھوڑ دے۔ میرا ایک گھر ہے' میٹرک تک تعلیم حاصل کی ہے میں نے۔ ماں باپ کا خیال تھا کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں کسی دفتر میں ملازم ہوجاؤں گا' خوب کماؤں گا اور وہ عیش کریں گے۔ میٹرک سے زیادہ تعلیم دلوانے کی ہمت بھی نہیں تھی ان کے اندر۔ مجھے انہوں نے یہاں احمد پور بھیج دیا اور احمد پور میں میں نے ہر وہ ممکن کوشش کر ڈالی نوکری حاصل کرنے کی جو کرسکتا تھا۔ لیکن تقدیر نے ساتھ نہیں دیا' اوپر سے فاقہ کشی نے نڈھال کرر کھا تھا کہ ایک استاد مل گئے اور انہوں نے انگلیاں چلانے کا فن سکھادیا۔ کی لمبی زندگی۔ ہے کیا کروں مجبوری ہے' بوڑھے ماں باپ' تین بہنیں۔ دو کی شادی کرچکا

ہوں تیسری بھی تقریباً جوان ہے۔ ماں باپ سے یہی کہا ہے کہ شہر میں نوکری کر رہا
کبھی کبھی چلا بھی جاتا ہوں ان کے پاس لیکن جو نوکری کر رہا ہوں وہ تمہارے عل
ہے۔ البتہ بہنوں کی شادی اس کمائی سے کی ہے۔ دل دکھتا ہے مگر کیا کروں۔ پتہ
تمہاری زندگی کے حالات کیا ہیں۔ نادر یہاں ہر شخص کے سینے میں ایک دکھ چھپا ہوا
ایک غم چھپا ہوا ہے کبھی کبھی لوگ جو نظر آتے ہیں وہ نہیں ہوتے' ہر شخص یہاں دو
زندگی گذار رہا ہے' میں جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ غلط ہے لیکن رات کو یہاں ہارنے
بعد' صبح کو میں جو کچھ کروں گا وہ بھی غلط ہوگا۔ جب برائیاں تقدیر ہی میں لکھی گئی ہ
تم خود ہی بتاؤ میں اچھائیاں کہاں تلاش کروں۔"

میں خاموش ہوگیا۔ حکمت کی زندگی بڑی عجیب تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ
کے ساتھ رہ کر میں کیا کروں گا۔ اب اس کے اوپر پڑے رہنا تو میرے لئے ممکن ن
ہوگا۔ دوسرے دن صبح حکمت میرے ساتھ تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ ایک جھونپڑا ہوٹل
اس کا حساب چلتا تھا۔ وہاں بیٹھ کر ہم دونوں نے ناشتہ کیا۔ پھر حکمت نے کہا۔

"آج ریس ہے ہم ریس کورس چلیں گے۔ لیکن اس سے پہلے اپنا دھندہ
ہو جانا چاہئے۔ سنو نادر تم مجھ سے کوئی سو گز دور رہنا۔ میرے پیچھے پیچھے چلتے رہنا اگر
ہو جائے تو خبردار میرے نزدیک آنے کی کوشش مت کرنا' کوئی بھی حادثہ کوئی بھی واقعہ
سکتا ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگوں نے اپنے حساب کتاب بنا رکھے ہ
اگر کوئی چکر چل جاتا ہے تو ہم دو تین گھنٹے سے زیادہ اندر نہیں رہتے۔ باہر آجاتے ہ
کیونکہ ہمارے بھی کرم فرما ہیں۔"

میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے حکمت کو کام کر
ہوئے دیکھا۔ دو ہاتھ مارے تھے اس نے لیکن یہ بھی شکر تھا کہ یہ ہاتھ اس نے ا
لوگوں پر مارے تھے' جنہیں تھوڑی بہت رقم کے گم ہونے کا افسوس نہیں ہوگا۔ شاندا
گاڑیوں سے اترنے والے لوگ۔ ایک بیگم صاحبہ تھیں ان میں۔ جنہیں ایک اسٹور م
داخل ہوتے ہوئے حکمت نے ہاتھ کی صفائی دکھا ڈالی تھی۔ ایک اور کوئی سیٹھ صاح
ٹائپ کی چیز تھے' کچھ دیر کے بعد حکمت خود میرے پاس آگیا۔

"تقدیر بہت اچھی جا رہی ہے آج پیارے لیکن بس اپنا ایک اصول ہے کہ اتنا ک

جتنی ضرورت ہو ورنہ پھر چھٹی کرو' ویسے بھی دو بجے ریس شروع ہو جاتی ہے کہیں
سی جگہ بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور اس کے بعد ریس کورس چلیں گے۔" میں نے
جواب نہیں دیا پھر حکمت مجھے ایک ٹیکسی میں بٹھا کر گھماتا رہا اور اس کے بعد ایک
ستوران کے سامنے ٹیکسی رکوا کر وہ نیچے اتر گیا عیش کا کھانا تھا انسان اگر بھٹکنا چاہے تو
لمحے میں بھٹک سکتا ہے' میں یہ سوچ رہا تھا کہ حکمت کا کام برا تو نہیں ہے لوگ
وں پر مارے مارے پھرتے ہیں' بوجھ اٹھاتے ہیں مزدوری کرتے ہیں اور شام کو بس
ں اتنا ملتا ہے کہ گھر کا چولہا جل جائے' لیکن حکمت کے لئے دولت کوئی مسئلہ نہیں ہے
اس نے اپنے کچھ اصول نہ بنائے ہوں اور محنت سے کام کرلے تو بڑا آدمی بن سکتا
لیکن پھر فوراً ہی میں نے اپنے خیال کی نفی کی اور سوچا کہ جن لوگوں کی جیبوں سے
نکلتا ہے وہ بہرحال دعائیں تو نہ دیتے ہوں گے حکمت کو۔ کبھی کوئی غریب اس طرح
پھنس سکتا ہے کہ اس کی آخری پونجی چلی جائے' لیکن میں کسی کو بدلنے کی ہمت نہیں
رکھتا تھا' کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حکمت نے ٹیکسی کی اور ہم ریس
کورس چل پڑے' یہ دنیا میرے لئے اجنبی تھی' دولت کا مذاق اڑانے والے' دولت کا
مذاق اڑا رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے کیبنوں میں ڈبے رکھے ہوئے تھے اور گھوڑوں پر
داؤ لگانے والے اپنا اپنا نمبر بتا کر کارڈ حاصل کر رہے تھے' نوٹ ڈبوں میں ڈالے جا رہے
تھے اور جب یہ ڈبہ اوپر تک بھر جاتا تو بکنگ کرنے والا پاؤں سے نوٹوں کو نیچے سرکا دیتا اور
نئے نوٹوں کے لئے جگہ بنا لیتا' میں دلچسپی سے یہ تمام مناظر دیکھتا رہا' حکمت ریس کا کھلاڑی
تھا۔ اس نے مجھے ایک جگہ بٹھایا اور بولا۔

"میں ذرا کام کر کے آتا ہوں۔" میں خاموشی سے دوسرے لوگوں کو دیکھتا رہا سب
اپنی اپنی دھن میں مست تھے' دفعتاً مجھے اپنے برابر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور میرا
دل ایک دم دھک سے ہوگیا' یہ کمبخت یہاں کہاں سے آمرا' میں نے دل میں سوچا' پھر
مجھے پوری طرح اندازہ ہوگیا کہ وہ مونگا ہی ہے۔

"یہاں کیا کر رہے ہو مہاراج' گھوڑوں کی دوڑ دیکھ رہے ہو؟"

"کیا کروں؟"

"بڑے مایوس نظر آتے ہو۔"

"تجھے خود معلوم ہے کیا زندگی ہے میری۔"

مہاراج دوسروں کے بارے میں سوچو تو کوئی تمہارے بارے میں بھی سوچے۔"

"کیا مطلب!"

"مونگا ہے تمہارے پاس' مونگا کے بارے میں بھی تو کچھ سوچو۔"

"تیرے بارے میں تو میں صرف ایک ہی بات سوچ سکتا ہوں۔" میں نے جلی کٹی آواز میں کہا۔

"وہ کیا؟"

"یہ کہ خوب تیز آگ روشن کروں اور تجھے اس میں ڈال دوں۔" میں نے جواب دیا اور مونگا ہنسنے لگا اور بولا۔

"یہی تو ہم کہہ رہے تھے چلے تھے بیر قبضے میں کرنے کے لئے' بیر کا بیڑہ غرق کردیا۔"

مونگا تو جانتا ہے اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے' جو ہونا تھا وہ جیسے ہوا تجھے علم ہے اس بات کا۔"

"ارے تو ہم کیا کریں؟"

"میں بھی تو کچھ نہیں کرسکتا۔"

"کیوں نہیں کرسکتے؟"

"بتا میں کیا کروں۔"

"وچن دو اگر ہم نے کسی کام کے آدمی کو تلاش کرلیا اور تمہیں اس کے پاس لے گئے تو تم اس کی سیوا کرکے اس سے وہ جاپ حاصل کرلو گے۔"

"تو ذمے داری قبول کرتا ہے؟"

"انسان مل گیا اگر ہمیں کوئی تو ہم پوری ذمے داری قبول کریں گے مگر بات انسانوں کی ہے نا تم نے اس سے بنالی تو بات بنے گی۔"

"تو پھر بتا میں کیا کروں؟"

"وچن دے دو ہمیں' تلاش ہم کریں گے' مل گیا تو تمہیں بتائیں گے اور تمہیں اس تک پہنچا دیں گے۔"

"چل ٹھیک ہے' میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر وہ جاپ مجھے کسی بھی طرح دوبارہ معلوم ہوگیا تو میں اسے مکمل کرکے تیری گردن مکمل کردوں گا۔"

"ہوں۔ چلو پھر ٹھیک ہے' اس سے تک کے لئے ہم تمہارا جیون بنائے دیتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"ابھی وہ تمہارا دوست تھوڑے سے پیسے جیت کر آئے گا اس کے بعد ہم تم سے جو کچھ کہیں وہ کر دینا اتنی دولت دلا دیں گے تمہیں کہ تمہارا جیون سکھی ہوجائے گا۔"

تھوڑی دیر کے بعد دوڑ شروع ہوگئی۔ مونگا میرے پاس ہی تھا' میں نے لوگوں میں ہنگامہ دیکھا پہلے تو میں یہ سمجھا کہ کوئی گڑبڑ ہوگئی' بعد میں پتہ چلا کہ گھوڑے دوڑ پڑے ہیں اور جن جن لوگوں نے جن گھوڑوں پر کچھ لگایا ہے' وہ اپنے اپنے گھوڑے کا نام لے کر چیخ رہے ہیں' ایک عجیب تماشہ دیکھ رہا تھا میں اور تھوڑی دیر کے لئے مونگا میرے دماغ سے نکل گیا تھا' پھر دوڑ ختم ہوگئی' تھوڑی دیر کے بعد مجھے حکمت گردن لٹکائے ہوئے آتا دکھائی دیا وہ میرے قریب پہنچ گیا' میں نے مونگا پر نظر دوڑائی تو وہ دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا' حکمت کا چہرہ لٹکا ہوا تھا' اس نے پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"دھت تیرے کی۔ تقدیر جوئے میں تو اپنا ساتھ ہی نہیں دیتی' ایک آدھ بار جیتا ہوں بس' باقی ساری زندگی ہارتا ہی رہا ہوں۔"

"کتنے پیسے ہار گئے؟"

"یار ایک ٹپ ملی تھی' خاصی بڑی رقم لگادی۔"

"اب کتنی رقم ہے تمہارے پاس؟"

"کیوں؟" وہ چونک کر بولا۔

"مجھے دو گے؟" وہ ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"آدھی نکل گئی' آدھی بچی ہے تم لے لو بھائی جانا تو اسے ہے ہی۔"

"تو پھر لاؤ۔" میں نے کہا اور اس نے وہ رقم نکال کر مجھے دے دی۔ اچھے خاصے پیسے تھے نہ جانے کیوں میں نے بھی دل میں ٹھان لی کہ مونگا کی بات ٹرائی کروں گا۔ پھر دوسری ریس کے لئے گھوڑے سامنے لائے گئے' بڑے بڑے شاندار گھوڑے تھے لیکن

ان میں ایک ٹٹو بھی تھا اسے ٹٹو ہی کہا جاسکتا تھا‘ عام گھوڑوں کی نسبت اس گھوڑے کی اس ریس میں شمولیت بڑی عجیب لگ رہی تھی لیکن بہرحال اسے ریس میں ڈالا گیا تھا‘ میں حکمت کے ساتھ گھوڑوں کا جائزہ لیتا رہا پھر میں نے کہا۔

”حکمت اگر میں تم سے کہوں کہ یہ رقم کسی گھوڑے پر لگا دو تو تم مان لو گے؟“

”مان لوں گا۔“ اس نے کہا۔

”بس تو پھر ٹھیک ہے میں ابھی تمہیں بتاؤں گا۔“ میرے منہ سے ابھی یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ مجھے مونگا کی پرچھائیں نظر آئی‘ اس نے ہاتھ سے مجھے اشارہ کیا اور میں اس پرچھائیں کو دیکھنے لگا‘ پرچھائیں آہستہ آہستہ اس ٹٹو کی جانب بڑھ رہی تھی اور کچھ لمحوں میں‘ میں نے گھوڑے کو اپنی جگہ سے اچھلتے ہوئے دیکھا‘ وہ خاصی اچھل کود مچا رہا تھا۔ مونگا اس کے قریب ہی تھا پھر آہستہ آہستہ مونگا کو میں نے گھوڑے کے بدن میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا‘ بالکل اسی طرح جیسے وہ مجھ میں ضم ہوجایا کرتا تھا‘ گھوڑا پرسکون ہوتا چلا گیا‘ میں سمجھ گیا کہ مونگا کیا کہنا چاہتا ہے‘ میں نے حکمت سے کہا۔

”حکمت یہ رقم اس گھوڑے پر لگا دو۔“

”کون سے پر؟“

”وہ جو پانچ نمبر ہے۔“

”شارٹ سلم!“

”میں نہیں جانتا‘ میں پانچ نمبر کی بات کررہا ہوں۔“

”یار وہ گھوڑا ہے کہاں؟“

”تو پھر اسے ریس میں کیوں لایا گیا؟“

”کسی کا سفارشی ہوگا۔“

”گھوڑوں کی بھی سفارش چلتی ہے؟“

”گھوڑوں کا کیا کیا چلتا ہے تمہیں کیا پتہ۔“

”تو پھر اس پر لگا دو۔“

”میرا خیال ہے تم واحد آدمی ہوگے‘ یہ ٹٹو جو ہے نا یہ اگر ریس میں دو سو گز بھی دوڑ جائے تو سمجھ لو بڑی بات ہے۔“

”اگر یہ رقم تم مجھے دینے کا وعدہ کررہے ہو‘ تو میرے کہنے کے مطابق اسے لگادو۔“

”اس کا تو بھاؤ بھی بہت زیادہ ہوگا۔“

”یہ میں کچھ نہیں جانتا۔“

”چلو ٹھیک ہے۔ تم پر قربان۔“ حکمت مان گیا اور اس نے وہ رقم اس گھوڑے پر لگادی پھر ہنستا ہوا بولا۔

”کرائے کے پیسوں کی فکر مت کرنا‘ بس مل جاتی ہے تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد رات کا کھانا رقیہ خالہ سے مانگ لیں گے یا پھر راستے میں تھوڑے بہت پیسوں کا بندوبست کرلیں گے۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا‘ گھوڑے ٹریک پر چل پڑے تھے‘ پھر وہ اسٹارٹنگ پوسٹ پر پہنچ گئے اور ہم انتظار کرنے لگے۔ بڑے بڑے قد آور گھوڑوں کے سامنے ہمارا ٹٹو نظر بھی نہیں آرہا تھا۔ فائر ہوا اور گھوڑے دوڑ پڑے اندازہ بالکل درست تھا‘ ٹٹو سب سے پیچھے چلا آرہا تھا پھر پہلا ٹرن پورا ہوا ”جہاں پناہ“ نامی ایک گھوڑا جو گہرے سیاہ رنگ کا تھا‘ سب کو پیچھے چھوڑتا ہوا آرہا تھا۔ لیکن پھر نہ جانے کہاں سے ٹٹو نے زور پکڑا اور اس کے بعد وہ آن کی آن میں تمام گھوڑوں کو کراس کرتا ہوا ”جہاں پناہ“ تک پہنچا اور حکمت کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں‘ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور ایک لفظ بھی اس کے منہ سے نہیں نکل رہا تھا‘ پھر دوسرے ٹرن پر آنے کے بعد شارٹ سلم نے ”جہاں پناہ“ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور اس طرح آگے بڑھتا چلا آیا جیسے باقی گھوڑے دوڑ ہی نہ رہے ہوں‘ اس کے بعد جو حکمت نے چیخنا شروع کیا ہے تو میں اس کی شکل دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگا۔ اس کے منہ سے تھوک نکل رہا تھا اور وہ شارٹ سلم۔ شارٹ سلم چیخ رہا تھا‘ اتنے فاصلے سے شارٹ سلم دوڑا اور اتنے فاصلے سے جیتا کہ لوگوں پر سناٹا طاری ہوگیا‘ دوسرے نمبر پر جہاں پناہ ہی تھا اس کے بعد بقیہ گھوڑے تھے۔ حکمت نے دوڑ کر مجھے گود میں اٹھا لیا اور ناچنے لگا‘ کچھ اور لوگ ناچ رہے تھے پتہ نہیں انہوں نے کس حساب میں اس گھوڑے پر پیسہ لگا دیا تھا‘ کافی نوٹ ہمارے پاس آگئے اور حکمت کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا اس نے کہا۔

”اب تیسری ریس کے بارے میں بتاؤ۔“ میں ہنسنے لگا پھر میں نے کہا۔

"بعد میں بتاؤں گا۔"

"یار تم سچ بتاؤ' تم تو مجھے بہت ماہر کھلاڑی معلوم ہوتے ہو۔"

"سچ یا جھوٹ کی بات مت کرو حکمت بس کھیلتے رہو۔" تیسری ریس میں بھ
نے مونگا کو ایک گھوڑے کے بدن میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا یہ اشارہ ہوتا تھا' دو
گھوڑا بھی جیتا اس کے بعد پانچ ریسوں میں سے چار ریس ہم نے جیتیں اور ہمارے
نوٹوں کی گڈیاں جمع ہو گئیں' حکمت پر تو غشی طاری ہو رہی تھی' ہم نے نوٹوں کو ا
لباس میں چھپایا اور حکمت کہنے لگا۔

"یار احتیاط سے چلنا ہے کہیں راستے میں قتل نہ کر دیئے جائیں۔" بہرحال ر
کے خاتمے کے بعد ہم وہاں سے واپس پلٹے' حکمت کے پاؤں زمین پر سیدھے نہیں پڑ ر
تھے لیکن میری بھی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا نہ جانے کس کس طرح گھر پہنچے اور حک
نوٹوں کے اس انبار کو چھپانے کے لئے بے کل ہو گیا' رات کا کھانا گھر پر ہی کھایا گیا حک
کی تو جان پر بنی ہوئی تھی' نہ جانے کیا کیا اول فول بک رہا تھا بڑی مشکل سے اس نے
سنبھالا لیا لیکن رات کو جب بھی میری آنکھ کھلی میں نے اسے نوٹوں کے پاس بیٹھ کر جا
ہوئے پایا اور مجھے ہنسی آنے لگی' مونگا نے کام تو دکھا دیا تھا اب آگے دیکھنا تھا کہ کیا ہ
ہے بس اس کے بعد ہماری تقدیر کے ستارے بدلنے لگے۔ تاش کھیلتے تو دولت ہمار
طرف سرکتی رہتی' ریس کھیلنے جاتے تو نوٹوں کے انبار لے کر آتے حکمت میرے ساتھ
اب وہ میرا غلام بن کر رہ گیا تھا نہ جانے کیا کیا کہتا رہتا تھا اس کا خیال تھا کہ میں کوئی بہ
پہنچا ہوا آدمی ہوں اور میری روحانی قوتیں کام کرتی ہیں' تقریباً چوبیس دن ہو گئے تھے' مج
حکمت کے ساتھ رہتے ہوئے اور اس دوران حکمت کے اور میرے پاس لاکھوں روپ
آ گئے تھے تب ہم نے یہ طے کیا کہ اس جگہ کو چھوڑ کر کوئی ڈھنگ کی نئی جگہ رہائش ک
لئے تلاش کرنی چاہئے۔ حکمت بھی اس بات سے متفق ہو گیا تھا' پھر جب دولت ہاتھ م
ہو تو دنیا کا کون سا کام آسان نہیں ہو جاتا' چنانچہ ہم نے ایک خوبصورت سا بنگلہ خرید ل
حکمت کی تو خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا وہ میرے پاؤں چومتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ کون س
نیک گھڑی تھی جب میرا اور اس کا سامنا ہوا۔ اس کے دل میں بہت سی آرزوئیں تھیں
جنہیں وہ پورا کرنا چاہتا تھا' مجموعی طور پر ایک اچھا انسان تھا' میں نے اس سے کہہ دیا تھا

ب جیب تراشی بالکل نہ کرے اور اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا تھا اور کہا تھا کہ اب
اس کی کیا ضرورت ہے' پھر اس دن غالباً پہلی تاریخ تھی جب حکمت نے کہا۔

"کوئی خاص مصروفیت تو نہیں ہے؟"

"نہیں' کیوں خیریت؟؟"

"وہ مرشد کے پاس چلنا ہے۔" اس نے کہا اور میں حیرت سے اس کی صورت
نے لگا۔ حکمت بولا۔

"مرشد سے ملو گے تب میں ان کے بارے میں بتاؤں گا۔" بہرحال میں اس کے
ی کام میں مداخلت نہیں کرتا تھا البتہ بازار سے اس نے جو خریداری کی اسے دیکھ کر
ے حیرت ہوئی تھی' گھر کا پورا راشن تھا آٹا' نمک' دال' شکر غرض ہر وہ چیز جو کسی کے
ام آ سکتی تھی اس نے ایک مخصوص مقدار میں ساتھ لی تھی اور اس کے بعد مجھے لے کر
ل پڑا تھا۔ میں خاموش ہی تھا لیکن دل میں یہی سوچ رہا تھا کہ دیکھیں یہ مرشد کیا چیز
یں۔

ساز و سامان سے لدی پھندی ٹیکسی احمد پور کے ایک نواحی علاقے میں ایک ایسے
چھوٹے سے مکان کے سامنے جا کر رکی جو مسجد کے برابر بنا ہوا تھا غالباً مسجد ہی کی زمین کا
ایک حصہ تھا جسے خود مکان کی شکل میں بنا لیا گیا تھا' حکمت نے نیچے اتر کر سامان اتارنا
شروع کر دیا میں بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا پتہ نہیں یہاں کون تھا جسے حکمت مرشد کے
نام سے پکارتا تھا پھر حکمت نے سارا سامان اتارنے کے بعد ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور
اس کے بعد مکان کے دروازے کی زنجیر بجائی' دروازہ ایک خوبصورت سی لڑکی نے کھولا
تھا' دبلے پتلے بدن کی مالک' اتنا شفاف چہرہ کہ اگر پانی کی بوند بھی پڑ جائے تو چمک اٹھے'
لمبی پلکیں' ستواں ناک' قدرتی طور پر سرخ لب' حسن و جمال کی صورت تھی وہ۔ معمولی
لباس میں ملبوس' کالے بال سفید چہرے پر گھٹاؤں کی مانند امنڈے ہوئے تھے لیکن بے
ترتیب' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور مسکراتے ہوئے اس کے سامنے کے دو
دانت آبدار موتیوں کی مانند چمک اٹھے اس نے محبت بھری نگاہوں سے حکمت کو دیکھتے
ہوئے کہا۔

"آیئے بھائی ابو ابھی مسجد میں گئے ہیں مجھ سے کہہ گئے تھے کہ آپ آئے ہو
گے۔" پھر اچانک ہی اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور اس نے جلدی سے میلا دوپٹہ سر پر ک
لیا' لیکن میرے ہوش و حواس پر جو بے خودی طاری ہوئی تھی اس نے مجھے چند لمحات ک
لئے دنیا سے غافل کر دیا تھا' میری زندگی کے تمام ابواب آپ کے سامنے ہیں' حسن و عش
کا تو ابھی تک میری زندگی میں کوئی دخل ہی نہیں ہوا تھا' وقت نے مہلت ہی کہاں د
تھی اس بارے میں سوچا تھا اور خود پر ہنس کر خاموش ہو گیا تھا' بھلا مجھ جیسے انسانوں ک
لئے زندگی کا یہ حسن کہاں ہے۔ میں تو خود اپنے مصائب کی زندہ تصویر ہوں لیکن شاید یہ
سب کچھ قدرتی ہی ہوتا ہے' جب کوئی وبال بلائے جان بنتا ہوتا ہے تو خود بخود سامان پیدا
ہو جاتا ہے' حکمت اپنا لایا ہوا سامان اٹھا اٹھا کر اندر منتقل کر رہا تھا لڑکی نے اسے اندر جانے
کی جگہ دیدی تھی' میں دروازے پر ہی کھڑا ہوا تھا کچھ لمحوں کے بعد حکمت باہر آیا تو اس
نے کہا۔

"نادر مدد کرو یار میری۔"

"ایں...... ہاں......" میں نے کہا اور سنبھل گیا۔ میری نگاہوں کے سامنے ابھی
تک بجلیاں کڑک رہی تھیں۔ لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے سامنے مجسم
رہی تھیں' لڑکی وہاں سے ہٹ گئی تھی لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے
سامنے مجسم ہو اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ لاتعداد لڑکیوں میں سے ایک تھی' حسن
و جمال کی ایک ایسی تصویر جسے ایک بار دیکھنے کے بعد شاید کبھی نہ بھولا جا سکے' لیکن مجھ پر
جو کیفیت طاری ہوئی تھی وہ کچھ خاص ہی نوعیت کی تھی' بہرحال پھر بھی اندر داخل ہو گیا
لڑکی شاید مسجد میں باپ کو اطلاع دینے گئی تھی' تمام سامان گھر میں پہنچانے کے بعد ہم فارغ
ہو گئے تو حکمت نے کہا۔

"آؤ اندر مسجد میں چلیں مرشد وہیں ہوں گے۔" میں اس دروازے سے باہر نکل
آیا غالباً کوئی اندرونی دروازہ بھی مسجد میں کھلتا تھا لیکن ہمیں باہر کی سمت سے ہی جانا
کیونکہ بہرحال یہ کسی کا گھر بھی تھا' ابھی ہم سیڑھیوں تک ہی پہنچے تھے کہ لڑکی مسجد کے
بڑے دروازے سے نمودار ہوئی اور اس نے کسی قدر حیران لہجے میں کہا۔

"ابو کہتے ہیں کہ وہ باہر آ رہے ہیں' آپ باہر ہی رکیں۔" بات کچھ سمجھ میں نہیں

تھی لیکن بہرحال حکمت رک گیا میں بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا تھا' پھر اندرونی
ازے سے ہی غالباً وہ صاحب اندر آئے تھے جنہیں حکمت مرشد کہتا تھا' ہم مکان کے
ازے پر آ کھڑے ہوئے تھے کہ لڑکی پھر نمودار ہوئی۔

"آیئے اندر آ جایئے۔" ہم اندر داخل ہو گئے بڑا سا کمرہ روشن تھا اس میں ایک
ازہ تھا جس سے سامان ہم نے اندر پہنچایا تھا کچھ اور بھی ہو گا اس مکان میں لیکن ہم
نہیں دیکھا تھا البتہ میں نے ان صاحب کو دیکھا' چھوٹی سی داڑھی تھی دونوں پاؤں
نوں کے پاس سے کٹے ہوئے تھے سفید لباس میں ملبوس تھے' چہرہ نورانی تھا' ٹوپی پہنے
ئے تھے' حکمت نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا' میں نے بھی سلام کیا لیکن
ے سلام کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا' ان کی بڑی بڑی آنکھیں مجھ پر نگراں
ں اور وہ عجیب سی کیفیت میں مجھے دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے کسی قدر سرد لہجے میں
ا

"بیٹھئے آپ لوگ۔ حکمت میاں کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں' آپ کی طبیعت کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔"

"نہیں اللہ کا فضل ہے ٹھیک ہوں۔ گوہر بیٹی مہمانوں کے لئے چائے بناؤ۔"
ہوں نے آواز لگائی اور میں بے اختیار اندرونی دروازے کی جانب دیکھنے لگا' نہ جانے
یوں میرے دل میں بار بار یہ خواہش ابھر رہی تھی کہ لڑکی باہر آتی رہے' اب مجھے اس کا
بھی معلوم ہو گیا تھا' گوہر تھا اس کا نام۔ کیا ہی خوبصورت نام رکھا تھا نام رکھنے والے
نے اس کی شخصیت سے بالکل ہم آہنگ معلوم ہوتا تھا۔

"مرشد آپ خیریت سے تو ہیں نا؟"

"ہاں اللہ کی عنایت ہے اور تمہارے راج میں جی رہے ہیں' یہ کون صاحب ہیں
ارف نہیں کرایا۔"

"نادر ہے اس کا نام۔"

"نادر!" مرشد نے کسی قدر حیرانی سے کہا' اس کے لہجے کی حیرانی کو ہم دونوں نے
سوس کیا تھا' حکمت بول ہی اٹھا۔

"آپ کو اس نام پر حیرت کیوں ہوئی ہے مرشد؟"

"ایں...... نہیں بس یونہی۔"

"میں نے تو محسوس کیا ہے۔"

"ہاں...... نادر میاں والد صاحب کا نام کیا تھا۔" انہوں نے سوال کیا او
چونک پڑا پھر میں نے انہیں اپنے والد کا نام بتایا تو وہ آہستہ سے بولے۔

"تعجب ہے" حالانکہ انہوں نے یہ الفاظ بڑبڑاہٹ میں کہے تھے لیکن ہم۔
لئے اب میرے بھی حیران ہونے کی باری تھی' میں نے کہا۔

"حکمت نے مجھ سے آپ کا تعارف نہیں کرایا بس مرشد کہہ کر پکارتا رہا
میرے دل میں شدید تجسس ہے کہ آپ کے بارے میں کچھ جانوں۔"

"میاں۔ ایک بات کہیں آپ سے......!" مرشد اچانک بولے۔

"جی فرمایئے۔"

"ہمارا نام وصال الدین ہے' حکمت کیا تم نے اپنے دوست کو ہمارے بارے
نہیں بتایا۔"

"میں نے سوچا مرشد کہ آپ سے تعارف ہو جائے گا تب ہی بتاؤں گا' انہیں
بھی پتہ نہیں تھا بس پہلی تاریخ تھی آج یہاں آنا تھا' میں نے ان سے کہا کہ مرشد
پاس چلنا ہے۔"

"ہوں...... خیر تو میاں نادر بتایا تھا نا آپ نے اپنا نام؟"

"جی مرشد۔"

"نہیں...... تمہیں خدا کا واسطہ ہمیں مرشد نہ کہو۔ نام بتادیا ہے ہم نے
اپنا وصال الدین ہے ہمارا نام۔"

"جی......"

"تو جو کہیں گے اس کا برا تو نہیں مانو گے!"

"نہیں۔"

"کلمہ آتا ہے؟" انہوں نے ایک عجیب سا سوال کیا۔

"جی ہاں کیوں نہیں۔"

"بسم اللہ کر کے ذرا سناؤ ہمیں۔" وہ بولے اور میں نے بسم اللہ شریف پڑھ

لمہ پڑھا تو وہ عجیب سی' ہیجانی کیفیت کا شکار ہو گئے پھر انہوں نے افسوس بھرے لہجے
لا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کسی برائی کا شکار ہو۔"

"میں سمجھا نہیں محترم!"

"ذرا سا آگے آؤ ہم تو معذور ہیں تمہیں ہی تکلیف دیں گے' اور پھر ہماری
ی عمروں کا فرق ہے' آگے آؤ میاں ذرا ادھر بیٹھ جاؤ۔" میں آگے بڑھا اور وصال
ے سامنے بیٹھ گیا۔

"دونوں ہاتھ سامنے کرو۔" میں نے دونوں ہاتھ سامنے کئے تو انہوں نے میرا ایک
پنے ہاتھ میں پکڑا اور اسے ناک کے قریب لے جا کر دیر تک سونگھتے رہے پھر دوسرا
ھی سونگھا اور افسوس بھرے انداز میں گردن ہلانے لگے۔ میں اور حکمت شدید
تھے کہ یہ واقعہ کیا ہے تب انہوں نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

"ایک بات کہوں بہت افسوس ہے' لیکن مجھ پر فرض بنتا ہے کہ میں تمہیں
ت سے آگاہ کروں۔"

"جی وصال الدین صاحب آپ کے اس عمل سے میں شدید حیران ہو گیا ہوں۔"

"کس بدنصیب نے زیادتی کر ڈالی ہے تمہارے ساتھ' تم سے تمہارا ایمان چھین لیا
رے ذہن سے یہ سب کچھ نکال لیا ہے اور اب بچی بات یہ ہے کہ بیشک تم نے کلمہ
اہے اور کلمہ گو مسلمان ہو جاتا ہے لیکن یہ صرف تمہاری قوت ارادی ہے کہ تمہیں
شریف یاد رہ گیا ورنہ تم سے تمہارا دین بھی چھینا جا چکا ہے۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا وصال الدین صاحب!" "کاش ہم تمہیں اس وقت
یل سے سمجھا سکتے لیکن اتنا ضرور کہیں گے تم سے کہ تم آسیب زدہ ہو' کوئی آسیب
ے وجود سے چمٹ گیا ہے' دیکھو بیٹے یہ نہ سمجھنا کہ ہم تم پر اپنی علمیت کا رعب
النے کی کوشش کر رہے ہیں' ہم نے تمہیں مسجد میں آنے سے اس لئے منع کر دیا تھا
ہمیں تمہارے بدن سے آسیب کی بو آئی تھی۔" میں دھک سے رہ گیا' مجھے مونگا یاد آ
یا تھا' وہ جاپ یاد آ گئے تھے جو میں نے پڑھے تھے اور کمبخت رادھن لال کا گھر یاد آ گیا
اجہاں میں نے ایک طویل وقت گزارا تھا' غور کرنے کی بات تو تھی جبکہ پہلے غور نہیں

کیا تھا لیکن وصال الدین صاحب نے جو کچھ کہا تھا وہ سمجھ میں آ رہا تھا۔ دل کو ایک بڑ
سے غم کا احساس ہوا یہ تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا بھی ہو جائے گا حالانکہ مذہب سے
گہرا تعلق نہیں رہا تھا لیکن بہرطور ایک شناخت تھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور سمجھ
آیا تھا اور اس بات سے خوش بھی تھا' لیکن اب اچانک ہی یہ سب کچھ معلوم ہوا
وصال الدین صاحب کا چہرہ اب نرم ہو گیا اتنی دیر میں گوہر چائے بنا کر لے آئی' چائے
برتن اس نے میرے سامنے رکھے اور پیچھے ہٹ گئی میری نگاہیں بے اختیار اس کی جا
اٹھ گئی تھیں۔ وصال الدین صاحب کے عقب میں کھڑی وہ شاید مجھے ہی دیکھ رہی تھ
مجھ سے نگاہ ملی تو اس کی آنکھیں جھک گئیں' ایک عجیب سا انداز تھا پھر وہ گردن جھکا
واپس پلٹی اور اندرونی کمرے میں چلی گئی۔ وصال الدین صاحب نے کہا۔

"حکمت میاں' مہمان کو چائے پیش کرو۔" حکمت نے میرے سامنے چا
رکھی۔ وصال الدین صاحب نے بھی اپنی پیالی اٹھائی پھر بولے۔

"مجھے احساس ہے کہ میں نے تم سے یہ سب کچھ کہہ دیا' لیکن میرا فرض بھی
تھا اور یہ تو میرے لئے خوشی کی بات ہے کہ تم مکمل قلاش نہیں ہو بلکہ باقی ہے۔ بہت
باقی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں جناب......." میں نے کہا اور وصال الدین صاحب نے فوراً
میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گئے پھر بولے۔

"تم کسی دن دوبارہ زحمت کر سکتے ہو؟"

"آپ حکم دیں گے تو ضرور حاضری دوں گا۔"

"اک نصیحت کرنا چاہتا ہوں تمہیں اگر برا نہ محسوس کرو۔"

"ارشاد......" میں نے کہا۔

"کسی مسجد میں کبھی داخل نہ ہونا' کسی مزار پر بے دھڑک نہ چلے جانا ہر جگہ
ایک حد ہوتی ہے تم جس ذلت میں مبتلا ہو چکے ہو اس کے لئے ایک حد مقرر ہے'
کوشش کریں گے کہ تمہارے لئے بہتری کا کوئی راستہ نکالیں کیونکہ تم جان بوجھ کر ا
عذاب میں گرفتار نہیں ہوئے ہو بلکہ کوئی انوکھی ہی بات ہوئی ہے' دیکھو میاں ہم نہ تو
درویش ہیں نا عالم ہاں۔ اللہ کے نام سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں صرف چند باتیں معلوم

لی ہیں کتابوں سے' انہی کی روشنی میں تم سے تمہاری کہانی سنیں گے اور اس کا حل
الیں گے۔"

"میں کب حاضری دوں؟" میں نے کہا۔

"یہ تو خانہ بے تکلف ہے بس یہیں ملا کرتے ہیں ہم نہ کہیں آنا نہ کہیں جانا۔"

"تو پھر میں کل حاضر ہو جاؤں گا۔"

"ہاں ایسا کرنا ظہر کے بعد آ جانا۔ مغرب تک تھوڑا سا وقت مل جائے گا اسی
دوران گفتگو کریں گے۔" حکمت خاموشی سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ چائے پینے کے بعد
ہم اٹھے اور مولوی وصال الدین سے اجازت لے کر باہر نکل آئے' حکمت بھی خاموش تھا
تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں ٹیکسی ملی اور ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے' میرے
دل پر غم کے سائے لرزاں تھے نہ جانے کیوں ایک عجیب سی گھٹن کا احساس ہو رہا تھا'
حکمت بھی خاموش تھا ٹیکسی راستے طے کرتی رہی۔

ہماری یہ رہائش گاہ ہر لحاظ سے خوبصورت تھی ابھی تو ہم اس کی صحیح لذت بھی
نہیں اٹھا سکتے تھے کہ میرے دل پر غم کے یہ ویرانے مسلط ہو گئے تھے۔ حکمت نے بھی
راستے بھر کوئی بات نہیں کی تھی کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار تھا وہ۔ یہاں داخل ہونے کے
بعد اس کے چہرے پر خوشی کے آثار پھیل گئے' پھر اس نے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

"حقیقت یہ ہے کہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا نادر کہ ہماری اپنی ایسی
رہائش گاہ ہو گی' اور ہم اپنے مکان کی حیثیت سے کسی مکان میں داخل ہوں گے' معاف
کرنا میرے دوست تم نے مجھے اپنے دل میں جو مقام دیا ہے اس کے تحت میرا دل چاہتا ہی
نہیں کہ میں یہاں موجود کسی چیز کو غیر تصور کروں حالانکہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہے لیکن
بس میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے بھی اپنا ہی کہوں۔" میں نے محبت بھری نگاہوں سے
حکمت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ساری باتیں تم جانتے ہو حکمت' یوں سمجھ لو میرا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں ہے
کوئی ہے بھی تو وہ مجھ سے اس قدر دور ہو چکا ہے کہ اب اس کا تصور بھی میرے ذہن
سے نکل چکا ہے' بچپن میں ماں کو چھوڑا تھا' دو سوتیلے بہن بھائی تھے انہیں بھی بھول گیا

اب نہ میں انہیں یاد ہوں گا اور نہ وہ مجھے یاد ہیں چنانچہ اس بھری دنیا میں تنہا ہی سمجھو
تمہارا ساتھ جس طرح بھی ہوا کم از کم تمہیں بھی اس کا احساس ہے کہ میرے خلوص پر
پائیداری ہے اس جگہ کو نہ میرا سمجھو نا اپنا بس یہ ہم دونوں کی تقدیر ہے جس نے ہمیں
یہاں تک پہنچا دیا ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں' بہرحال میں تو بہت خوش ہوں سوچ رہا ہوں ایک
دن پرانی بستی والوں کو اپنے اس گھر میں دعوت دوں' خاص طور سے خالہ رقیہ کو۔ بڑی
ہی مخلص خاتون ہیں۔"

"خالہ رقیہ کا خاص طور سے خیال رکھنا ہے۔ ان کے خلوص کا جواب دینے کا صحیح
وقت اب ہی آیا ہے۔"

"کیوں نہیں۔" پھر ہم تمام ضروریات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد بڑے
کمرے میں آبیٹھے حکمت نے کہا۔

"ہم یہاں کوئی ملازمہ بھی رکھ سکتے ہیں مناسب تنخواہ دیں گے' گھر کے کام کاج'
کھانا پکانا' صفائی وغیرہ کے لئے یہ اشد ضروری ہے' کیا خیال ہے؟"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا نہ صرف ایک ملازمہ بلکہ ایک باہر کے کام کے لئے
آدمی بھی چاہئے۔"

"بڑے آدمی ہوگئے یار ہم تو ورنہ اس سے پہلے تو حقیقت یہ ہے کہ خود ہی کسی
گھر میں ملازمت کے قابل تھے۔" حکمت نے ہنس کر کہا میں بھی مسکرانے لگا حکمت بولا۔

"مگر یہ نہ سمجھنا دوست کہ سارا بار تم پر ہی ڈالنا چاہتا ہوں۔ دیکھو ہماری آمدنی کا
جو ذریعہ ہے' اگر کسی وقت بند ہوجائے تو پھر تم مجھے اجازت دے دینا سارے کام ایک
جیسے ہی ہوتے ہیں۔"

"حکمت تم نے وصال الدین صاحب کے الفاظ کے بارے میں سوچا؟" میں نے کہا
اور حکمت ایک دم سنجیدہ ہوگیا کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"سوچا ہے۔"

"کیا سوچا ہے؟"

"صاف گوئی سے کہوں برا تو نہیں مانو گے۔"

"نہیں' تمہاری کسی بات کا میں برا نہیں مانوں گا۔"

"میری اپنی زندگی کو کیا سمجھے ہو' کیا میں کوئی نیک نفس انسان ہوں' میں نے بھی
گناہوں میں ہی زندگی بسر کی ہے۔ تم سے بھی اگر کوئی غلطی ہوگئی ہے تو میں جانتا ہوں
کہ وہ مجبوری کا نتیجہ ہوگی۔"

"بتا سکو گے کہ وصال الدین صاحب کون ہیں؟"

"ایک سیدھے سادھے انسان' گوہران کی بیٹی ہے اس کے سوا دنیا میں ان کا اور
کوئی نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ساری عمر انہوں نے اسی مسجد میں بسر کی ہے بلکہ مسجد کی
تعمیر ہی انہوں نے اپنے ذاتی اخراجات سے کرائی ہے اور بس اب اس میں نماز پڑھاتے
ہیں۔"

"اپاہج کیسے ہوئے؟"۔ میں نے سوال کیا اور حکمت کے چہرے پر مردنی سی چھاگئی۔
پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"میری وجہ سے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے اسے دیکھا' حکمت کے چہرے پر افسردگی کے
آثار نظر آرہے تھے۔ اس نے کہا۔

"ہاں۔ میری وجہ سے۔"

"مگر کیسے؟"

"وہ ایک فٹ پاتھ پر جارہے تھے میں قلاش تھا' جیب میں کچھ بھی نہیں تھا بھوک
لگ رہی تھی۔ مجھے ان کی جیب میں کچھ رقم محسوس ہوئی میں نے بہرحال ان کی جیب
سے وہ رقم نکال لی لیکن انہیں پتہ چل گیا' وہ بیچارے ہاتھ اٹھا کر میری جانب دوڑے اور
میں نے سڑک عبور کرلی وہ خود بھی میرے پیچھے بھاگے اور ایک ٹرک کی زد میں آگئے۔
دونوں ٹانگیں کٹ گئیں' بہرحال یہ ہو تو گیا تھا لیکن میرا دل خون ہوگیا' اور اس کے بعد تم
یوں سمجھ لو کہ میں نے انہیں اپنی ذمے داری بنا لیا' ان بیچارے کو آج تک نہیں معلوم
کہ وہ بدنصیب میں تھا جو ان کے اپاہج ہونے کا باعث بنا' وہ میری شکل وصورت نہیں دیکھ
پائے تھے' ایک عجیب سا مسئلہ تھا اس وقت جو رقم ان کی جیب میں تھی وہ ان کے لئے از
حد ضروری تھی کیونکہ وہ مسجد کا چندہ تھا۔ جسے وہ کسی قیمت پر نہیں گنوانا چاہتے تھے'

بہرحال اس کے بعد میں نے انہیں خود ہی ہسپتال پہنچایا اور اس وقت تک ان کی ت
داری کرتا رہا جب تک وہ صحت یاب نہیں ہوگئے لیکن ان کی دونوں ٹانگیں کٹ
تھیں، وہ نہ جڑ سکیں چنانچہ بیچارے اپاہج ہوگئے میں انہیں گھر لے آیا گوہر کو میں نے ا
بہن بنایا اور اس کے بعد سے آج تک جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑتا ہے کرتا ہوں،
تاریخ کو ان کے یہاں راشن پہنچانا میرا فرض ہے، وہ بھی مجھے بیٹوں ہی کی طرح سمجھتے ہ
گوہر مجھے بھائی جان کہتی ہے اس طرح سے اللہ نے یہ ایک اور بہن دے دی ہے مج
جس کا فرض بھی میں اپنے کاندھوں پر محسوس کرتا ہوں۔ میں آج تک اپنے گناہ کو کبھ
معاف نہیں کرسکا، اس دن کے بعد سے یقین کرو نادر اتنا میں نے ضرور کیا ہے کہ کبھی ک
نادار کی جیب پر ہاتھ نہیں ڈالا، چاہے کتنی ہی اشد ضرورت کیوں نہ ہو، کام تو میرا ا
جاری ہے لیکن ایسے لوگوں کو تاڑتا ہوں جو بھرپور محسوس ہوتے ہیں اور ان سے یہ خد
نہیں ہوتا کہ تھوڑی سی رقم کے لئے آنکھیں بند کرکے میرے پیچھے دوڑ پڑیں گے
بہرحال اپنے گناہ کو گناہ سمجھتا ہوں ثواب نہیں سمجھتا، لیکن گناہوں کی اس دلدل سے اپ
احساسات کی وجہ سے کبھی نہیں نکل پایا اور کوئی ذریعہ نہیں نظر آتا مجھے۔ نادر شاید تم ا
بات پر یقین نہ کرو کہ تم نے جب سے مجھے سنبھالا دیا ہے اور یہ صورت حال پیدا ہوئ
ہے میں نے اپنے دل کو بہت ہلکا محسوس کیا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ اب بھی ہم جائز ذرا
سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں لیکن جیب تراشی ایک برا عمل تھا اگر میں مجبور نہ ہوتا تو کبھ
ایسا نہ کرتا۔" میں خاموشی سے اس کہانی کے تاثر میں ڈوبا رہا پھر حکمت علی کی بھی ہمت
بڑھی اور اس نے کہا۔

"مگر تمہارے بارے میں وصال الدین صاحب کے جو الفاظ ہیں مجھے بہت عجیب
لگے ہیں۔ یہ سب کیا ہے نادر۔ یہ سب کیا ہے؟"

"بدنصیبی کی کہانیاں مختلف ہوتی ہیں کہیں کچھ اور کہیں کچھ، میری بدنصیبی کی
داستان بھی طویل ہے چھوڑو جانے دو۔"

"تم یقین کرو کسی بھی ایسی بات کے لئے تمہیں مجبور نہیں کروں گا جس سے
تمہیں الجھن ہو لیکن ایک بات بتاؤ کیا وصال الدین صاحب کے پاس جاؤ گے؟"

"ضرور جاؤں گا۔ شاید میں بھی انہیں بڑی خوش دلی سے مرشد کہتا اگر اس قابل

ہوتا۔"

"وہ اتنے اچھے انسان ہیں کہ اگر کسی طرح تمہاری مشکل ٹال سکے تو سمجھ لو جان
کی بازی لگادیں گے، میری یہی رائے ہے کہ ان سے ضرور ملنا میں تم سے تمہاری کہانی
پوچھنے کے لئے ضد کرتا لیکن مناسب نہیں سمجھتا اس سے پہلے تمہیں وصال الدین
صاحب کو اپنے بارے میں بتانا ہوگا، یہی مناسب رہے گا، خدا تمہاری مدد کرے، کیونکہ
تمہیں کوئی برا انسان تو سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ اگر کوئی برائی تمہاری ذات سے لپٹ گئی ہے،
میں ہوں تو گنہگار انسان لیکن ہر انسان کو اللہ سے کچھ بھی مانگنے کا حق ہے، اس کے
اعمال وہ اس کے ساتھ ہوں گے اور ان کا حساب ہوگا۔ لیکن اللہ کے دروازے سب کے
لئے کھلے ہیں، میں بھی تمہارے لئے یہی دعائیں مانگوں گا کہ خداوند عالم تمہیں اس مشکل
سے نکالے۔"

ہم لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے اور اس کے بعد سونے کا فیصلہ کیا گیا
اور ہم اپنی عیش گاہ کے کمرے میں داخل ہوئے، جس میں ہم نے اپنے بیڈ روم الگ الگ
بنائے ہوئے تھے۔

آج بستر پر لیٹنے کے بعد، دل کی حالت ہی عجیب تھی۔ ایک ایسی بے کلی ایک ایسا
احساس دل، دماغ کو گرفت میں لئے ہوئے تھا جو اس سے پہلے کبھی ذہن تک نہیں پہنچا
تھا۔

ایک تصویر آنکھوں میں رقصاں تھی۔ گھنی پلکیں، دودھ جیسا سفید چہرہ، آسمان
سے اتری ہوئی حور معلوم ہوتی تھی۔ گوہر ہاں وہ گوہر ہی تھی، جس نے ایک لمحے میں
میرے دل کی گہرائیوں کا سفر طے کرلیا تھا۔

حالانکہ اپنے بارے میں سوچ کر ہنسی آتی تھی، کیا تھا میری زندگی میں، کیا تھا میرا
ماضی، آج بھی چند پیسے جو میری وجہ سے نہیں آئے تھے۔ آگئے تھے تو میں بھی اپنے آپ
کو باعزت اور معتبر سمجھنے لگا تھا۔ ورنہ بھینس کی چاکری اور فضل خان کا ڈنڈا آج بھی اپنے
بدن پر چپکا ہوا محسوس ہوتا تھا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان اپنے ماحول اپنی جائے
پیدائش اپنے لواحقین کے مطابق ہی کیوں نہیں رہتا، اس کے ذہن کی وسعتیں اسے اپنے
آپ سے فرار ہونے پر کیوں مجبور کرتی ہیں، وہ اپنے آپ سے زیادہ کیوں چاہتا ہے، یہ

سمجھنے والی بات تھی۔

سوچوں کی یہ رات خاصی طویل رہی' پھر نیند نے سارے مسائل حل کر دیئے۔ خوابوں میں گوہر کو دیکھا' وہ میری جانب متوجہ نظر آرہی تھی۔ دوسری صبح ہوگئی۔ معمول کے مطابق تھی۔ حکمت تو یہاں آنے کے بعد بہت ہی خوش تھا' وہ کہنے لگا۔

"ذرا جانا ہے۔ تمہیں کوئی خاص کام تو نہیں ہے؟"

"کہاں جانا ہے؟"

"بس یار ذرا کچھ ذاتی معاملات ہیں۔"

"اچھا۔ تو تمہارے بھی ذاتی معاملات ہیں۔" میں نے کہا اور حکمت ہنسنے لگا پھر بولا۔

"تھوڑے بہت تو ہونے چاہئیں۔"

"ہاں سوری حکمت' بس یونہی سوال کر بیٹھا تھا۔"

وہ چند لمحات سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"سوری تو مجھے کہنا چاہئے نادر' کہ میں نے ایسے الفاظ منہ سے ادا کئے۔"

"اب سوچ میں کوئی تبدیلی ہوگئی کیا؟"

"نہیں شرمندگی ہو رہی ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم سے بھی کوئی بات چھپائی جاسکتی ہے۔ لیکن یار کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جنہیں مجبوراً چھپانا پڑجاتا ہے۔"

"تو اب پریشان کیوں ہو بھائی۔ جہاں جانا چاہتے ہو جاؤ۔ میں ذرا گھر کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ گھر خاصا گندہ ہو رہا ہے تھوڑی بہت صفائی کر ڈالی جائے کیا خیال ہے۔"

حکمت نے میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا' سوچ میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

"میں پرانے محلے جارہا ہوں۔"

"تو جاؤ نا یار......... تم تو خواہ مخواہ سنجیدہ ہوگئے۔"

"نہیں خواہ مخواہ سنجیدہ نہیں ہوا' اصل میں میرا تمہارا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب اگر کوئی بات میں اپنے آپ تک رکھتا ہوں تو ٹھیک ہے اسے اپنے آپ تک

بے شک ضروری ہے۔ لیکن ضمیر گوارہ نہیں کرتا۔"

"بیٹھو بیٹھو بیٹھ جاؤ۔" میں نے اسے اشارہ کرکے کہا اور وہ بیٹھ گیا۔

"اب شرافت کے ساتھ یہ بتاؤ کہ کہاں جارہے تھے' خواہ مخواہ سنجیدہ ہوئے اور بننے کی کوشش کرنے لگے۔ کہاں جارہے تھے؟"

"پرانے محلے۔"

"کس کے پاس؟"

"خالہ رقیہ کے پاس۔"

"وہ کیوں؟"

"ایک لمبی کہانی ہے۔"

"تو وہ بھی سنا دو۔"

"خالہ رقیہ بہت اچھی خاتون ہیں میں نے اپنا گھر چھوڑا' یہاں آکر آباد ہوا' یقین نادر بڑی تنہائی محسوس ہوتی تھی۔ رونا آتا تھا مجھے اپنے آپ پر' کوئی میرا پرسان حال ہیں تھا' جدھر بھی نگاہ اٹھا کر دیکھتا' تنہائی نظر آتی ایسے میں خالہ رقیہ نے مجھے وہ سہارا دیا ہ الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا' بالکل ماں جیسی محبت دے دی انہوں نے مجھے۔ حالانکہ ان سے خاصا دور رہا ہوں۔ لیکن پھر بھی انہوں نے جب بھی اپنے آپ کو مجھ پر ظاہر یا یوں سمجھ لو کہ مجھے ماں کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ شاید اس لئے کہ ان کی اپنی لانی بھی عجیب ہے۔"

"وہ کیا؟"

"بیٹا تھا بس ان کا ایک۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک آبادی ہے' وہاں ایک بکٹائل مل میں کام کرتا تھا۔ روزانہ گھر نہیں آسکتا تھا' وہیں رہتا بھی تھا' اور وہیں سے ں کو تھوڑے بہت پیسے بھی بھیج دیا کرتا تھا۔ لیکن پھر بے چارہ مل ہی میں ایک حادثے کا کار ہوگیا اور مرگیا۔ خالہ رقیہ کی دنیا ویران ہوگئی۔ اب ان کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ رصے تک پاگلوں کی طرح زندگی بسر کرتی رہیں' ہسپتال میں بھی رہیں پھر بے چاری ٹھیک ہوگئیں۔ زندگی جب تک قائم رہتی ہے اسے گذارنے کا کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آتا ہے' جنے لگیں بے چاری دوسروں کے درمیان۔ اپنی چھوٹی سی کھولی میں تنہا رہتی ہیں ذریعہ

آمدن کچھ بھی نہیں تھا' ایک زمانے میں فاقہ کشی کا شکار ہوگئیں تھیں' لیکن اتنی تھیں کہ کسی سے کچھ نہیں لیتی تھیں۔ نہ جانے کیسے کیسے جتن کر کے لوگ انہیں کھلا پلا دیا کرتے تھے۔ ان کا انداز ایسا ہے کہ ان کے اپنے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ تو سب کو دینے پر آمادہ رہتی ہیں کسی سے کچھ لینے کی روادار نہیں۔ میں نے اس صورت حال کو محسوس کیا اور اس کے بعد نہ جانے کیا کیا جتن کرتا رہا۔ جس ٹیکسٹائل مل میں ان کا بیٹا ہلاک ہوا تھا' اس کے مالکان ایک پھوٹی کوڑی دینے پر تیار نہیں تھے۔ ایک غریب انسان تو وکیل بھی نہیں کرسکتا تا ورنہ اگر خالہ رقیہ کوشش کرتیں تو کچھ نہ کچھ تو وہاں سے لے ہی سکتی تھیں۔ لیکن ان کا کون پرسان حال تھا۔ پھر جب مجھے یہ تمام تفصیلات معلوم ہوئیں تو میں نے چالیں چلیں۔ خط وکتابت کی اور ٹیکسٹائل مل کی جانب سے خالہ رقیہ کو کچھ رقم ماہانہ کی فراہمی شروع کرادی۔"

"گڈ یہ تو بہت اچھا ہوا" میں نے کہا۔

"لیکن وہ رقم ٹیکسٹائل مل والے نہیں دیتے۔" اس نے آہستہ سے کہا اور میں چونک کر اس کو دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب حکمت!"

یار میں بس خود ہی منی آرڈر کردیا کرتا تھا ٹیکسٹائل مل والوں کی طرف سے ان کمبختوں نے تو مجھے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ ایسی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرسکتے۔"

"اوہ میرے خدا۔" میں نے ٹھنڈی آہ لے کر کہا۔

"بس یہ ہے خالہ رقیہ کی کہانی' آج میں ان کے پیسے دینے جارہا تھا۔ کیونکہ میں نے اس سلسلے میں بھاگ دوڑ کی تھی' ان کی اپنی دانست میں اس لئے میں ہی یہ سارا کام کرتا رہا ہوں' منی آرڈر کا سلسلہ بھی میں نے بند کرا دیا اور خالہ رقیہ سے یہی کہا کہ میں خود جا کر پیسے وصول کرلیتا ہوں' ورنہ منی آرڈر تو مہینے مہینے لیٹ ہوجاتے ہیں۔ آخر ان کے اپنے بھی اخراجات ہیں' تو میں جناب یہ تھوڑی سی رقم میں انہیں دے آتا ہوں' اور اس وقت میں اسی چکر میں جارہا تھا۔" میں عجیب سی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھنے لگا' یہ جیب کترا تھا' معاشرے کا بہت برا انسان' لیکن اس کے دل میں کیا تھا' اس کا اظہار دو دفعہ

ہ پر ہوچکا تھا' جیب کاٹی تھی اس نے مولوی صاحب کی اور وہ اپاہج ہوگئے تھے' اس وقت ے آج تک وہ مولوی صاحب کی کفالت کر رہا تھا' کوئی اور بھی ہے' جسے یہ اس انداز میں رقم دیتا ہے اور اس کے علاوہ اسے اپنے گھر بھی اخراجات بھیجنا پڑتے ہوں گے' بہنوں کی شادی کا معاملہ ہے' یہ سارے بوجھ یہ سارے غم یہ حکمت اپنے دل میں اٹھائے ہوئے ہے' یہ تو چند دنوں کی بات ہے کہ یہ میرے ساتھ منسلک ہوگیا اور ہم نے اس بدبخت ہونگا کی وجہ سے ریس میں اچھی خاصی دولت جیت لی' جس سے ہمارے اخراجات بڑے شاہانہ انداز میں چل سکتے تھے' رقم بینکوں میں جمع ہوگئی تھی اور دولت اب ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہیں رہی تھی' ہر طرح سے ہم اسے حاصل کرسکتے تھے لیکن بہرحال ان تمام باتوں کے باوجود حکمت کی عظمت سے مجھے کوئی اختلاف نہیں تھا' حکمت میری صورت دیکھتا رہا پھر بولا۔

"چلنا چاہو گے؟"

"ایک منٹ' ایک منٹ حکمت' میرے ذہن میں کچھ اور حکمت آرہی ہے۔"

"کیا؟" وہ ہنس کر بولا۔

"خالہ رقیہ کی وہ کھولی ان کی اپنی ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا وہ کھولی کرائے پر چڑھ جائے گی؟"

بہت آسانی سے ایک گھنٹے میں خالی کھولی کرائے پر چڑھ جاتی ہے بہت سے لینے والے ہیں۔"

"حکمت میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ہمارے پاس کتنا اچھا گھر ہے اور تنہا ہے۔"

"تو پھر"؟ حکمت حیرت سے بولا۔

"اگر اس گھر میں خالہ رقیہ آکر آباد ہوجائیں تو کیا حرج ہے؟"

"ہیں۔" حکمت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"رونق بھی رہے گی' گھر بھی بھرا پرا رہے گا' ایک نگران خاتون بھی رہیں گی' ہمارے چھوٹے موٹے کام بھی کردیا کریں گی' کھانا وانا آخر وہ خود ہی پکاتی ہیں نا۔"

"کئی بار کوششیں کر چکی ہیں کہ گھروں میں کام کرنے کی نوکری مل جائے لیکن

قرب وجوار میں کوئی ایسی جگہ تو ہے نہیں' ایک آدھ مرتبہ کسی کے گھر کام کرنے گئی تھیں' فاصلہ بہت زیادہ تھا تھک جاتی تھیں' لیکن اب تک اسی کوشش میں لگی ہوئی ہیں کہ اگر کسی گھر میں کوئی نوکری مل جائے تو اس کا کام بھی چل جائے۔"

"یار پہلے کیوں نہیں کہا تھا۔ یہ گھر کون سا ہمارے باپ کا ہے' بس تقدیر نے دے دیا تو ٹھیک ہے' یہ تقدیر کی مہربانی ہے اگر اس گھر میں خالہ رقیہ بھی آکر آباد ہو جائیں گی تو کیا حرج ہے۔"

"اگر تم برا نہ محسوس کرو تو ایسا کرلو۔" حکمت نے کہا۔

"تیار ہو جائیں گی؟"

"کیوں نہیں تیار ہو جائیں گی۔"

"بس تو پھر تم تیار ہو جاؤ۔"

"میں تیار ہوں یار۔"

"میں کپڑے بدل لوں!"

"بدل لو۔" تھوڑی دیر کے بعد ہم پرانے محلے کی جانب جا رہے تھے اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہاں پہنچ گئے' پھر خالہ رقیہ کی کھولی کے دروازے پر دستک دی' تو انہوں نے دروازہ کھول دیا' ہم دونوں کو دیکھ کر بڑی خوش ہوئیں کہنے لگیں۔

"آؤ آؤ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی' ارے ہاں حکمت تم مل میں گئے تھے؟"

"گیا تھا خالہ' بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں مل نہ جاؤں۔"

"میں تو بڑی پریشان تھی حکمت۔"

"کیوں؟"

"پیسے بالکل ختم ہو گئے ہیں اور تم یہاں سے چلے گئے ہو' میں یہ سوچ رہی تھی کہ اب میرا یہ کام کون کرے گا' کسی اور کو تو اس بارے میں معلوم بھی نہیں ہے۔"

"لو خالہ' کیا آپ نے یہ سوچ لیا تھا کہ میں اتنا کمینہ ہوں کہ آپ کو بھول جاؤں گا۔"

"نہیں بیٹا' خدا کی ذات سے یہ امید تو نہیں تھی کہ تم جیسا انسان مجھے بھلا دے' لیکن بس بیٹا دل میں وسوسے تو آتے ہی ہیں۔"

"نہیں خالہ رقیہ میں گیا تھا اور آپ کے پیسے لے آیا ہوں' اس کے علاوہ یہ نادر ے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں' ہاں بیٹا کہو" خالہ رقیہ نے حکمت کے دیئے ہوئے نوٹ سنبھال کر دوپٹے پلو میں باندھتے ہوئے کہا۔

"وہ خالہ رقیہ آپ نے ہم سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم لوگ کہاں چلے گئے' کیوں پوچھا آپ نے؟" میں نے کہا اور خالہ رقیہ مجھے دیکھنے لگیں پھر بولیں۔

"بیٹے برا تو نہیں مانو گے اگر کچھ کہوں تو؟"

"نہیں خالہ رقیہ برا نہیں مانیں گے۔"

"دیکھو ہر انسان کو اپنی اوقات میں رہنا چاہئے' میرا تم لوگوں پر کوئی حق نہیں تھا ہیں تم سے تمہاری ذاتی زندگی کے بارے میں کوئی سوال کروں' یقیناً یہاں سے کوئی ہی جگہ ہوگی' جیسا کہ حکمت نے مجھے بتایا تھا' تم لوگ وہاں چلے گئے دل تو چاہا تھا کہ تم ے تمہارے گھر کے بارے میں پوچھوں لیکن بس ہمت نہیں پڑی۔"

"چلئے ٹھیک ہے خالہ رقیہ' اس لئے آپ کی ہمت نہیں پڑی آپ کی کہ آپ لت کو تو جانتی تھیں' مجھے نہیں جانتی تھیں۔"

"برا نہ مانو تو یہی بات تھی۔"

"خیر چھوڑیئے' خالہ رقیہ' ایک درخواست کرنے آئے ہیں ہم آپ سے۔"

"ہاں' ہاں کرو۔"

"خالہ رقیہ ہم نے ایک گھر خریدا ہے۔"

"اللہ مبارک کرے' معبود کریم برتنا نصیب کرے' شادی کر رہے ہو' یا کرلی ہے' ہوی بچے کہیں باہر ہیں.........."

"نہ شادی کر رہے ہیں' نہ کرلی ہے' اور نہ بیوی بچے باہر ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر؟"

"وہ ایک خالی گھر ہے۔"

"اچھا اچھا شادی ہوئی نہیں ہوگی ابھی؟"

"جی خالہ ابھی نہیں ہوئی۔"

"خیر چھوڑو پھر؟"

"خالہ ہم آپ کو وہاں لے جانا چاہتے ہیں۔"

"مم مجھے؟"

"ہاں خالہ' دو بیٹوں کی ماں بنا کر ہم آپ کو وہاں لے جانا چاہتے ہیں' ایک بیٹے کا نام حکمت ہے اور دوسرے کا نادر۔" خالہ رقیہ چونک کر میری شکل دیکھنے لگیں پھر انہوں نے حکمت کو دیکھا اور نہ جانے کہاں سے ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی در آئی' شاید انہیں اپنا بیٹا یاد آگیا تھا' ڈب ڈبائی آنکھوں سے ہمیں دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"کیوں لے جانا چاہتے ہو مجھے وہاں؟"

"خالہ ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔"

"مجھے جانتے ہو' میں تو ناکارہ اور بے کار سی عورت ہوں' میری کسی کو کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟"

"نہیں خالہ' ہمیں آپ کی سرپرستی کی ضرورت ہے۔"

"بیٹے مجھے وہ مقام دے رہے ہو جو قصے کہانیوں میں تو مل جاتا ہے' حقیقی زندگی میں کہیں نہیں ہوتا۔"

"ہم اس مقام کو حقیقی زندگی میں لانا چاہتے ہیں خالہ۔"

"مگر مگر' میں میں.........."

"نہیں خالہ آپ انکار نہیں کریں گی' بڑی امید' بڑی آس لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"مگر بات تو سنو' میں کیسے رہوں گی وہاں؟"

"ہماری ماں بن کر۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن' لیکن بیٹا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی تو کل پھر تم مجھے وہاں سے نکال دو گے؟"

"بالکل نہیں خالہ!"

"اور پھر یہاں سب میری جاننے والیاں ہیں' بات چیت میں وقت گزر جاتا ہے؟"

"ہاں یہ تکلیف تو ہوگی آپ کو خالہ' لیکن آپ کا جب دل چاہے یہاں آسکتی ہیں' ب سے مل سکتی ہیں' ویسے جس کو چاہیں اپنے پاس بلا سکتی ہیں' وہاں گھر کے مالک کی یت سے رہیں گی آپ۔"

"بیٹا کیا کہہ رہے ہو مجھے کم از کم سمجھا تو دو؟"

"اگر اس میں سمجھانے والی کوئی بات ہو خالہ رقیہ تو میں ضرور آپ کو سمجھا ں۔" میں نے کہا۔

"نادر بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں خالہ آپ کو وہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی ہمارا عدہ ہے آپ سے۔" رقیہ رونے لگیں بہت دیر تک روتی رہیں پھر بولیں۔

"کیا تم لوگ سنجیدہ ہو' مجھے یقین نہیں آرہا؟"

"بالکل سنجیدہ ہیں خالہ اور اگر آپ ہماری سنجیدگی کا اندازہ لگانا چاہتی ہیں تو پھر ہیں کچھ اجازت دیں۔"

"کیسی اجازت؟"

خالہ نے سوال کیا اور اس کے بعد حکمت نے مجھے اشارہ کر دیا.......... ہم دونوں اٹھے اور اس کے بعد خالہ رقیہ کے اندر کے کمرے میں گھس گئے' اس کے بعد ہم نے ان کے سامان کی پوٹلیاں باندھنا شروع کر دی تھیں کچھ لمحے تک تو وہ باہر ہی رہیں اور اس کے بعد اندر آگئیں۔

"ارے ارے۔ یہ کیا کر رہے ہو؟"

"ڈاکہ ڈال رہے ہیں خالہ رقیہ آپ کے مال پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں"........... وہ ہنسنے لگیں پھر بولیں۔

"ارے بیٹا مجھے بتاؤ تو سہی کیا کر رہے ہو؟"

"سامان باندھ رہے ہیں آپ کا' آپ بھی ہماری مدد کیجئے۔"

"ہم.......... مگر سنو تو سہی.......... سنو تو سہی کیوں باندھ رہے ہو میرا سامان؟"

"لے جا رہے ہیں آپ کو۔"

"ابھی؟"

"ہاں۔"

"وہ دیکھو.........."

"کچھ نہیں خالہ رقیہ بس اب ہمارے جذبات بے قابو ہو چکے ہیں۔" وہ خاموش ہو گئیں اور ہماری کارروائی دیکھتی رہیں' جو کچھ بھی ٹین ڈبے' لوٹا نظر آیا تھا سب ہم نے باندھ لیا اور اس کے بعد اس کی گٹھریاں تیار کر دیں' خالہ رقیہ بے بسی سے ہمیں دیکھ رہی تھیں پھر انہوں نے کہا۔

"مگر میرے گھر کا کیا ہو گا؟"

"ابھی تو تالا لگا دیں گے بعد میں آپ اسے کسی کو کرائے پر دے دیجئے۔"

"پتہ نہیں کیا کر رہے ہو تم لوگ؟"

"جب پتہ لگنا ہو گا لگ جائے گا رقیہ خالہ' اس وقت تو آپ خاموش ہی رہئے۔"

تھوڑی دیر کے بعد ہم انہیں ایک ٹیکسی میں بٹھا کر اپنے گھر کی جانب لے چلے اور پھر اپنے گھر پہنچ گئے' خالہ رقیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہمارے اس خوبصورت مکان کو دیکھ رہی تھیں انہوں نے کہا۔

"یہ......... یہ تمہارا گھر ہے؟"

"ہمارا نہیں اب یہ آپ کا گھر ہے۔" خالہ رقیہ ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہی تھیں' اچھا خاصا سامان خرید لیا تھا ہم نے اور پورا گھر ڈیکوریٹ کر لیا تھا' اس وقت اسے ایک عمدہ مکان کی حیثیت دی جا سکتی تھی' خالہ رقیہ کو ان کا کمرہ دکھایا گیا' ہم نے ان کا سامان وہاں پر کھول دیا تو وہ ہنس کر بولیں۔

"کیسی شرم آ رہی ہے مجھے یہ اپنے میلے کچیلے کپڑے دیکھ کر۔ بیٹا میں یہاں کیسے رہ سکوں گی؟"

"خالہ رقیہ اب آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ نے اپنے بیٹوں کا گھر سنبھال لیا ہے' مائیں بیٹوں کے گھر کو جس طرح سنبھالتی ہیں آپ اس طرح اس گھر کو سنبھالئے۔ ہمیں کھانا پکا کر دیجئے ہمارے گھر کی صفائی ستھرائی کیجئے اور اس کے بعد اس کے بعد........."

"اس کے بعد کیا؟" خالہ رقیہ نے کہا۔

"نادر کی شادی کر دیجئے۔" حکمت بولا اور میں ہنس پڑا۔

"واہ بیٹا اپنی شادی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟"

"یار بس زبان نہ کھلواؤ۔"

"کیوں؟ اس میں زبان نہ کھولنے کی کیا بات ہے؟"

"خالہ رقیہ یہ سب کچھ جو ہے نا یہ اس نادر کے بچے کا ہے' میرا اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"دیکھا آپ نے خالہ رقیہ لوگ کس طرح اپنے آپ کو ایک لمحے میں الگ کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جبکہ میرے دل کے کسی گوشے میں کبھی ایسی کوئی بات نہیں آئی۔"

"بیٹا تم دونوں ہی عجیب ہو ابھی میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں کہوں گی جب تمہیں ٹھیک سے جان جاؤں گی' تب پھر تمہارے بارے میں اپنی زبان کھولوں گی۔"

"چلئے ٹھیک ہے' یہ طے رہا آپ ہمیں جاننے کی کوشش کیجئے۔" اور اس کے بعد خالہ رقیہ کے ساتھ واقعی اتنا لطف آیا کہ ہمیں یہ احساس ہونے لگا کہ ہمارا اپنا بھی واقعی کوئی گھر ہے...... کوئی اپنا ہے اس گھر میں' خالہ رقیہ اب ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہی تھیں پھر انہوں نے کہا۔

"دیکھو بیٹا مجھے یہ ساری چیزیں سنبھالنا تو نہیں آتیں لیکن اگر تم اجازت دو گے تو ان کی جھاڑ پونچھ کر دیا کروں گی۔"

"خالہ رقیہ یہ سب کچھ آپ کا ہے' باورچی خانہ دیکھ لیجئے اس میں جو کچھ بھی آپ کو چاہئے یا کچھ بھی تبدیلی کرنی ہو ہمیں بتا دیجئے۔" خالہ رقیہ کو ایک ایک جگہ دکھا دی گئی اور اس کے بعد تمام معاملات ان کے سپرد کر دیئے گئے' چار پانچ دن بڑے پرکیف گزر گئے تھے اور مزا آ رہا تھا' پکا پکایا کھانا ملتا' گھر کی صفائی خالہ رقیہ کر لیا کرتی تھیں اب پورے گھر کو انہوں نے اپنے گھر کی طرح سنبھالنا شروع کر دیا تھا ایک بار بھی کہیں جانے کی بات نہیں کی تھی اور بہت خوش نظر آ رہی تھیں' پھر ایک دن حکمت نے مجھ سے کہا۔

"نادر کچھ دن کے لئے اجازت چاہوں گا۔"

"کہاں جانا ہے؟"

"گاؤں جاؤں گا اپنے۔"

"اوہو اچھا......... ہاں وہاں جانا بے حد ضروری ہے۔"

"ویسے بھی کافی دن سے نہیں گیا ہوں۔"

"اچھا تو کب جا رہے ہو؟"

"بس اگر تم اجازت دو گے تو آج شام تک ہی چلا جاؤں گا۔"

"کیسے جاتے ہو؟"

"کوچ چلتی ہے' آرام سے مل جاتی ہے دن بھر چلتی رہتی ہے۔"

"اس بار تم ہو آؤ دوبارہ تمہارے ساتھ میں بھی چلوں گا۔"

"ضرور۔" حکمت نے کہا۔

"تو پھر شام کو کس وقت نکلو گے؟"

"میرا خیال ہے جلدی نکل جاؤں گا تاکہ پہنچنے میں زیادہ رات نہ ہو جائے۔"

"جلدی سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"چار پانچ بجے۔"

"ویسے بسیں کتنے بجے تک جاتی ہیں؟"

"بسیں تو گیارہ بجے تک جاتی ہیں' آخری بس شاید گیارہ بجے چلتی ہے۔"

"تو پھر ایسا کرنا چھ بجے نکلنا یہاں سے۔"

"چلو ٹھیک ہے چھ بجے نکل جاؤں گا.......... ذرا بازار جانا چاہتا ہوں۔"

"چلے جاؤ۔" میں نے کہا اور حکمت تھوڑی دیر کے بعد باہر نکل گیا مجھے علم تھا اس کے پاس بھی اچھے خاصے پیسے ہیں اور ویسے بھی اس نے جس دن سے میرا ساتھ پکڑا تھا جیب تراشی ختم کر دی تھی' لیکن اس کے جانے کے بعد میں بھی نکل کھڑا ہوا مجھے اس کے اہل خاندان کے بارے میں تمام تفصیلات معلوم تھیں' چنانچہ ایک پر رونق بازار کے ایک بڑے اسٹور سے میں نے بہت سارے لباس اور ایسی دوسری بہت سی اشیاء خریدیں جو اس کے خاندان کے لئے تحفے کے طور پر دی جا سکتی تھیں' خاصی قیمتی اشیاء تھیں لباس وغیرہ بھی بہت کافی تھے ان سب کے پیکٹ بنوا کر میں آ گیا اور پھر میں نے ان تمام چیزوں کو ایک بڑے شاپنگ بیگ میں پیک کر دیا' حکمت بھی واپس آیا تو اس کے پاس ایک تھیلا تھا اس نے وہ تھیلا رکھ دیا اور اپنے لئے تیاریاں کرنے لگا' میں نے اپنا شاپنگ بیگ اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"دونوں بہنوں کے لئے اور ماں باپ کے لئے میں بھی کچھ خرید کر لایا ہوں حکمت ہیں اپنے ساتھ لے جانا ہے۔"

"ارے یہ اتنا سارا!"

"فضول باتوں سے گریز کرو۔"

"مگر نادر.........."

"پھر وہی۔" میں نے کہا اور حکمت ہنسنے لگا۔

"کیا کیا خرید لائے ہو؟"

"تمہارے لئے کچھ نہیں ہے سمجھے!"

"ہاں ٹھیک ہے چلو کوئی بات نہیں۔"

شام کو چھ بجے حکمت چلا گیا میں اور خالہ رقیہ گھر میں رہ گئے تھے ہم دونوں آپس باتیں کرتے رہے' خالہ رقیہ مجھے اپنے پرانے محلے کی کہانی سنا رہی تھیں پھر انہوں نے اپنے بیٹے کے بارے میں بھی تفصیلات بتائیں اور میں ان سے ہمدردی سے باتیں رہا رات کو ہم سو گئے' دوسری صبح نہ جانے کیوں میرے دل میں گوہر کا خیال آیا' تو ہر رات ہی اس کی یاد میں بسر ہوتی تھی لیکن میرے اندر اتنی جرات نہیں تھی کہ دوبارہ وہاں جا کر گوہر کا نظارہ کر سکوں لیکن آج نہ جانے کیوں دل مچل گیا تھا چنانچہ نے تیاریاں کیں اور اس کے بعد چل پڑا۔ مولانا وصال الدین کی رہائش گاہ پر پہنچنے بعد ان کے گھر کے دروازے پر دستک دی اور کچھ لمحوں کے بعد دروازہ کھل گیا' گوہر اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا' بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر ایک عجیب سی اسی چھائی ہوئی تھی میں اسے دیکھ کر چونک پڑا' اس نے بھی شاید ایک نگاہ میں ہی مجھے ان لیا تھا' پہچاننے کے بعد اس نے مجھے سلام کیا پھر ہچکچاتی ہوئی بولی۔

"اندر آ جائیں۔" اس نے میرے عقب میں دیکھنے کی کوشش بھی کی تھی' شاید کی نگاہیں حکمت کو تلاش کر رہی تھیں' اس نے پوچھ بھی ڈالا۔

"حکمت بھیا نہیں آئے؟"

"نہیں معاف کیجئے گا میں اکیلا ہی آیا ہوں۔"

"آیئے بیٹھئے۔"

"مولوی صاحب کہاں ہیں؟"

"ابا تو سخت بیمار ہیں ہسپتال میں داخل ہو گئے ہیں۔" اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور مجھے اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کا راز معلوم ہو گیا' میں نے چونک کر پوچھا۔

"کیا بیماری ہوئی ہے؟"

"نمونیہ ہو گیا ہے' ڈبل نمونیہ ہے' کافی طبیعت خراب ہے ان کی۔" وہ سسکی لے کر بولی۔" پھر کہنے لگی۔

"بس رات کو نماز پڑھا کر آئے تھے' کھانا وغیرہ کھایا تھوڑی دیر لیٹ گئے پھر تہجد کے لئے اٹھ گئے' تہجد پڑھ رہے تھے کہ کراہتے ہوئے اندر آئے اور مجھے جگا کر بولے کہ ان کے سینے میں سخت درد ہو رہا ہے' رات کے اس وقت تو کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی لیکن فجر میں جب نمازی آئے تو میں نے انہیں ابا کی طبیعت کے بارے میں بتایا پھر بیچارے ابا کی حالت دیکھ کر انہیں ہسپتال لے گئے۔"

"کون سے ہسپتال میں لے گئے ہیں؟"

"سرکاری ہسپتال ہے' یہاں سے وہ کافی فاصلے پر جو پیلی عمارت نظر آتی ہے ہسپتال ہی کی عمارت ہے۔"

"اوہو اچھا آپ گئی وہاں؟"

"نہیں۔" اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"جانا چاہتی ہیں؟"

"ہاں۔"

"برقعہ اوڑھتی ہیں آپ؟"

"ہاں۔"

"تو آیئے میں آپ کو لے کر چلتا ہوں......" اس نے ہچکچا کر میری صورت دیکھی...... دیکھتی رہی پھر جلدی سے اندر کی جانب چل پڑی پھر وہ ایک برقعہ اوڑھ کر میرے ساتھ آ گئی کسی برقعہ پوش خاتون کے ساتھ چلتے ہوئے زندگی میں پہلی بار مجھے سب کچھ بہت عجیب سا لگا' میں نے اس سے کہا۔

"ہمیں یہ کیسے معلوم ہو سکے گا کہ وہ کہاں ہیں؟"

"جنرل وارڈ میں ہیں۔" اس نے جواب دیا کچھ دیر کے بعد ہم ہسپتال پہنچ گئے ملا زیادہ نہیں تھا' وصال الدین بستر پر دراز تھے طبیعت اب خاصی بہتر نظر آ رہی تھی' بے حد کمزور ہو گئے تھے مجھے ایک نگاہ میں پہچان گئے اور پھر چونک کر گوہر کو دیکھا۔

"گوہر!" انہوں نے حیرت سے کہا۔

"ابا" گوہر ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی اور پھر ان کے پیروں پر سر رکھ کر رونے لگی۔

"ارے نہیں نہیں بیٹا کیا بات ہے کیوں اتنی پریشان ہو' کیا رفاقت اللہ نے بتایا نہیں تھا تمہیں کہ اب میری طبیعت کافی ٹھیک ہے۔"

"ابا آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

"ارے کون سمجھائے اس پگلی کو' ارے بیوقوف بیماری تو جان کی زکوٰۃ ہوتی ہے۔ زکوٰۃ نکل گئی اور کچھ نہیں ہوا ہے۔"

"ابا آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟" وہ بولی۔

"تو دیکھ لے بیٹا بالکل ٹھیک ہوں' اتنی پریشان ہو گئی' کیوں آ گئی یہاں پر' بیٹا تجھے نہیں آنا چاہئے تھا میں نے تو منع کر دیا تھا۔" خیر...... خیر معاف کرنا میاں۔ نادر ہے تمہارا نام نا؟"

"جی مولوی صاحب!"

"معاف کرنا...... گھر گئے تھے تم میرے؟"

"جی ہاں۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"حکمت؟"

"ہاں۔"

"اپنے گاؤں گیا ہے۔"

"اچھا' اچھا ویسے بھی اس بیچارے کو کیا معلوم کہ میری طبیعت اتنی خراب ہے' مگر میاں تم کیسے نکل آئے؟"

"بس آپ نے حکم دیا تھا' حاضری دینے کے لئے حاضر ہو گیا تھا وہاں گوہر صاحبہ
روتے ہوئے پایا' انہوں نے مجھے آپ کی کیفیت کے بارے میں بتایا۔"

"ہاں بس اچانک ہی حملہ ہو گیا تھا' سردی لگ گئی تھی شاید' لیکن اب اللہ کا فضل
ہے ٹھیک ہوں' البتہ یہاں کچھ مسائل درپیش ہیں۔"

"کیا؟"

"بھئی سرکاری ہسپتال ہیں' ڈاکٹر صاحبان کی یہی کیا کم مہربانی ہے کہ زندگی بچا
کے لئے جو کچھ بھی کر سکتے ہیں کرتے ہیں لیکن ذرا دوائیں وغیرہ وقت سے ملتی ہیں
سرکاری ہسپتالوں میں دوائیں ہوتی نہیں ہیں پرچہ لکھ کر دے دیتے ہیں کہ باہر سے منگا
اب دو چار دفعہ تو وارڈ بوائے وغیرہ دوائیں لے آئے لیکن ان کی عادت شاید تمہیں
معلوم ہو!"

"کیسی عادت؟"

"سو روپے کا نوٹ دیجئے اگر اسی روپے کی دوائیں آتی ہیں تو بیس روپے واپس
کرنا کسر شان سمجھتے ہیں......... اور اگر نہ دو تو پھر کہتے ہیں کہ جی ہم آپ کے نوکر تو نہیں
ہیں' دوائیں وغیرہ لانے کے لئے آپ کسی کو اپنے ساتھ رکھئے۔"

"اوہو' واقعی اس کے لئے تو آپ کو بڑی پریشانی ہوتی ہوگی۔"

"نہیں نہیں اللہ گزارہ کر رہا ہے دیکھ لو ٹھیک کر دیا۔ اسی معبود کریم نے۔"

"کب تک یہاں قیام کریں گے؟"

"یہی تو مشکل ہے' ڈاکٹر کہتے ہیں ابھی یہاں رہنا ہوگا۔"

"تو اگر گوہر صاحبہ یہاں رہیں تو کیا حرج ہے؟"

"حرج تو کوئی نہیں ہے مریضوں کے ساتھ لوگ رہتے ہیں لیکن ذرا اچھا نہ
لگتا۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں........"

"تم؟"

"ہاں۔"

"نہیں بیٹے کہاں تکلیف کرو گے میرے لئے' بہت بہت شکریہ تمہارا کم از

ردی کے یہ الفاظ کہہ دیئے۔"

"جی نہیں میں نے ہمدردی کے لئے یہ الفاظ نہیں کہے بلکہ میں آپ کے ساتھ
ہاتا ہوں' ویسے بھی گوہر صاحبہ وہاں' میرا مطلب ہے مسجد کے حجرے میں اکیلی ہیں'
پ چاہیں تو میں ان کے لئے بھی کوئی بندوبست کر سکتا ہوں۔"

"کیا بندوبست؟"

"کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔"

"نہیں بیٹے یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

"نہیں میں کچھ انتظام کر دوں گا آپ بالکل بے فکر رہیں" ویسے آپ کو کتنے دن
رہنا ہوگا؟"

"ڈاکٹروں ہی سے پتہ چل سکے گا۔"

"میں معلوم کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا پھر میں نے کافی
فروٹ وغیرہ خریدے' ڈاکٹروں سے معلومات کی تو ڈاکٹر نے کہا کہ کم از کم ایک سے
کر ڈیڑھ ہفتے تک یہاں قیام کرنا ہوگا کیونکہ دوبارہ بھی اٹیک ہو سکتا ہے' اب بھی
بت درست نہیں ہے' دوائیں دی جا رہی ہیں۔" میں نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب دواؤں کا نیا پرچہ آپ مجھے دے دیجئے۔"

"یوں لگتا ہے کہ مریض انجکشن وغیرہ منگوا نہیں سکتا۔ اب دیکھو نا ہسپتال میں جو
ائیں ہوتی ہیں وہ تو ہم استعمال کر لیتے ہیں لیکن بہت سی دوائیں ہسپتال میں دستیاب
ں ہوتیں انہیں تو باہر سے منگوانا پڑتا ہے' یہ صاحب کہتے ہیں کہ ان کے پاس پیسے
ں ہیں۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب آپ اس کی بالکل فکر مت کریں مجھے پرچہ دے دیں۔"

"سولہ انجکشنوں کا ایک کورس کروانا ہوگا' انجکشن ذرا مہنگے ہیں۔"

"آپ مجھے دے دیجئے پرچہ۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے پرچہ لکھ کر مجھے دے دیا اور تھوڑی دیر کے بعد
ملا نے انہیں وہ انجکشن بھی خرید کر دے دیئے پھر واپس ان کے پاس پہنچ گیا یہ تمام
ٹھکر میں نے ان کے سامنے لے جا کر رکھیں تو وصال الدین صاحب شرمندگی سے

بولے۔

"اب یہ کرو گے میاں؟"

"دیکھئے وصال الدین صاحب میرا آپ کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں لیکن
آپ ہی لوگ تو درس دیتے ہیں کہ انسانیت کا رشتہ اسی کائنات میں سب سے بڑا رشتہ
ہوتا ہے اور پھر آپ خود ہی اس سے گریز کرتے ہیں۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے' بس کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

"جن باتوں کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی ہے ان کے بارے میں یہ
کہ اچھا نہیں لگتا میں سمجھتا ہوں وصال الدین صاحب کم از کم آپ کی شخصیت کے مطا
نہیں ہے۔"

"پہلے آدمی ہو جس نے میری زبان بند کر دی ہے۔"

"اچھا دیکھئے وصال الدین صاحب' علاج کیونکہ آپ کا یہاں ہو رہا ہے چنانچہ
ہے یہیں ہوتا رہے' کیونکہ آپ کو اس سے فائدہ ہے' ڈاکٹروں کو انجکشن' دوائیں
خرید کر میں نے دے دی ہیں ان کا بھی اب کوئی مسئلہ نہیں ہے جہاں تک رہا گوہر صا
کا معاملہ تو میں انہیں اپنے ساتھ بھی لے جانے کی درخواست کر سکتا تھا لیکن ظاہر
آپ اس کی اجازت نہ دیتے اور یہ اچھا بھی نہ لگتا' میری ایک خالہ ہیں' خالہ رقیہ ا
کا نام میں انہیں گوہر صاحبہ کے پاس لے آتا ہوں' خدا کے لئے آپ یہ نہ سوچئے کہ
اتنی زیادہ تگ و دو کیوں کر رہا ہوں' بات وہیں آ جاتی ہے' اس وقت میں آپ کی ضرور
ہوں' یہ چھوٹے چھوٹے مسائل آپ کی ضرورت ہیں اگر میں ان ضرورتوں کو پورا کر
ہوں تو کم از کم مجھے اس کا موقع دیجئے۔" وصال الدین صاحب حیرت سے مجھے دیکھتے ر
پھر انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے میاں جو دل چاہے کرو...... یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ہے اس کا حکم ہے تو بھلا میں اس حکم سے گردن کیسے اٹھا سکتا ہوں۔"

"آپ یہاں رہیں گی گوہر صاحبہ؟"

"جیسا ابا کہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"نہیں بیٹا تم چلی جاؤ...... گھر میں رہو' ویسے اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' نمازی

رہتے ہیں' رونق کی جگہ ہے کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے اور بیٹے اگر تم اپنی خالہ کو
کچھ دن کے لئے یہاں بھیج دو تو تمہاری بڑی مہربانی ہوگی' اب جو کچھ تم میرے لئے
رہے ہو میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ خود معذور ہو گیا ہوں' عارضی طور پر ہی
جب انسان بے بسی کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر وہ ہر سہارا تلاش کرتا ہے' اگر تم یہ سہارا
دینے پر تل گئے ہو تو تمہاری مہربانی بس تمہارا شکریہ مین کیا کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر چلئے گوہر صاحبہ میں آپ کو گھر پہنچا دوں اور اس کے بعد خالہ رقیہ یہاں
آ جائیں گی اور وصال الدین صاحب آپ اطمینان رکھئے جو کچھ آپ کے ذہن میں آئے
نظر انداز کر دیجئے انشاء اللہ تعالیٰ میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے
گی۔" وصال الدین صاحب نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا' پھر میں گوہر کو لے کر
واپس چل پڑا یہ فاصلہ طے کیا' میرا گوہر مقصود وہی تھی لیکن جن حالات میں اس وقت
تھی اس میں' میں اسے جی بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا اسے اس کے گھر میں پہنچانے کے
بعد میں نے تسلیاں دیں اور پھر وہاں سے واپس چل پڑا' ایک ٹیکسی لی اور گھر پہنچ گیا' خالہ
رقیہ کو ساری صورت حال بتائی اور ان سے درخواست کی کہ اگر وہ کچھ دن کے لئے وہاں
رک سکیں تو بہت اچھا ہوگا۔

"بہت اچھی بات ہے بیٹے کسی کے کام آنا تو انسانیت کا فرض ہے' میں چلتی
ہوں۔" انہوں نے اپنے چند جوڑی کپڑے لئے اور پھر کہنے لگیں۔

"مگر گھر کی دیکھ بھال کون کرے گا......؟"

"تالا لگا دیں گے خالہ رقیہ اور پھر میں تو ہوں گا ہی...... گھوم پھر کر یہیں واپس
آؤں گا جس طرح آپ کے آنے سے پہلے گزارہ کرتا رہا تھا چند روز کے لئے گزارہ
کر لوں گا۔ پھر تو آپ واپس آ ہی جائیں گی کون سا کسی کے یہاں زندگی گزارنا ہوتی
ہے......"

"ہاں ٹھیک ہے۔" خالہ رقیہ کو لے کر جب میں وہاں پہنچا تو گوہر ہمارا انتظار کر
رہی تھی میں نے خالہ رقیہ کو اس سے ملایا تو وہ بہت اچھی طرح اس سے پیش آئیں' میں
نے گوہر سے کہا۔

"گوہر صاحبہ آپ بالکل اطمینان رکھیں آپ کے ابو ٹھیک ہو کر گھر واپس پہنچیں

گے میں ان کی پوری پوری دیکھ بھال کروں گا.........." گوہر نے میری جانب دیکھا اور
جانے کیوں میں اس کی آنکھوں میں کھو کر رہ گیا ان آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت [illegible]
جسے الفاظ کا روپ دینا میرے لئے کسی طور ممکن نہیں ہے بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ا[illegible]
میں صرف احسان مندی کے جذبات نہیں تھے بلکہ کچھ اور بھی تھا.......... پھر مجھے ا[illegible]
مشغلہ ہاتھ آگیا۔ زیادہ تر وصال الدین صاحب کے پاس رہتا تھا یا پھر ادھر آجاتا تھا مگر
بھی کبھی خبر لے لیا کرتا تھا' جہاں میں نے تالا لگا دیا تھا' حکمت مجھ سے یہ بات کہہ کر
نہیں گیا تھا کہ کب تک اس کی واپسی ہوگی' لیکن بہرحال اپنے گاؤں گیا تھا کچھ دن
وہاں لگنا ہی تھا۔ اس طرح مولوی وصال الدین صاحب کے گھر میرا باقاعدگی سے آنا جانا
گیا' دوسرے معاملات بھی سنبھال لئے گئے تھے۔ بیچارے مجبور لوگ تھے' کوئی زیا[illegible]
آمدنی نہیں تھا' چنانچہ احسانات قبول کر لیا کرتے تھے۔ اس دوران ایک اور صاحب ا[illegible]
مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے آگئے تھے' پڑوسیوں ہی نے انہیں وہاں متعین کر دیا
یوں خاصی عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی' مولوی صاحب کو مزید دس دن وہاں لگے ا[illegible]
اس کے بعد وہ ہسپتال سے رخصت ہو کر گھر واپس آگئے' میرے بے حد احسان مند [illegible]
اور بہت ہی شرمندگی کا اظہار کرتے تھے' خالہ رقیہ سے بھی وہ بڑے خلوص سے ملے ا[illegible]
کہنے لگے۔

"انسان کے دل میں اگر انسان کی اتنی قدر نہ ہو اور انسان اگر انسان کے [illegible]
لوٹ کام نہ آئے تو خداوند عالم اس زمین کو لپیٹ کر رکھ دے پھر اسے اپنے نافرمان بندو[illegible]
کی ضرورت نہ رہے' بہرحال شکریہ کہہ کر تمہاری اس محبت کو ملیامیٹ نہیں کرنا چاہتا
نادر! بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تمہیں اس کا اجر دے۔" پھر خالہ رقیہ کو میں وہاں [illegible]
لے کر آگیا' دو تین دن کے بعد حکمت بھی واپس پہنچ گیا تھا' بہت خوش تھا گھر آنے [illegible]
بعد اس نے مجھ سے بہت سی باتیں کیں' اب تک اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس دوران
ہم لوگ کیا کر چکے ہیں کہنے لگا۔

"یار بہت دن لگ گئے مجھے وہاں' تم لوگوں نے محسوس تو کیا ہوگا؟"

"بہت زیادہ۔"

"اصل میں منجھلی بہن کا رشتہ آیا تھا اور کچھ ایسے معاملات تھے کہ میرا وہاں

ضروری تھا سچی بات ہے میں وہاں نہ ہوتا تو گھر والوں کو بڑی پریشانی ہوتی' والد صاحب
اب ضعیف ہو گئے ہیں اور تمام معاملات نہیں سنبھال سکتے۔"

"تو انہیں یہاں کیوں نہ لے آئیں!؟"

"میں نے بہت کہا لیکن اصل میں بس یوں سمجھ لو کہ وہ وہیں پلے بڑھے ہیں'
پوری زندگی وہیں گزاری ہے' اس جگہ سے رشتہ نہیں توڑنا چاہتے' میری بات کو انہوں
نے رد کر دیا لیکن خیر جیسا بھی ہے وہ لوگ وہاں خوش رہیں' بس ٹھیک ہے اب نادر ہمیں
بہت سے کام کرنے ہیں۔"

"فکر ہی نہ کرو جو کچھ بھی ضرورت ہوگی سب پوری کر لیں گے' بلکہ تمہیں
چاہئے تھا کہ وہاں سے ایک فہرست بنا کر لے آتے' کب تک شادی کر رہے ہو بہن کی؟"

"خیر ابھی تو کافی دن ہیں میں اس لئے مطمئن ہوں لیکن نادر تم سے تنہائی میں کچھ
باتیں کرنی ہیں۔"

"کر لینا' یہاں کے حالات تو سن لو۔"

"کیوں خیریت کوئی خاص بات ہوگئی!؟"

"بہت خاص بات.........." اور اس کے بعد میں نے حکمت کو تمام تفصیلات بتا
دیں' حکمت تصویر حیرت بن گیا تھا' پھر وہ بولا۔

"بہرحال اب ان کی طبیعت ٹھیک ہے چلو یار ملنے چلتے ہیں۔"

"ہاں.......... ہاں چلیں گے تھوڑا سا صبر تو کر لو۔"

"ویسے تم نے بہت اچھا کیا درحقیقت ایک ایسے آدمی کو بڑے سہارے کی
ضرورت تھی۔" پھر میں اور حکمت وصال الدین صاحب کی جانب چل پڑے' وصال
الدین صاحب نے ہمارا پرجوش خیر مقدم کیا تھا' حکمت سے اس کے گھر والوں کے بارے
میں معلومات حاصل کرتے رہے پھر کہنے لگے۔

"بھئی حکمت تم نے یہ شخص کہاں سے حاصل کر لیا؟ میں اس کے سلسلے میں بڑا
الجھا ہوا ہوں۔"

"کیوں؟"

"بتاؤں گا۔" ایسا کرنا پرسوں شام کو مغرب کے بعد میرے پاس آجانا' بلکہ ایسا کرنا

عشاء کے بعد آنا' دیر تو بیشک ہو جائے گی لیکن ذرا کھل کر تفصیل سے باتیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" وعدے کے مطابق ہم اس شام وہاں پہنچ گئے تو وصال الدین صاحب نماز وغیرہ سے فارغ ہو چکے تھے کہنے لگے۔

"بیٹھو۔ بیٹھ جاؤ۔" اس وقت وہ مسجد سے کافی فاصلے پر آکر بیٹھ گئے تھے۔

"تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا نادر میاں کہ میں نے تمہیں مسجد میں داخلے سے کیوں منع کر دیا تھا؟"

"مختصر باتیں میں نے آپ کو بتائیں تھیں وصال الدین صاحب' لیکن اس کے بعد کبھی اس کا موقع ہی نہیں آیا۔"

"دیکھو حکمت سے تمہاری دوستی کا مجھے اندازہ ہو گیا ہے' تم ایک دوسرے سے اس طرح منسلک ہو کہ مجھے کسی سے بھی کوئی بات کہنے میں دقت نہیں ہوتی۔"

"جی بالکل۔"

"اصل میں تمہاری زندگی کو کوئی روگ لگا ہے.......... کوئی ایسی بھیانک بات ہوئی ہے جس نے تم سے کچھ چیزیں چھین لی ہیں' حالانکہ تمہارے اندر کا انسان بہت اچھا بہت نیک ہے' تم لوگوں کے ساتھ ایثار اور ہمدردی کرنا جانتے ہو جبکہ برائیوں کی طرف راغب لوگ ایسے جذبات اور احساسات کے مالک نہیں ہوتے' بیٹا اگر برا نہ مانو تو میں تم سے تمہاری زندگی کے حالات پوچھنا چاہتا ہوں وہ کون سے لمحات تھے اور وہ کون بدبخت تھے جنہوں نے تم سے تمہارا ایمان چھین لیا' برا مت ماننا میں تو تمہیں بہت زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں لیکن مسئلہ ذرا بالکل مختلف ہے' بیشک تم نے کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان ثابت کر دیا لیکن دانستہ یا نادانستہ تم سے جو کچھ چھین لیا گیا ہے' میں بس اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اگر تمہارا ذہن اس طرف راغب ہو تو ہو سکتا ہے میں تمہیں اس کا کوئی حل بھی بتا سکوں۔" میں سمجھ گیا تھا کہ وصال الدین صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں حکمت کے سامنے کوئی بات کہہ دینا اتنا برا نہیں تھا اگر میں وصال الدین صاحب کو اپنے ماضی کے بارے میں بتانے پر تیار ہو سکتا تھا تو پھر حکمت تو میرا نہایت ہی قابل اعتماد دوست تھا' اس سے کچھ چھپانا کیا معنی رکھتا ہے لیکن وصال الدین صاحب کو بھی تمام تفصیل بتانا ضروری نہیں تھا میں جانتا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتے ہیں اور انہیں بس

نا ہی بتا دینا کافی تھا میں کچھ لمحے خاموش رہا پھر میں نے کہا۔

"وصال الدین صاحب' بات اصل میں یہ ہے کہ میں بچپن ہی سے بے آسرا رہا ہوں' بہت چھوٹی سی عمر میں میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا ماں نے دوسری شادی کر لی جس سے اس نے یہ شادی کی تھی وہ ایک ظالم اور سنگدل انسان تھا اس نے مجھ پر بے حد مظالم کئے اور اس سے خوش رہا نتیجے میں گھر چھوڑ دیا میں نے' پھر نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا پھرا اور اس کے بعد ایک ایسے گھرانے کے ہاتھ لگ گیا جہاں جادو ٹونے اور اس قسم کی دوسری چیزوں کا تذکرہ تھا' میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا لیکن ایک ایسی خاتون نے جو میرے لئے محترم تھیں مجھے مشورہ دیا کہ میں پراسرار علوم سیکھوں اور اس کے لئے انہوں نے نہ جانے کیوں مجھے ایک ایسے شخص کے پاس بھیج دیا جو غیر مسلم تھا' بلکہ یہ کہا جانا چاہئے کہ ایک ایسے شخص کے پاس بھیجا جو بظاہر غیر مسلم نہیں تھا' میں نام نہیں لینا چاہتا کسی کا اس شخص نے مجھے ایک اور جگہ بھیجا اور وہ شخص جس کے پاس مجھے بھیجا گیا کالے علوم کا ماہر تھا اس کا نام رادھن لال تھا۔ رادھن لال نے مجھے جاپ سکھانے شروع کر دیئے میں نہیں جانتا تھا کہ جو بول وہ بول رہا ہے ان کا مفہوم کیا ہے معنی کیا ہیں اگر وہ ہندو دھرم سے تعلق رکھتا ہے تو مجھ پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں' یہ تمام معلومات مجھے نہیں تھیں۔ چنانچہ میں نے اس کے بتائے ہوئے جاپ کو مکمل کرنا شروع کر دیا' میں یہ جاپ پڑھتا رہا.........."

"ایک منٹ۔" وصال الدین صاحب بولے اور میں رک کر ان کی صورت دیکھنے لگا۔"

"کیا اس دوران تم اسی کے ساتھ کھاتے پیتے بھی رہے تھے؟"

"جی بالکل۔"

"کیا کھاتے پیتے رہے تھے؟" وصال الدین صاحب نے سوال کیا اور میں سوچ میں ڈوب گیا کچھ لمحے سوچتے رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"آپ یقین کریں میرے ذہن میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"ہوں.......... پھر آگے کہو۔"

"پہلے میں نے تین دن کا.........." میرے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ اچانک مجھے

یوں محسوس ہوا جیسے ایک چھوٹا کھردرا ہاتھ میرے منہ پر آکر جم گیا ہو۔ اس وقت مجھے کوئی چیز نظر بھی نہیں آئی تھی لیکن اس ہاتھ نے اس طرح میرا منہ بند کرلیا تھا کہ پھر ایک لفظ بھی میرے منہ سے نہ نکل سکا میں نے وہ ہاتھ ہٹانے کی جدوجہد کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا' پھر اس کے بعد میں نے طاقت صرف کرنا شروع کردی لیکن ایک چوڑی کلائی میرے ہاتھ میں آگئی تھی جو نظر نہیں آرہی تھی میں شدید جدوجہد کرنے لگا اور اس جدوجہد سے گھبرا کر حکمت جلدی سے کھڑا ہو گیا' وصال الدین صاحب بھی پیچھے ہٹ گئے' وہ گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہے تھے' میرا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور میں بدن کی پوری قوت صرف کر کے اس ہاتھ کو اپنے منہ سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا کسی نے مجھے کمر سے پکڑ کر اٹھایا اور پوری قوت سے زمین پر دے مارا' حکمت دہشت سے چیخ پڑا تھا اور وصال الدین صاحب مزید کئی قدم پیچھے ہٹ گئے تھے پھر انہوں نے جلدی سے آواز لگائی۔

"گوہر پانی...... جلدی سے پانی......" گوہر شاید پانی لینے دوڑ گئی' میری اس نادیدہ شخصیت سے مسلسل جنگ ہو رہی تھی حالانکہ زمین پر گرنے سے میری ریڑھ کی ہڈی میں خاصی چوٹ لگی تھی لیکن میں کھڑا ہو گیا تھا پھر میں نے کئی گھونسے اس کے پیٹ پر مارے جو مجھے نظر نہیں آرہا تھا لیکن ایک بار پھر اس نے میرا بازو پکڑا اور اس زور سے موڑا کہ میں دوہرا ہو گیا' پھر ایک زوردار لات میری کمر پر پڑی اور میں دیوار سے جا ٹکرایا' سر میں بھی چوٹ لگی تھی' چنانچہ میرے ہوش حواس قائم نہ رہ سکے اور میں دیوار کے ساتھ ساتھ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ خاصی دیر کے بعد ہوش آیا تھا اور میں نے اپنے آپ کو بستر پر لیٹے پایا تھا' سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی' وصال الدین صاحب ہی کا حجرہ تھا اور گوہر مجھ سے کچھ فاصلے پر موجود تھی' حکمت بھی سراسیمہ سا کھڑا ہوا تھا میں حیران نگاہوں سے ایک ایک کی صورت دیکھنے لگا' وصال الدین صاحب مسلسل کچھ پڑھ رہے تھے ان کے ہونٹوں کی جنبش بتاتی تھی کہ وہ مصروف ہیں' حکمت نے مجھے دیکھا اور پھر گوہر کی جانب دیکھا' گوہر جلدی سے آگے بڑھی اور گلاس میں رکھا ہوا پانی اٹھا کر حکمت کو دے دیا حکمت نے وصال الدین صاحب کو دیکھا اور وصال الدین صاحب نے ہاتھ آگے بڑھا دیا پانی کا گلاس لے کر انہوں نے میری جانب ہاتھ بڑھایا اور میں ان کا مطلب سمجھ کر اپنی

جگہ اٹھ کر بیٹھ گیا میں نے وہ گلاس لیا اور پانی پی لیا' جسم میں ایک عجیب سی ٹھنڈک دوڑ گئی تھی' گلاس وصال الدین صاحب کو واپس دے دیا لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ گوہر نے حکمت کو پانی کا گلاس دیا' حکمت نے براہ راست میری جانب بڑھانے کے بجائے وصال الدین صاحب کو دیا اور وصال الدین صاحب نے مجھے دیا' اس میں کیا راز پنہاں تھا بہرحال میں خاموش ہی رہا۔ گوہر اور حکمت کے چہرے پر رونے جیسے تاثرات تھے' وصال الدین صاحب نے شاید جو پڑھ رہے تھے وہ مکمل کرلیا اور پھر انہوں نے میری جانب پھونک ماری اور اس کے بعد بولے۔

"کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو جلدی سے ہاتھ اٹھا کر بولے۔

"نہیں...... ابھی وہیں رہو' دو قدم سے زیادہ آگے نہ بڑھنا۔" میں ٹھٹھک کر رک گیا اور میں نے حیرت سے کہا۔

"کیوں؟"

"بس بیٹھ جاؤ وہیں بیٹھ جاؤ۔" وہ بولے اور میں حیران سا اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ وصال الدین صاحب نے کہا۔

"بدن کی چوٹیں کیسی ہیں؟"

"چوٹیں؟"

"ہاں۔"

"اوہ...... مجھے تو ان کا خیال ہی نہیں رہا۔"

"ہوں...... کوئی حرج نہیں ہے' اب تم ٹھیک ہو۔"

"جی' لیکن آپ مجھے اٹھ کر چلنے سے کیوں منع کر رہے ہیں جبکہ میں اپنے طور پر بالکل ٹھیک ہوں۔"

"میں نے تمہارے گرد حصار قائم کیا ہے' یہ حصار کچھ وقت تک قائم رہنا ضروری ہے۔ اب تم مجھے اپنی کہانی کا بقیہ حصہ سناؤ جو ادھوری رہ گئی تھی......" گزرا ہوا وقت میرے ذہن میں ابھر آیا جس ہاتھ نے میرا منہ دبایا تھا اور جس نے مجھے اٹھا کر پٹخا تھا' یہ لوگ اس کے بارے میں نہیں جانتے تھے' لیکن میں جانتا تھا' مونگا کے سوا اور

کوئی نہیں تھا۔ مجھے پوری کہانی سنانے سے روکا تھا اس نے اس کے بعد میرے ساتھ یہ زیادتی کی تھی' میرے دل میں نفرت کا طوفان امنڈ آیا' میں نے جو کچھ کیا تھا اس کی سزا مجھے مل رہی تھی' بہرحال نہ جانے اس کے بعد کیا ہوا تھا' سر پر چوٹ لگنے سے بیہوش ہو گیا تھا لیکن خدا کا شکر ہے ایسی چوٹ نہیں تھی جو بعد میں بھی نقصان پہنچاتی لیکن یہ سب کچھ میرے لئے بہت عجیب تھا' وصال الدین صاحب کی آواز پھر ابھری۔

"مجھے بتاؤ......... بقیہ کہانی سناؤ۔"

"بات کہاں تک پہنچی تھی؟"

"یہی کہ میں نے پوچھا تھا کہ کیا تم نے اس کے ساتھ کھایا پیا بھی تھا۔"

"جی ہاں......... اس وقت میں پوری طرح اس کے جال میں آچکا تھا۔"

"پھر؟"

"تین دن کے جاپ کے بعد میں نے سات دن کا جاپ کیا' اس کا کہنا تھا کہ آخری جاپ کے بعد میرا یہ جاپ مکمل ہو جائے گا لیکن پھر ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ جس کی بناء پر سارے کام خراب ہو گئے۔"

"کیا واقعہ تھا؟" وصال الدین صاحب نے پوچھا۔

"ایک لڑکی کا معاملہ تھا........" میں نے بقیہ تفصیل بھی انہیں سنا دی اور اس کے بعد مونگا کے بارے میں بھی تفصیل میں نے دہرا دی' وصال الدین صاحب آنکھیں بند کئے غور سے سن رہے تھے اور ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے' کچھ دیر وہ سوچتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"تمہارا بیر نہیں چاہتا تھا کہ تم اس کی کہانی کسی اور کے سامنے دہراؤ' اس نے تمہیں منع کرنے کی کوشش کی اور اس کے بعد تمہارے ساتھ ہاتھا پائی پر اتر آیا۔"

"جی!"

"بہرحال جو کچھ ہوا میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں تمہاری کہاں تک غلطی ہے لیکن یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے' اللہ نے انسان کو عقل دی ہے ارواح خبیثہ' بھوت پریت' بیر' بھیروں یہ سب کالے جادو کے تحت ہوتے ہیں اور کالا جادو کفر ہوتا ہے' ایک مسلمان کی حیثیت سے تمہیں یہ سوچنا چاہئے تھا کہ تم ان غلاظتوں

میں پڑو اور اب وہ غلاظتیں تمہارے وجود میں اتر چکی ہیں' تم اندر سے گندے ہو گئے ہو' بظاہر تمہاری شخصیت میں ایک اچھے انسان کی تمام خوبیاں موجود ہیں لیکن جو گندگی تم اپنے سینے میں اتار چکے ہو اسے دھونا نہایت مشکل کام ہے' تاہم سنو میں تمہیں ایک وظیفہ بتاؤں گا' یہ تمہیں پڑھنا ہے چالیس دن تک' ہو سکتا ہے اس وظیفے سے تمہارے اندر کی گندگی صاف ہو جائے اور اس کے بعد تم اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرو تب تمہاری اصل شخصیت واپس آسکتی ہے۔"

"وصال الدین صاحب میں ایک مزدور کی حیثیت سے زندگی گزارنا پسند کرتا ہوں' نہیں چاہئے مجھے کوئی دولت' لیکن جو کچھ ہو چکا ہے خدارا مجھے اس سے چھٹکارا دلا دیجئے۔"

"میں آخری حد تک کوشش کروں گا اور ذات باری سے امید ہے کہ تم صفائی قلب حاصل کر لو۔"

"تو آپ مجھے وہ وظیفہ بتایئے۔"

"ابھی نہیں بیٹے اس کے لئے بھی مجھے اجازت لینا پڑے گی' ایسے کام اس قدر آسان نہیں ہوتے بلکہ ان کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جو دور تک پہنچتا ہے تم اب ٹھیک ہو بات ختم ہو گئی' کوئی تمہیں جو کچھ بتانے سے روکنا چاہتا تھا تم وہ بتا چکے ہو اب ایسا کرنا کہ کل شام کو مغرب کے بعد میرے پاس آجانا انشاء اللہ تمہیں وہ وظیفہ بتا دوں گا اور اس کے بعد تمہارے گرد حصار بھی کھینچ دوں گا' وہ جگہ بتا کر جہاں تمہیں وظیفہ پڑھنا ہے' سمجھ رہے ہو نا تم؟"

"جی وصال الدین صاحب!"

"جو غلاظت تمہارے وجود پر لگ گئی ہے اسے صاف کرنا بے حد ضروری ہے ورنہ تم ایمان کھو چکے ہو چاہے کتنی ہی کوششیں کرو تمہیں ایک عظیم کفارہ ادا کرنا ہے اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کر لینا۔"

"جی!" پھر اس کے بعد وصال الدین صاحب نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی تھی' راستے میں حکمت نے مجھ سے پوچھا۔

"بدن میں تکلیف تو نہیں ہے؟"

"کیا کہوں حکمت چھوڑو۔" میں نے کہا اور حکمت خاموش ہو گیا۔

O--------------O

اسی رات ایک بار پھر ماضی میرے ذہن میں زندہ ہو گیا اور میں نہ جانے کیسے کیسے احساسات میں ڈوب گیا' کہاں غلطی ہوئی تھی مجھ سے......... میں نے سوچا اور بات سیدھی سیدھی تھی سمجھ میں آ گئی' چچی جان خود تو ڈوبی ہی تھیں مجھے بھی ڈبو دیا تھا' پتہ نہیں مجھے بابا سفیدے کے پاس بھیجنے کا مقصد کیا تھا کیا چاہتی تھیں وہ کیا میرے ذریعے اپنا مستقبل بنانے کی خواہشمند تھیں بیٹے کے لئے بہتری چاہتی تھیں یا پھر یہ صرف ان کی دیوانگی تھی' جو کچھ بھی تھا یہ دیوانگی مجھے لے ڈوبی تھی اور اب دل میں ایک احساس شدت سے جڑ پکڑ رہا تھا' یہ بات تو مجھے اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ گوہر میری زندگی کا جزو بن چکی ہے' پہلی بار اس جانب توجہ ہوئی تھی اور ایک ایسی لڑکی نے میرے دل پر قبضہ جما لیا تھا جو ایک انتہائی نیک نفس اور ایک دین دار بزرگ کی بیٹی تھی لیکن جس نے میرے رگ و پے کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اب میری آنکھوں میں ہمیشہ اس کی صورت رہا کرتی تھی اور میں یہ سوچتا تھا کہ اب زندگی کو ایک نیا ہی رنگ دے لیا جائے' اس کے لئے خالہ رقیہ بھی کوششیں کر سکتی تھیں' حکمت بھی میرا دوست تھا' ایک خاندان مل گیا تھا' مجھے حکمت کے ذریعے لیکن خود وصال الدین صاحب کی نگاہ میں میری کیا وقعت رہ گئی تھی کیا بن کر سامنے آیا تھا میں ان کے' کیا ایک ایسی بزرگ شخصیت جو یہ بات جانتی ہو کہ میں اندر سے سیاہ ہو چکا ہوں اور کسی مسجد میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دینا پسند کریں گے؟ وصال الدین صاحب سے اگر اس کا ذکر بھی کیا جائے تو سخت ناراض ہوں گے اور کسی طور یہ قبول نہیں کریں گے کہ ایک بے دین ان کی بیٹی کی تقدیر کا مالک بنے اور اس کے بعد میرے اس غلام نے میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا کیا وہ بہتر تھا' دل میں نفرت کا ایک شدید طوفان اٹھا اور میں نے مونگا کو آواز دی۔

"مونگا........." تیسری آواز پر میں نے اپنے سامنے مونگا کی پرچھائیں محسوس کی اور اس کے بعد وہ اپنے سر کٹے وجود میں نمودار ہو گیا' میرے سامنے سیدھا کھڑا ہوا تھا۔

"اور تو اپنے آپ کو میرا غلام کہتا ہے؟"

"چھوڑ دو میاں جی......... چھوڑ دو اب یہ باتیں' وہ تو اچھا ہوا کہ تم جاپ پورا

نہیں کر سکے ورنہ تم جیسے لوگ قابل اعتبار نہیں ہوتے۔"

"تو نے میرے ساتھ زیادتی کی تھی مونگا!"

"اور تم کیا بتانے جا رہے تھے اس مولوی کو؟"

"تیری کہانی۔"

"تمہیں پتہ تھا کہ وہ مولوی اس کے بعد مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔"

"تجھے کیا نقصان پہنچا سکتے تھے وہ؟"

"اب کیا کہا ہے انہوں نے تم سے؟"

"وہ تو مجبوری تھی مونگا۔"

"تو دوسری مجبوری میری تھی مگر تم نے زبان کھول دی تم کیا سمجھتے ہو اتنے کمزور ہیں ہم' ارے ہمارے اوپر بھی بھیروں ہوتا ہے' سنکھا ہوتا ہے پھر کھنڈیلا ہوتا ہے' چھوٹے موٹے نہیں ہوتے ہم لوگ بھی۔ مقابلہ ہو گا تم سے اور تمہارے مولوی سے' دیکھیں گے کون جیتتا ہے۔"

"مونگا' تجھ سے میری جان کسی طرح بچ سکتی ہے؟"

"ہے ترکیب اس کی بھی۔"

"کیا ترکیب ہے؟"

"جاپ یاد کرو اور پورا کر لو' ہم نے ایک ایسے سادھو کا پتہ معلوم کیا ہے جو تم سے یہ جاپ پورا کرا سکتا ہے۔"

"لعنت بھیجتا ہوں میں تیرے جاپ پر۔"

"تو ٹھیک ہے میاں جی' پھر ہم بھی تم پر لعنت ہی بھیجتے ہیں' بگاڑ لو تم سے جو کچھ بگاڑا جا سکتا ہے ہمارا' سوچ لو ہم سے دشمنی اچھی نہیں رہے گی۔"

"اب تو تیری اور میری دشمنی چل ہی گئی ہے مونگا!"

"تو آ جاؤ میدان میں دیکھ لیں گے تمہیں......... دوسری صورت ہم تمہیں آج بتا رہے ہیں اس کے بعد کبھی نہیں بتائیں گے' وہ یہ ہے کہ ہم تمہیں سادھو کے پاس پہنچائے دیتے ہیں جاپ پورا کر لو۔ جب ہمیں ہماری گردن واپس مل جائے تو ہمیں آزاد کر

دینا اور اپنے کام سے لگنا اور اس کے بغیر اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو کر کے دیکھ لو۔"

"ٹھیک ہے مونگا نمٹ لوں گا میں تجھ سے۔"

"ہاں.......... ہاں.......... نمٹ لینا ہمیں، کون سی پرواہ ہے۔" مونگا نے کہا اور پھر میری نگاہوں سے غائب ہو گیا' میں سخت طیش میں تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں' بہرحال انتظار کرنا تھا' مولوی وصال الدین کا' ان سے ملاقات کر کے وہ وظیفہ معلوم کرنا تھا جو وہ مجھے بتانا چاہتے تھے اور جس سے میرے اندر بہتری پیدا ہونی تھی ورنہ جو کچھ اب تک پتہ چل چکا تھا وہ تو بڑا ہی افسوسناک تھا یعنی میرا دین ایمان ہی مجھ سے چھن گیا تھا' آہ.......... کیسی حماقت تھی۔ مجھے ریاض الدین کے خاندان میں نہیں الجھنا چاہئے تھا' وہ تو تھے ہی جادو ٹونے والے میری اپنی عقل نے اس وقت میرا ساتھ ہی نہیں دیا تھا لیکن اب یہ سب کچھ سوچنا بعد از وقت تھا مونگا کی دشمنی ذہن میں تھی اور بہرحال انسان کی حیثیت سے دل میں خوف کا ایک احساس بھی تھا' میں نے اس کا اظہار حکمت وغیرہ پر نہیں کیا تھا اور خاموشی سے اپنے کام کا فیصلہ کیا تھا' چنانچہ دوسرا دن میں نے شدید ذہنی انتشار کے عالم میں گزارا' حکمت نے شام کو مجھ سے پوچھا کہ کیا مجھے مولوی وصال الدین کے یہاں جانا ہے' تو میں نے اس سے کہا کہ ہاں لیکن حکمت تو میرے ساتھ نہیں جائے گا۔ اس نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہارے کسی معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔ لیکن ساتھ لے جانے میں کیا حرج ہے؟"

"نہیں حکمت' مولوی صاحب نے بھی یہ بات نہیں کہی تھی' ہو سکتا ہے وہ مجھے تنہا ہی بلانا چاہتے ہیں۔"

"جیسی تمہاری مرضی' بس یوں ہی دل ڈر رہا تھا۔"

"تم فکر مت کرو۔" پھر مقررہ وقت پر میں مولوی وصال الدین کے پاس چل پڑا' مغرب کی نماز ختم ہو گئی تھی' مسجد میں آنے والے نمازی واپس جا چکے تھے لیکن مجھے تو مسجد میں داخلے کی اجازت ہی نہیں تھی' مولوی صاحب کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا ابھی دستک ہی دے رہا تھا کہ عقب سے کسی نے میری پشت پر ہاتھ رکھ دیا' واپس پلٹا تو بس ایک پرچھائیں سی نظر آئی تھی اور یہ پرچھائیں اس تیزی سے میرے بدن میں داخل

تھی کہ میں خود بھی نہیں سمجھ پایا تھا لیکن پھر بدن کا بھاری ہونا' دل و دماغ کا قبضے سے جانا مجھے احساس دلانے لگا کہ مونگا میرے بدن میں سرایت کر چکا ہے میرے دل و جھنجھنا کر رہ گئے تھے اسی وقت گوہر نے دروازہ کھول دیا مجھے دیکھ کر اس کے چہرے نتقابلیہ تاثرات پھیل گئے اور اس نے گردن خم کر کے مجھے اندر آنے کا راستہ دے دیا .... میرے قدم' میری مرضی کے بغیر اندر کی جانب اٹھ رہے تھے' مولوی صاحب پائی پر بیٹھے ہوئے تھے غالباً چائے پی رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔

"گوہر بیٹے چائے لے آؤ.......... معاف کرنا سر میں کچھ درد ہو رہا تھا' حالانکہ میں یہی سوچا تھا کہ تمہارے ساتھ چائے پیئوں گا لیکن.........." انہوں نے میری طرف ما اور پھر سکتے کے سے عالم میں رہ گئے' گوہر اندر کی جانب چل پڑی تھی' مولوی دب پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتے رہے میرا دل چاہا کہ چیخ کر ان سے کہوں کہ لوی صاحب اس وقت میں اپنے آپ میں نہیں ہوں خدارا اپنے بچاؤ کا کوئی بندوبست ہے' لیکن میں یہ نہ کہہ سکا' وہ بیچارے ہڑبڑا کر دونوں ہاتھ چارپائی کی پٹی پر ٹکا کر اپنی کٹی لی ٹانگوں کے ساتھ نیچے کودے لیکن اس وقت تک میں ان پر لپک پڑا تھا' اور میرے تو میں وہی منحوس خنجر تھا جو پہلے بھی استعمال ہو چکا تھا' اس سے پہلے کہ مولوی صاحب لو کہتے میں نے خنجر کا اتنا بھرپور وار ان کی گردن پر کیا کہ ان کی گردن بھٹے کی طرح ان کے شانوں سے جدا ہو کر نیچے جا پڑی اور ان کا نچلا دھڑ بری طرح تڑپنے لگا تب ہی مونگا برے بدن سے نکل آیا اور اس گردن کی جانب لپکا' پھر اس کے دونوں ہاتھوں نے گردن ٹھائی اور اپنے شانوں کے بیچ رکھ لی' پھر وہ گردن کے سرے ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے لگا اور گردن کو گھما گھما کر اپنے بدن پر جمانے لگا میرے اعصاب کی تو جان ہی نکلی ہوئی تھی ہانچہ میں اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا' مونگا دیر تک گردن کو اپنے شانوں پر ٹکانے کی کوشش کرتا رہا اور اس کے بعد اس نے گردن جھلا کر دیوار پر دے ماری۔

"سسری یہ بھی ٹھیک نہیں آ رہی.........." اس نے کہا اس وقت دروازہ کھلا اور لا آدمی اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے خوف بھری نگاہوں سے اندر کا منظر دیکھا پھر مجھے دیکھا اور اس کے بعد چیختے ہوئے بھاگ نکلے' پتہ نہیں کون تھے اور کیوں مولوی صاحب کے پاس آئے تھے لیکن مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ بہت ہی سنگین صورت حال پیدا ہو گئی

ہے' پھر اچانک ہی مجھے ایک چیخ سنائی دی یہ چیخ اندر سے آئی تھی اور گوہر کے علاوہ
کسی کی نہیں تھی چنانچہ بے اختیار میرے اعصاب مشتعل ہو گئے اور میں اندر دوڑ
مجھے خیال گزرا تھا کہ گوہر چائے لے کر باہر آ رہی ہو گی اور اس نے مولوی صاحب
بے سر کے بدن کو دیکھ لیا ہو گا' یہ چیخ اسی وجہ سے اس کے حلق سے نکلی ہے' کیا
سنگین صورت حال ہو گئی تھی' میرے فرشتوں کو بھی اس کا گمان نہیں تھا' لیکن اس دا
جو کیفیت میری ہو گئی تھی وہ میں ہی جانتا تھا۔ میں دیوانہ وار اندر داخل ہوا اور یہاں
میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا' چائے کی پیالی زمین پر پڑی ہوئی تھی اور اس
پلیٹ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی' گوہر اندر موجود نہیں تھی' میں نے نہ جانے کیسی آ
میں اس کو پکارا۔

"گوہر...... گوہر کہاں ہو تم......" پھر میں آگے بڑھا' اندر سے مسجد کا درو
کھلا ہوا تھا میں برق رفتاری سے اس دروازے کی جانب دوڑا لیکن اچانک ہی میرے
پر بوجھ سا محسوس ہوا اور اس زور کا دھکا پڑا کہ میں الٹ کر اندر آ پڑا نیچے گرنے۔
خاصی چوٹ لگی تھی میں بمشکل تمام اٹھ کھڑا ہوا' تب ہی مجھے خیال آیا کہ میں نے ای
پاک جگہ داخل ہونے کی کوشش کی ہے ایک ناپاک انسان بھلا خدا کے گھر میں کیسے دا
ہو سکتا ہے چنانچہ دھکیل دیا گیا تھا' ایک عجیب دہشت مجھ پر سوار تھی' یہ سمجھ میں نہ
آ رہا تھا کہ گوہر کہاں گئی' عقل نے ساتھ چھوڑ دیا تھا پھر باہر سے کچھ آوازیں ابھریں' بہ
سے لوگ شور مچا رہے تھے اور مجھے یہ سمجھنے میں دقت نہیں ہوئی کہ اندر ہونے وا
قتل کی اطلاع باہر لوگوں کو ہو گئی ہے' چنانچہ میں برق رفتاری سے دروازے سے نکل
بھاگا اور ایسا بھاگا کہ شاید اس سے پہلے اتنی تیز رفتاری کا مظاہرہ میں نے کبھی نہیں کیا
لیکن اپنے عقب میں' سب لوگوں کی چیخیں سن رہا تھا۔

"دوڑو بھاگو' پکڑو...... قاتل بھاگ رہا ہے' ہاں...... ہاں وہی ہے' جانے
پائے......"

"بندوق ہے کسی کے پاس تو فائر کرو اس نے مولوی صاحب کو قتل کر دیا ہے
بھاگو......" وہ بھاگ رہے تھے اور میں بھی بھاگ رہا تھا' اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ
ہو کر لیکن جو دل کی کیفیت تھی وہ اللہ ہی جانتا ہے یہاں تک کہ میں ان لوگوں کو پیچ

ھوڑ آنے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے بعد نہ جانے کتنی دیر تک میں بھاگتا رہا تھا بس
ایک دیوانگی ایک جنون' یہ بھی بھول گیا تھا کہ کیوں بھاگ رہا ہوں' زندگی بچانے کے لئے
عالم جنون میں' آبادیاں ویران پڑی ہوئی تھیں' انسان سکون سے گہری نیند سو رہے تھے
بلکہ میری بے سکونی بے پناہ تھی پھر ایک طرف کچھ روشنیاں سی نظر آئیں اور شاید
روشنیاں انسانی فطرت میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں' تاریکیوں کا مسافر روشنی کی جانب
ہی دوڑتا ہے' روشنی انسان کی ازلی ضرورت ہے۔ میرے قدم بھی اسی جانب بڑھ گئے
تعاقب کرنے والوں کا خدشہ نہیں رہا تھا' وہ تو بہت پیچھے رہ چکے تھے' اس لئے دوڑنا ختم کر
دیا اور سست رفتاری سے ان روشنیوں کی جانب بڑھنے لگا۔ سینہ دھونکنی بنا ہوا تھا' سانس
سینے میں نہیں سما رہا تھا لیکن رفتہ رفتہ کیفیت معتدل ہو گئی۔ میں نے ایک جھونپڑا ہوٹل
دیکھا آس پاس چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں' قرب و جوار میں ٹرک کھڑے ہوئے تھے' غالباً یہ
ایسی کوئی جگہ تھی جہاں ٹرک ڈرائیور حضرات بیٹھ کر آرام کیا کرتے تھے' چائے اور کھانا
وغیرہ وہاں مل رہا تھا۔ ایک طرف ایک درخت کے نیچے کچھ لوگ سو رہے تھے' پھر میں
نے ایسے لوگوں کو جگہ جگہ لیٹے ہوئے دیکھا' گویا یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہر انسان کے
لئے گنجائش ہو سکتی ہے' سوچتا تھا پہلے کہ اب کیا کروں' کیفیت ہی ایسی ہو گئی تھی' گھر کی
جانب رخ کر سکتا تھا لیکن سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کرنا کیا چاہئے۔

بہرحال وہاں پہنچ کر میں بھی ایک چارپائی پر بیٹھ گیا' ایک پٹھان لڑکا میرے قریب آ
گیا۔

"چائے لے آؤ" میں نے اس سے کہا۔

"اور کچھ ساتھ صاحب؟"

"جو دل چاہے لے آؤ۔" میں نے جواب دیا اور آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو
سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا' بہت سی بوتلیں اور شیشیاں ایک اسٹینڈ میں پھنسائے ایک
شخص بوتلیں بجاتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔

"مالش صاحب!"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"سارا تھکن اتار دے گا صاحب!"

"یار میں نے چائے منگوائی ہے۔"

"چائے پی لو صاحب بعد میں مالش کرے گا۔" نہ جانے کیوں میرے منہ سے "ٹھیک ہے" نکل گیا اور وہ وہیں بیٹھ گیا۔ ہوٹل کا لڑکا چائے کے ساتھ پراٹھے بھی لے آ اور میں نے چائے پینا شروع کر دی' پراٹھا کھانے کو دل نہیں چاہا تھا' مالش والا کہنے لگا۔

"صاحب پراٹھا نہیں کھاتا آپ؟؟"

"تم کھالو" میں نے کہا اور اس نے خوشی سے دونوں پراٹھے میرے سامنے سے اٹھا لئے پھر شاید اپنے لئے چائے بھی طلب کر لی تھی۔ میں نے کسی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور چائے کے گھونٹ لیتا رہا' ذہن کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا واقعات اس قدر سنگین نوعیت اختیار کر جائیں گے سوچا بھی نہیں تھا' چائے سے فراغت حاصل ہوئی تو مالشئے نے سر پر مالش شروع کر دی' یہ درحقیقت اس کے ہاتھوں کا جادو تھا کہ دماغی کیفیت اعتدال پر آنے لگی' وہ مالش کرتا رہا اور میں سوچتا رہا' مونگا نے بالآخر مولوی وصال الدین کا صفایا کر دیا تھا گویا میری بہتری کے راستے بند ہو گئے تھے۔ یہ قتل بھی اس بدبخت نے میرے ہی ہاتھوں کروایا تھا لیکن اس سے زیادہ تشویش کی بات گوہر کی گمشدگی تھی' کیا گوہر نے بھی مجھے قتل کرتے دیکھ لیا' اگر ایسی بات ہے تو ظاہر ہے اس کے دل میں میرے لئے نفرت کے سوا اور کچھ نہیں رہے گا اور یہ احساس میرا دل ڈبو رہا تھا' مولوی صاحب کی موت اپنی جگہ ایک بدتر سانحہ تھی لیکن زندگی میں پہلی بار عشق کا مزا چکھا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے سوا میری زندگی میں اور کوئی مسئلہ نہیں ہے' لیکن بہرحال اس سنگین نوعیت کا پوری طرح احساس تھا جو پیدا ہو گئی تھی' ویسے تو اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ کوئی میرا سراغ لگا لے' مولوی وصال الدین صاحب کے پاس تو بے شمار افراد آیا کرتے تھے اور لوگ ان پر توجہ نہیں دیتے تھے لیکن گوہر کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہے اس پر کیا بیت رہی ہوگی۔ مگر وہ گئی کہاں.........؟ بہت دیر تک سوچتا رہا اب سوچنے سمجھنے کی قوتیں بحال ہو گئی تھیں' میں نے سوچا کہ بیچارے حکمت اور رقیہ خالہ کو مصیبت میں نہیں پھنسانا چاہئے۔ میری تو ایک بار پھر مٹی پلید ہو گئی تھی' ہو سکتا ہے پولیس سراغ لگاتی ہوئی وہاں تک پہنچ ہی جائے۔ ایسی صورت میں ان لوگوں کو بھی زندگی کے عذاب سے گزرنا ہوگا چنانچہ بہتر یہ ہے کہ وہ جگہ چھوڑ دی جائے لیکن کیا

کو بتائے بغیر......... حکمت اتنا اچھا نوجوان تھا اور رقیہ خالہ سے اس قدر محبت ملی تھی کہ اب ان کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا لیکن میری بدبختی اور مجبوریاں مجھے کہیں نہیں ٹکنے دے رہی تھیں پھر بھی میں نے یہی فیصلہ کیا کہ وہاں جاؤں اور حکمت کو صورت حال بتاؤں' ویسے اس وقت حکمت ہی ایک ایسا دوست تھا جو بعد میں بھی رابطے رکھ سکتا تھا اور مجھے بتا سکتا تھا کہ گوہر کا کیا ہوا۔ اس فیصلے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ گیا ہوٹل کا بل دیا۔ مالشئے کو پیسے دیئے اور پھر شہر جانے کا راستہ پوچھنے لگا' یہ جگہ میرے لئے اجنبی تھی لیکن اس میں کوئی دقت نہیں ہوئی' کچھ فاصلے پر مجھے ایک رکشہ مل گیا اور میں اس میں بیٹھ کر چل پڑا' رکشہ کو میں نے اپنے گھر سے کافی دور رکوا لیا تھا اسے کرایہ دینے کے بعد میں پیدل آگے بڑھ گیا' قرب و جوار میں گہرا سناٹا تھا پتہ نہیں حکمت اور خالہ رقیہ جاگ رہے ہوں گے یا سو گئے ہوں گے' بہرحال اپنے گھر میں داخلہ اتنا مشکل نہیں ہوتا میں اندر پہنچ گیا۔ رقیہ خالہ کے کمرے میں روشنی تھی اور مجھے وہاں سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں' میں نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر اپنے کمرے کی جانب چل پڑا' میرے کمرے میں روشنی ہوئی تو رقیہ خالہ اور حکمت دونوں میرے پاس آ گئے' حکمت نے کہا۔

"یار بڑی دیر لگا دی' خیریت تو ہے اور یہ سر میں تیل؟" میں ہنسنے لگا میں نے کہا۔

"ہاں حکمت ذرا سر میں مالش کروالی تھی۔"

"ارے یہ نیا شوق کیسے پیدا ہو گیا؟"

"بس یار ہو گیا" میں نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا پھر رقیہ خالہ سے بولا۔

"آپ سوئی نہیں' رقیہ خالہ؟"

"تمہارا انتظار کر رہے تھے بیٹے!"

"آپ لوگ آرام سے سو جائیں' حکمت تم چاہو تو تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ جاؤ' رقیہ خالہ آپ آرام کیجئے' مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو اب تک جاگنا پڑا۔"

"نہیں بیٹے بس یوں ہی نیند نہیں آ رہی تھی' سب خیریت تو ہے نا؟"

"جی بالکل خیریت ہے۔"

"اچھا میں چلتی ہوں۔" رقیہ خالہ نے کہا اور وہاں سے چلی گئیں۔ حکمت بغو
مجھے دیکھ رہا تھا کہنے لگا۔

"یار ضرور کوئی خاص بات ہے' کم از کم اب اتنی بات تو مان لو ہماری کہ ہ
تمہاری رگ رگ سے واقف ہو چکے ہیں۔"

"بیٹھو حکمت دروازہ بند کر دو۔"

میں نے سنجیدگی سے کہا اور حکمت نے حیرانی سے مجھے دیکھا پھر واپس مڑ کر
دروازہ بند کر دیا' اس کے بعد وہ میرے پاس آبیٹھا۔

"کیا بات ہے نادر' مجھے بتاؤ تو سہی؟"

"حکمت بہت برا ہو گیا۔"

"کیا ہوا آخر؟"

"حکمت وصال الدین صاحب قتل ہو گئے۔"

"کیا؟" حکمت اچھل پڑا۔

"ہاں' بیچارے وصال الدین صاحب میری وجہ سے مارے گئے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"بتا تو رہا ہوں یار!"

"مم...... مگر...... کیسے' کیسے......؟"

"حکمت وہ بدبخت آسیب جو میرے وجود سے چمٹا ہوا ہے بھلا کب یہ چاہتا کہ
مولوی وصال الدین مجھے اس جنجال سے نکال دیتے جو اس کا پھیلایا ہوا ہے۔"

"تو پھر؟"

"جو کچھ تم نے دیکھا وہ تو تمہیں معلوم ہی ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"وہ میرے وجود میں سرایت کر گیا اور اس نے میرے ہی ہاتھوں وصال الدین
صاحب کو قتل کرا دیا۔"

"میرے خدا......" حکمت نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"اور اس سے بھی زیادہ دلدوز بات یہ ہے حکمت کہ گوہر پراسرار طور پر غائب ہو

"کیسی منحوس خبریں سنا رہے ہو" حکمت نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور میرے
ا پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔"

"ایک منحوس انسان منحوس خبریں ہی سنا سکتا ہے حکمت!"

"نہیں یار کیسی باتیں کر رہے ہو' جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں بھلا اس
ید کیسے کی جا سکتی ہے۔"

"پھر بھی حکمت وہ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہئے تھا' آج بحالت مجبوری یہ بات تم
نے پر مجبور ہوں کہ مجھے گوہر سے محبت ہو گئی ہے۔ حکمت شاید اس کے بغیر زندگی
ے لئے بے کیف ہو جائے' شاید میں حالات کا مقابلہ نہ کر سکوں اور زندگی کھو دینے
ارے میں سوچوں۔ حکمت گوہر کے باپ کا قاتل مجھے ہی قرار دیا جائے گا حالانکہ یہ
م جانتے ہو کہ مولوی وصال الدین سے مجھے کس قدر عقیدت تھی' مجھے ایک امید
گئی تھی کہ مولوی صاحب کی وجہ سے میں اس مصیبت سے نکل جاؤں گا لیکن
ت تقدیر میں یہ سب کچھ نہیں تھا۔"

"آہ...... یہ کیا ہو گیا......؟"

"ہاں حکمت۔ جو کچھ ہوا ہے' وہ میری زندگی کا شاید سب سے بدترین حادثہ

"مگر اب کیا ہو گا؟"

"میں نہیں جانتا حکمت کہ وہ لوگ پولیس کو میری نشاندہی کر سکیں گے' لیکن گوہر
ے بارے میں سب کچھ جانتی ہے۔ اسے علم ہے کہ میں ہی مولوی وصال الدین
ب کے پاس آیا تھا' وہ کہاں گئی یہ مجھے نہیں معلوم لیکن جب اسے حقیقتوں کا علم ہو گا
لا مجھ سے نفرت کرے گی' حکمت اس کی نفرت میرے لئے سب سے بڑا تازیانہ ہے۔
لا مجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں' لیکن فی الحال میں نے جو کچھ سوچا ہے براہ کرم تم
ے غور سے سنو۔"

"کہو......" حکمت رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

"میرا اب یہاں رہنا درست نہیں ہو گا مجھے یہاں سے جانا پڑے گا۔"

“کہاں؟”

“کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن.........”

“ہاں......... لیکن کیا.........؟”

“میں یہ شہر ابھی نہیں چھوڑ سکتا۔”

“تو پھر کہاں رہو گے؟”

“کوئی ٹھکانہ تلاش کر لوں گا۔”

“یہ کیسے ہو سکتا ہے؟”

“جذباتی باتیں مت کرو حکمت‘ یہ ہونا ہے۔”

“لیکن پھر بھی.........”

“نہیں حکمت اس سلسلے میں کوئی ضد نہ کرو میری ہی نہیں تمہاری اور خالہ رقیہ کی سلامتی کا سوال ہے اور پھر حکمت تمہارے پیچھے ایک پورا گھرانہ ہے‘ دیکھو میرے دوست کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں کرنا‘ میں اپنی تمام چیک بکیں سائن کئے دیتا ہوں جو رقم بینکوں میں جمع ہے اس کے بارے میں تمہیں پورا پورا اختیار ہے‘ ضرورت کے وقت نکالتے رہنا‘ میری فکر بالکل مت کرنا میں اپنی تنہا ذات کے لئے کہیں سے بھی بندوبست کر لوں گا‘ خالہ رقیہ کا بھی خیال رکھنا اور اپنی بہنوں کا بھی‘ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے‘ ہو سکتا ہے وقت مجھے اس کی مہلت دے کہ میں تمہارے ساتھ دوبارہ رہ سکوں‘ اس لئے یہ گھر بھی نہ چھوڑنا اور یہاں زندگی بسر کرنا‘ میری واپسی کا انتظار کرنا‘ ویسے اس دوران میں تم سے رابطہ رکھوں گا‘ اب تمہاری ذمے داری یہ ہے کہ ساری معلومات حاصل کرتے رہو‘ میرا خیال ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں اور تم ساتھی تھے۔ تم اپنے طور پر وصال الدین صاحب کے پاس جایا کرتے تھے اسی طرح وہاں جاتے رہنا‘ ہاں اگر گوہر مل جائے تو اسے سمجھانے کی کوشش کرنا کہ اس کے باپ کا قتل میں نے نہیں کیا وہ ایک آسیب ہے جو وصال الدین کا قاتل ہے‘ حکمت‘ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہنا اس کی تلاش جاری رکھنا۔ میں تم سے کسی نہ کسی شکل میں رابطہ کرتا رہوں گا......... سمجھ رہے ہو نا؟”

“یار تمہارے بغیر.........”

“دیکھو حکمت مصلحت وقت کی ضرورت ہوتی ہے‘ ہم نے اگر جذباتی طور پر قدم ئے تو میں بھی مارا جاؤں گا اور تم بھی......... مجھے تو خیر اپنی پرواہ نہیں ہے لیکن تمہارا پورا خاندان ہے‘ جس کی حفاظت ضروری ہے‘ حکمت میرے دوست جو کچھ میں کہہ ہوں‘ اگر تم وہی کرو گے تو مجھے اپنے مشن کی تکمیل میں آسانی ہوگی۔”

“ٹھیک ہے نادر۔” حکمت نے بدستور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

“تو پھر اب میں ذرا چیک بکیں وغیرہ سائن کر دوں‘ ایک بار پھر کہہ رہا ہوں ی ہونے کی ضرورت نہیں‘ جذبات کے بجائے عقل سے کام لینا اس وقت زیادہ ب ہوگا۔ تم میری طرف سے بالکل لاتعلق رہو گے‘ پولیس اگر یہاں تک پہنچ بھی ے تو بالکل اعتراف مت کرنا کہ تم نادر نامی کسی شخص کو جانتے ہو‘ سمجھ رہے ہو نا؟”

“ٹھیک ہے جیسا تم کہو۔” پھر تمام ضروری امور طے کرنے کے بعد میں نے گھر ڑ دیا‘ آدھی رات کو گھر سے نکلنا بھی ایک مشکل امر تھا لیکن میں زیادہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا اس کے بعد میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ عارضی طور پر ٹرک کا وہ اڈہ ہی ے لئے زیادہ مناسب ہے‘ زمین پر سوتے ہوئے لوگ دنیا کے جھگڑوں سے آزاد‘ وہاں یں سکون ہی ہوگا‘ اپنے لئے کوئی جگہ بنا ہی لوں گا اور اس کے بعد میں اس جانب چل ا۔

☆------------☆------------☆

یہ جگہ واقعی میرے لئے گوشہ عافیت ثابت ہوئی تھی‘ کسی نے مجھ پر غور نہیں یا‘ میں نے حلیہ بھی ذرا ایسا ہی بنا لیا تھا۔ اپنے لئے اتنے پیسے لے آیا تھا کہ اخراجات ں کوئی دقت نہ ہو‘ مٹی کی تخلیق جب مٹی سے ہم آغوش ہوتی ہے تو لطف ہی دوبالا ہو جاتا ہے‘ آرام دہ مسہریاں ایئرکنڈیشنڈ اور دنیا کی ہر آسائش انسان آسانی سے قبول کر لیتا ہے‘ لیکن زمین کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے‘ مجھے بڑا سکون ملا تھا پھر صبح کو کسی نے کندھا پکڑ کر جگایا اور میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ بڑی بڑی مونچھوں والا ایک تندرست و توانا آدمی تھا۔

“ٹرک دھوئے گا جواناں!” اس نے سوال کیا۔

“ایں!” میں حیرت سے بولا۔

"میں بولتا ہے ٹرک دھوئے گا!" ایک لمحے میں بات میری سمجھ میں آ گئی اچھا موقع تھا اپنے آپ کو اس ماحول میں ضم کرنے کا' میں نے جلدی سے کہا۔

"کیوں نہیں دھوئے گا صاحب!"

"اوئے جیتا' رہ جیتا......... آ جا پھر........." اس نے کہا اور مجھے لے کر ایک ٹرک کے پاس پہنچ گیا' میں نے دوسرے لوگوں کو بھی دیکھا' ٹرک دھو رہے تھے' ڈرائیور آپس میں بات چیت کر رہے تھے' چائے پی رہے تھے' میں نے یہی غنیمت سمجھا کہ پہلے یہاں تھوڑی سی جگہ بنا لوں باقی سب کچھ بعد میں دیکھا جائے گا' چنانچہ میں دوسروں کی طرح بالٹی میں پانی لے کر ٹرک دھونے لگا......... اور میں نے یہ پورا ٹرک صاف کر دیا' مونچھوں والا شخص پھر میرے پاس پہنچ گیا اس نے ٹرک دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

"محنتی لڑکا لگتا ہے' ابھی سنو کدھر رہتا ہے تم؟"

"یہیں خان صاحب' کوئی ٹھکانہ اور نہیں ہے۔"

"اوئے جیتا رہ......... جیتا رہ' کلینر بنے گا اپنا؟"

"کیوں نہیں خان صاحب؟"

"تو پھر تیرا ڈیوٹی پکا۔ ہمارا نام جمعہ خان ہے ابھی ہمارے ساتھ رہو' تم کو بیس روپیہ روز دے گا' چلے گا!"

"بالکل چلے گا۔"

"کیا نام ہے تیرا؟"

"نادر!" میرے منہ سے بچ نکل گیا۔

"جیتا رہ جیتا رہ نادر خاناں ابھی جاؤ ناشتہ کرو ہمارے حساب میں اور یہ آج کا بیس روپیہ رکھو......... مگر ٹھہرو ناشتہ ہمارے حساب میں کرے گا تم۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور بعد میں مجھے ساری تفصیلات معلوم ہو گئیں' یہاں لوگوں سے گھل مل گیا تھا پتہ چلا کہ جمعہ خاں ٹرک لے کر جاتا ہے اس کے ساتھ دو کلینر ہوتے ہیں پھر اس کا ٹھکانہ یہی ہے کیونکہ یہاں اس کی ٹرانسپورٹ کمپنی کا اڈہ ہے' میں نے سوچا کہ کوئی حرج نہیں ہے' ماحول میں ذرا سی تبدیلی بھی ہوتی رہے گی جہاں تک معاملہ رہا وصال الدین کے قتل کا تو واپس تو آنا ہی رہوں گا' اگر کوئی سنگین صورت

حال پیش آئی تو کم از کم بھاگ نکلنے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ سب کچھ مجھے پسند آیا اور میں نے اسے مستقل اپنا لیا' دوسرے دن ہم لوگ ٹرک پر مال لوڈ کرا کر روانہ ہو گئے تھے۔ رات کو سفر کا آغاز کیا گیا تھا ساری رات سفر جاری رہا صبح کو ایک ویرانے میں قیام کیا گیا ٹرک کو درختوں کی چھاؤں میں کھڑا کر دیا گیا اور جمعہ خاں زمین پر چادر بچھا کر سو گیا۔ ہم میں سے ایک کی ڈیوٹی تھی جو دن میں ٹرک کی نگرانی کرتا' دوسرا کلینر جس کا نام حفیظ خاں تھا' رات کو سو گیا تھا۔ ٹرک کے پچھلے حصے میں بیٹھ کر میں جمعہ خان کے ساتھ رہا تھا اور باتیں کرتا رہا تھا چنانچہ مجھے بھی اس وقت سخت نیند آ رہی تھی' میں بھی درخت کے دوسرے حصے میں چادر بچھا کر سو گیا اور پھر دوپہر تک ہم لوگ سوتے رہے۔ دوپہر کو جمعہ خاں اٹھا ساتھ لایا ہوا کھانا وغیرہ کھایا جو موٹی موٹی روٹیوں اور بھنے ہوئے گوشت پر مشتمل تھا اور ایک بار پھر سفر کا آغاز ہو گیا۔ پھر ایک طویل سفر طے کر کے ہم ایک شہر پہنچ گئے اس کا نام دلاور نگر تھا۔ دلاور نگر میں بھی ایسا ہی ایک اڈہ بنا ہوا تھا جہاں ٹرک ان لوڈ ہوا' بہرحال پانچویں دن ہم واپس پہنچے تھے اور یہ چار دن میرے حساب سے بہت خوشگوار گزرے تھے' بالکل نئی ہی زندگی تھی یہ اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کچھ دن یہاں با آسانی گزارے جا سکتے ہیں۔ اب کم از کم دو دن کی چھٹی تھی چنانچہ اس رات آدھی رات کے قریب میں چوروں کی طرح چھپتا چھپاتا اپنے گھر پہنچا۔ گھر کا ماحول سنسان تھا حکمت اپنے کمرے میں سو رہا تھا' رقیہ خالہ اپنے کمرے میں تھیں' بہرحال حکمت کو اس وقت جگانا اچھا تو نہیں لگا لیکن راتوں رات مجھے واپس بھی جانا تھا چنانچہ میں نے حکمت کو جگایا اور وہ مجھے دیکھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔

"تم آ گئے!"

"ہاں حکمت......... کیا خبریں ہیں؟"

"تھے کہاں؟"

"بتا دوں گا تم پہلے مجھے یہ بتاؤ........."

"نہیں کچھ نہیں قاتل نامعلوم ہے اسے مذہبی جنونی قرار دیا جا رہا ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ کسی مذہبی جنونی نے مولوی وصال الدین کو قتل کر دیا اور ان کی بیٹی کو اغوا کر لیا ہے۔"

"گوہر کو........." میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"ہاں گوہر لاپتہ ہے' پولیس میں رپورٹ درج ہو گئی ہے جو محلے والوں نے کروائی ہے کچھ نے یہ کہا کہ انہوں نے قاتل کو دیکھا ہے اور ضرورت پڑنے پر اسے پہچان سکتے ہیں' بس اس سے زیادہ کوئی اور معلومات قاتل کے بارے میں فراہم نہیں کی گئیں' گوہر لاپتہ ہے' پولیس بہرحال اسے اپنے طور پر تلاش کر رہی ہے لیکن تم خود سمجھتے ہو کہ یہ سب کچھ اس پیمانے پر نہیں ہو گا جس پیمانے پر ہونا چاہئے' بھلا پولیس کو کیا پڑی ہے کہ ایک معمولی آدمی کی بیٹی کی بازیابی کے سلسلے میں جدوجہد کرے۔"

"مولوی وصال الدین کا قتل تو سمجھ میں آتا ہے لیکن گوہر کی گمشدگی کا راز نہیں کھلتا۔"

کہاں ہو میرے دوست' تم یقین کرو میری زندگی کی خوشیاں تو ادھوری ہو گئی ہیں۔"

"ہو سکتا ہے وقت ہمیں پھر سے ملا دے' میرا خیال ہے مجھے اپنے بارے میں تمہیں اس سے زیادہ تفصیل نہیں بتانا چاہئے' یہی تمہارے حق میں بھی بہتر ہے اور میرے حق میں بھی' میں پھر تم سے ملاقات کروں گا' گوہر کے بارے میں اپنی جدوجہد جاری رکھنا۔"

"یہ کہنے کی بات نہیں ہے۔"

"اچھا میں چلتا ہوں۔"

"اتنی جلدی؟"

"ہاں دشمن سے کبھی غافل نہیں رہنا چاہئے تم صورت حال کو سمجھ رہے ہو' مونگا میرا دشمن ہے اور اس کمبخت کے پاس آسیبی قوتیں ہیں وہ پولیس کو یہاں تک بھیج سکتا ہے اچھا پھر خدا حافظ۔"

"رقیہ خالہ سے نہیں ملو گے؟"

"پھر وہی جذباتی باتیں۔"

"نہیں میں تو یوں ہی کہہ رہا تھا۔"

"چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور اس کے بعد میں وہاں سے واپس نکل آیا۔

☆------------☆------------☆

جمعہ خان بہت اچھا آدمی تھا' دیکھنے میں خطرناک' پتھر کی طرح سخت' لیکن اندر سے بے حد نرم طبیعت کا مالک' مجھ سے اسے کچھ زیادہ ہی انسیت ہو گئی تھی' ہر طرح سے خیال رکھتا تھا' حالانکہ اس بیچارے کے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ میری اصلیت کیا ہے' میں بھی اپنے آپ کو گم رکھنے کے لئے اس کے ساتھ بڑے مخلصانہ طور پر کام کر رہا تھا اور وہ میرے کام سے بھی خوش تھا' اس نئی زندگی میں میں نے اپنے آپ کو ضم کر لیا تھا' لیکن دل میں بس ایک پھانس چبھتی رہتی تھی' گوہر آخر کہاں گئی' مجھے اس کا کچھ پتہ نہیں چل پا رہا تھا' اور میرا دل اس کے لئے روتا تھا' لیکن کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس کی بنا پر میں اسے تلاش کر سکوں' حکمت سے خفیہ ملاقاتیں ہوتی رہتیں تھیں وہ میرے لئے بہت روتا تھا' لیکن میں اسے بہت تسلیاں دیتا تھا اور کہتا تھا کہ حکمت بالآخر یہ برے دن ٹل جائیں گے اور ایک بار پھر ہم یکجا ہوں گے تم ہمت نہ ہارنا اور مستقبل کے لئے سرگرداں رہنا' بہت سے مشورے بھی دیئے تھے میں نے اسے' اس نے اپنے پرانے کام سے توبہ کر لی تھی اور مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ بھوکا مر جائے گا لیکن اب کسی کی جیب پر ہاتھ نہیں ڈالے گا' البتہ میرے مشورے سے اس نے ایک چھوٹے سے کاروبار کی داغ بیل ڈال لی تھی اور اس میں مصروف ہو گیا تھا۔ میں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ اپنے ماں باپ اور بہنوں کو بھی یہیں بلا لے اور اس نے مجھ سے کہا تھا وہ کوشش کر رہا ہے' وہی بات دہرائی تھی اس نے کہ اس کے والدین اپنی قدیم جگہ نہیں چھوڑنا چاہتے' لیکن اب آہستہ آہستہ وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ انہیں شہر میں منتقل ہو جانا چاہئے......... یہ معاملات چل رہے تھے لیکن زندگی اگر ایک ساکن سطح بن جائے تو اسے زندگی ہی نہیں کہا جا سکتا اس میں انتشار ضروری ہے' تبدیلیاں ضروری ہیں' چنانچہ وہ تبدیلیوں کی رات تھی' ہم ٹرک لے کر سفر کر رہے تھے اور اپنی منزل تک پہنچنے میں ہمیں صرف دو گھنٹے باقی تھے' رات کا وقت تھا' بلکہ رات گزر چکی تھی اور سہانی صبح نمودار ہونے لگی تھی کہ اچانک برق رفتاری سے دوڑتے ہوئے ٹرک کے اگلے ٹائر کو گولی مار کر برسٹ کر دیا گیا۔ فائر کی آواز صاف سنی گئی تھی اور اس کے بعد ٹرک اچھلنے لگا تھا۔ جمعہ خان ایک ماہر ڈرائیور تھا ورنہ اگر کوئی اور ہوتا تو اس رفتار سے دوڑتے ہوئے ٹرک کو کنٹرول نہیں کر

سکتا تھا' بمشکل تمام اس نے اسٹیئرنگ سنبھال کر ٹرک کو سائیڈ کیا' اور اس کے بعد سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"ٹائر پھاڑا گیا ہے' ڈاکو لوگ لگتا ہے۔" اس نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ ٹرک پر اندھا دھند فائرنگ ہونے لگی۔ یہ فائرنگ سڑک کے نشیب سے کی جا رہی تھی اور جمعہ خاں کی طرف کا رخ تھا۔

"اترو اترو' جلدی کرو۔" جمعہ خاں نے کہا اور میں بائیں جانب کی کھڑکی کھول کر نیچے کود گیا' ٹرک چونکہ سڑک کے بالکل کنارے آ چکا تھا اور مجھے دوسری طرف کا اندازہ نہیں تھا کہ ادھر کیا ہے' ادھر سڑک کے دوسری جانب گہرائی تھی اور ٹرک اس گہرائی کے بالکل کنارے پر رکا تھا۔ چنانچہ نیچے اترتے ہوئے میرے قدم نہ سنبھل پائے اور میں لڑھکتا ہوا نیچے تک چلا گیا۔ وہ تو شکر ہے کہ کانٹے وغیرہ یا نوکیلے پتھر یہاں نہیں تھے ورنہ زخمی ہو جاتا۔ گولیاں اس رفتار سے چل رہی تھیں کہ بیان سے باہر' ٹرک کا اگلا شیشہ چور چور ہو چکا تھا اور اس کی باڈی میں جگہ جگہ سوراخ ہوتے جا رہے تھے۔ پھر شاید جمعہ خاں نے بھی فائرنگ شروع کر دی' اس بات کا مجھے علم تھا کہ اس کے پاس پستول رہتا ہے' لیکن جس انداز میں دوسری جانب سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں ان کے سامنے جمعہ خان کے اس پستول کا کوئی مقام نہیں تھا پھر جمعہ خاں کی ہلکی ہلکی کراہیں سنائی دیں اور اس کے بعد دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں' ڈاکو چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔

"دیکھو اور بھی ساتھی ہوں گے اس کے جلدی کرو' پولیس چوکی قریب ہی ہے' فائرنگ کی آواز سن لی جائے گی ابھی سناٹا ہے۔" پھر وہ لوگ ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ میں اپنی جگہ ہکا بکا بیٹھا ہوا تھا' یہاں تک کہ میں نے دو آدمیوں کو دیکھا جو کنارے پر نظر آئے تھے۔ انہوں نے اپنے چہرے کالے کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔

"وہ رہا ایک اور ہے۔" اور اس کے بعد انہوں نے وہیں سے میرا نشانہ لے کر فائرنگ شروع کر دی' میں نے دہشت سے آنکھیں بند کر لی تھیں' میرے پاس بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا' لیکن اچانک ہی میں نے محسوس کیا کہ میرے سامنے ایک پرچھائیں سی آ کر رک گئی ہے اور میں اس منحوس پرچھائیں کو میں اچھی طرح پہچانتا تھا......... مونگا، میرے

ہن نے آواز لگائی' وہ لوگ گولیاں برساتے رہے اور گولیاں مونگا کے جسم پر لگتی رہیں' پھر کہیں دور سے پولیس گاڑی کا سائرن سنائی دیا اور دونوں ڈاکو دوڑ پڑے' میں اپنی جگہ ساکت تھا تب میں نے مونگا کا رخ تبدیل ہوتے ہوئے دیکھا......... پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"چوٹ تو نہیں لگی میاں جی؟"

"منحوس کتے تو نے مجھے کیوں بچایا ہے؟" جواب میں مونگا کا قہقہہ سنائی دیا۔

"کتنی بار پوچھو گے میاں جی' ہماری کھوپڑیا تمہارے چکر میں غائب ہوئی ہے۔ جب تک جاپ پورا نہیں کر لو گے جیتے رہو گے' بعد میں تم جانو اور تمہارا کام' ارے ہماری تو مجبوری ہے کہ تمہاری حفاظت کریں۔"

"کمینے مونگا تو نے میرے ہاتھوں مولوی وصال الدین کو بھی قتل کرا دیا۔"

"تو دیکھو نا بڑے میاں ہماری ہی کاٹ میں لگے ہوئے تھے' ارے دیا رے دیا سارا جیون بغیر کھوپڑی کے کاٹنا پڑتا۔ مرنا تو تھا ان بڑے میاں کو ورنہ ہمارا کیا ہوتا؟؟"

"اور ان کی بیٹی وہ کہاں ہے؟"

"لو اب ساری ہی باتیں بتا دیں تمہیں' دیکھو ہم پھر کہہ رہے ہیں' اگر ہمارا کام کرنے کو تیار ہو جاؤ تو ہم تمہیں سنت راج بنسی کے پاس لے جائیں گے وہ تمہارا جاپ پورا کرا دے گا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو بھٹکتے رہو جیون بھر جتنا جیون ہے۔ ہم بھی کوشش کریں گے کہ تمہیں لمبی سے لمبی زندگی ملے۔"

"مجھے صرف اتنا بتا دے کہ گوہر کہاں ہے؟"

"مل جائے گی وہ بھی مل جائے گی' پر اس سے جب ہماری کھوپڑی ہمیں مل جائے۔" پولیس گاڑیاں قریب پہنچ چکی تھیں اور پولیس والے رائفلیں لئے دوڑیں لگانے لگے تھے' مونگا اچانک میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ روشنی پھوٹ چکی تھی' پولیس والوں نے مجھے دیکھ لیا اور نشیب میں اتر آئے پھر انہوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اوپر لے آئے' میں نے جمعہ خان اور حفیظ خان کی لاش دیکھی لاتعداد گولیاں ان کے بدن میں لگی تھیں۔ ٹرک سے سامان بھی لوٹا گیا تھا' انہوں نے مجھ سے میرے بارے میں معلومات حاصل کیں اور میں نے انہیں جھوٹ سچ باتیں بتائیں۔ بہرحال اس کے بعد

کارروائی ہوتی رہی۔ ٹرک لوٹا گیا تھا' مجھے شہر لے جایا گیا۔ پولیس تھانے میں میری جان نکل رہی تھی۔ جمعہ خان جیسے مشفق دوست کی موت کا بے حد افسوس تھا' لیکن اس سے زیادہ خوف اس بات کا تھا کہ کہیں مجھے مولوی وصال الدین کے قاتل کی حیثیت سے شناخت نہ کرلیا جائے۔ ساری کاروائیاں ہوتی رہیں۔ واپس اس شہر میں لایا گیا جہاں ٹرک اڈہ تھا' وہاں سے میرے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں اور اس کے بعد نہ جانے کیا کیا ہوتا رہا' لیکن شکر تھا کہ میری شناخت نہ ہو پائی' البتہ ایک بار پھر میں بے سہارا ہو گیا تھا' جمعہ خان کی موت کے بعد کسی اور کے ساتھ کام کرنے کو دل نہیں چاہا تھا چنانچہ بس زندگی گزارتا رہا' ٹرک اڈے پر ہی پڑا رہتا تھا۔ کبھی کبھی شہر نکل جاتا تھا۔ حکمت سے بھی ملاقات ہو جاتی تھی......... پھر جمعہ خان کی موت کے بعد تقریباً کوئی ڈھائی مہینہ گزر گیا۔

ایک دن میں ایک بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک کار میرے پاس آکر رکی۔ کار سے ایک معمر خاتون نکلی تھیں' عجیب و غریب شخصیت تھی۔ عمر چالیس سال سے اوپر ہی اوپر ہوگی۔ لیکن اپنے آپ کو سولہ سال کا بنانے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور مجھے دیکھتی رہیں۔ پھر مسکرا کر میرے قریب آگئیں۔

"ہیلو!"

"جی!"

"تمہاری صورت کا میرا ایک ملازم تھا' کیا تمہارا کوئی بھائی بھی ہے؟"

"نہیں بیگم صاب' میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"جی نادر۔"

"اتنے ہمشکل ہو تم میرے اس ملازم کے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ بہت اچھا انسان تھا' کیا کرتے ہو تم؟"

"جی کچھ نہیں۔"

"دیکھو برا مت ماننا' انسان کے دل میں اگر کبھی کوئی بات آتی ہے تو اسے کہہ دینے میں کوئی ہرج نہیں ہے' اگر تم چاہو تو میرے پاس ملازمت کر سکتے ہو۔"

"جی بیگم صاب۔"

"میرا نام بیگم فریدہ ہے اور میں ایک سوشل ورکر ہوں۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتے ہو' رہائش' تنخواہ' کھانا' تم میرے پاس خوش رہو گے۔"

میں نے حیرت سے ان خاتون کو دیکھا' پتہ نہیں کیوں اس قدر مہربان ہو گئی تھیں مجھ پر' لیکن زندگی کی گاڑی آگے بڑھانے کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ تو تلاش کرنا ہوتا ہے' میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کر کے کہا۔

"آپ کی مہربانی ہے جی جو آپ نے مجھے اس قابل سمجھا۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی خدمت کر سکتا ہوں۔"

"گڈ۔ مجھے موقع پر فیصلہ کرنے والے لوگ بہت پسند ہیں۔ نادر بتایا ہے نا تم نے اپنا نام؟"

"جی بیگم صاحبہ!"

"نادر گاڑی میں بیٹھو' اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے برابر بیٹھ جانا' میں آتی ہوں ابھی۔"

"ڈرائیور اسے اپنے پاس بٹھاؤ۔" انہوں نے ڈرائیور سے کہا اور ڈرائیور نے گردن ہلا دی' بیگم صاحبہ ایک اسٹور میں داخل ہو گئی تھیں' پھر وہ وہاں سے باہر نکلیں۔ غالباً کچھ خریدا تھا انہوں نے' اس کے بعد وہ آکر گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئیں اور گاڑی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک خوبصورت سی کوٹھی میں داخل ہوئے تھے۔ یہ بیگم فریدہ کی رہائش گاہ تھی' انہوں نے ایک ملازم کو بلا کر کہا۔

"نادر کو اپنے ساتھ لے جاؤ' برابر کے کوارٹر میں جگہ دو' یہ ہمارے ساتھ اکرم کی جگہ کام کرے گا۔"

"اکرم کا ہمشکل ہے بی بی صاب۔" ملازم نے کہا۔

"ہاں۔"

"آؤ۔" چنانچہ اب یہ نئی جگہ مجھے مل گئی اور اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو اس ماحول میں ضم کرنے کی کوشش کی' بیگم فریدہ بہت اچھی خاتون تھیں' میرے ساتھ کم از کم بہت اچھے انداز میں پیش آتی تھیں' لیکن ان کا رکھ رکھاؤ کچھ اچھا نہیں محسوس ہوتا

تھا' اب دنیا سے اتنی ناشناسی بھی نہیں رہی تھی کہ بیگم صاحبہ کے اطوار نہ پہچان سکوں۔ یہاں اکثر خوبصورت لڑکیاں آتی تھیں اور کاریں آکر رکتی تھیں' کاروں میں آنے والے یہاں راتیں گزار کر جاتے تھے اور ایک عجیب سا ماحول سامنے آرہا تھا۔ رفتہ رفتہ میں اس ماحول کو سمجھتا جارہا تھا' میں نے رمضان بابا سے کہا۔

"رمضان بابا! یہ لڑکیاں کون ہوتی ہیں اور یہ راتوں کے مہمان کون کون ہوتے ہیں؟" رمضان بابا نے مجھے گھور کر دیکھا اور بولے۔

"میاں تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے' تم تو آرام سے رہ رہے ہو' یہاں' کھاتے پیتے رہو' سب ٹھیک ہے' مالکوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔" میں خاموش ہو گیا۔

پھر ایک رات جب میں سونے کے لئے جارہا تھا کہ بیگم صاحبہ نے مجھے طلب کر لیا اپنے ڈرائنگ روم میں تنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔ سامنے کچھ بوتلیں رکھی ہوئی تھیں' مجھ سے مسکرا کر بولیں۔

"بیٹھو نادر!" میں فرش پر بیٹھنے لگا تو انہوں نے کہا۔

"نہیں صوفے پر بیٹھو۔"

"جی بیگم صاب!"

"دیکھو جو کہا جائے وہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔"

"شکریہ بیگم صاب!" میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یہاں خوش ہو؟"

"جی!"

"لو یہ شربت پیو" انہوں نے ایک گلاس میری جانب بڑھایا تو میں ہچکچا کر بولا۔

"نہیں بیگم صاب جی' میں تو یہ نہیں پیتا۔"

"پھر وہی؟ پیو۔"

"نہیں جی!"

"اچھا میں تمہارے لئے کوک لاتی ہوں' کوک تو پیتے ہو نا۔" میں خاموش ہو گیا۔ بیگم صاحبہ خود اپنی جگہ سے اٹھیں اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ پھر انہوں نے ایک بوتل

لا کر میرے سامنے اسے کھولا اور میری جانب بڑھا دیا پھر وہ مجھ سے میرے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔ میں نے ان کی ہدایت پر کوک پی لی تھی' اس سے پہلے بھی کوک پی تھی لیکن یہ مزہ بالکل مختلف تھا' رفتہ رفتہ میری آنکھیں بوجھل ہوتی گئیں اور اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔ پتہ چلا تھا کہ بیگم صاحبہ کسی طرح کوک میں کوئی نشہ آور چیزیں ملا لائی تھیں۔

بہرحال اس کے بعد میری کیفیت کچھ عجیب سی رہی' انوکھے خواب دیکھتا رہا' ایسے خواب جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ لیکن یہ خواب........ میں نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا اور پھر جب خوابوں سے آنکھ کھلی تو مجھے پتہ چلا کہ جو خواب میں رات بھر دیکھتا رہا ہوں وہ خواب نہیں تھے' بلکہ ان خوابوں کی ساتھی میرے پاس موجود تھی' بیس بائیس سال کی ایک لڑکی اور جس کیفیت میں وہ میرے ساتھ تھی اور میں خود جس حال میں تھا اسے دیکھ کر خود میری آنکھیں شرم سے بند ہو گئیں........ لیکن پھر مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں وحشت زدہ سا ہو گیا تھا' لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پاگل لگتے ہو بالکل' جاؤ وہ سامنے واش روم ہے اور یہ اپنا لباس لے جاؤ۔" اس نے کہا۔

"تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" میں غرائی ہوئی آواز میں بولا اور وہ ہنستی ہوئی بے حیائی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا' آہ یہ کیا ہو گیا۔ یہ سب کچھ کیا ہو گیا اور اس سے بیگم فریدہ کا کیا مقصد ہے۔

☆------------☆------------☆

برائی بہت جلد انسان کو اپنی جانب راغب کر لیتی ہے۔ میرے وجود میں شراب اتار دی گئی تھی اور اس کے بعد مجھے عورت کی جانب متوجہ کیا گیا تھا' رفتہ رفتہ یہ عادتیں میری طلب بنتی گئیں۔ بیگم فریدہ کے پاس برائیوں کے انبار تھے۔ چنانچہ میں اس غلاظت میں ڈوبتا چلا گیا۔ اور اس کے بعد باقاعدہ ایک عیاش طبع انسان بن گیا۔ اب مجھے ساری صورت حال معلوم ہو چکی تھی۔ بیگم فریدہ ایک بری عورت تھی اور جس قدر برائیاں اس کوٹھی میں ہو سکتی تھیں وہ ہو رہی تھیں اور میں بھی ان کا ایک حصہ بن گیا تھا بیگم فریدہ مجھ پر بہت زیادہ اعتماد کرنے لگی تھیں اور مجھے اپنے اہم معاملات میں شریک رکھتی تھیں۔

یوں خاصا وقت گزر گیا۔ گوہر کی یاد اب بھی میرے دل میں تھی۔ لیکن میں مایوس ہو گیا تھا اور اس مایوسی کے بعد میں نے حکمت سے بھی ملنا بند کر دیا تھا اسے میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں رہتا ہوں کیا کرتا ہوں۔ چنانچہ بے چارہ خود تو مجھے تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ اب میں عموماً بیگم فریدہ کے ساتھ اس کی کار میں ہوا کرتا تھا اور وہ مجھے نہ جانے کیسے کیسے برائیوں کے راستے پر لے جاتی رہتی تھی۔ میری اپنی شخصیت کچھ بھی نہیں رہی تھی۔ اب میں صرف حکم کا غلام تھا۔

اس رات میں اپنے کمرے میں بستر پر لیٹا حالات پر غور کر رہا تھا اور نہ جانے کیا کیا سوچیں میرے ذہن میں آ رہی تھیں کہ اچانک مجھے ایک تبدیلی کا احساس ہوا۔ کوئی میرے قریب آیا تھا۔ بہت عرصے کے بعد میں نے مونگا کو اپنے قریب پایا۔ وہ اپنی اصل حیثیت سے نمودار ہو گیا تھا اور میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"مردود تو مسلسل میرے پیچھے لگا رہ۔ میں دیکھتا ہوں تو میرا کیا بگاڑ لیتا ہے۔"

مونگا نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش کھڑا رہا۔ یہ ذرا اس کی فطرت کے خلاف تھا آج اس کی زبان زہر نہیں اگل رہی تھی۔ میں اسے برا بھلا کہتا رہا اور وہ خاموشی سے میرے سامنے کھڑا رہا تب میں نے کہا۔

"تجھ پر اوس کیوں پڑ گئی ہے۔ بول کیا چاہتا ہے مجھ سے؟"

"مہاراج کچھ کہنا چاہتا ہوں آپ سے۔" مونگا کی آواز نڈھال سی تھی۔

"ہاں، ہاں کہہ۔ کیا بکواس کرنا چاہتا ہے؟"

"مہاراج ایک کٹھنا میں پڑ گیا ہوں میں۔" اس نے کہا اور میرے حلق سے خوشی کا ایک قہقہہ نکل گیا۔

"ارے واہ۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ میرے لئے اس سے بڑی خوشخبری بھلا اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"نہیں مہاراج بات میرے اکیلے کی نہیں ہے۔ میں جاؤں گا تو تم بھی جاؤ گے۔ سمجھ رہے ہونا۔"

"کچھ نہیں سمجھ رہا کہ تو کیا بکواس کر رہا ہے۔"

"جو کٹھنا مجھ پر پڑی ہے مہاراج اس میں تمہارا بھی حصہ ہے۔"

"تم نے تو مجھے بیچ کا رکھ دیا۔ نا اپنا رکھا نہ نا کسی اور کا۔ اب ایک اور ہے جو مجھ پر اپنی شکتی آزما رہا ہے۔ تم مجھے آزاد نہیں کرو گے اور وہ مجھے پا نہیں سکے گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ میرے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس سے میرے جیون پر آ بنی ہے۔"

"تیری بکواس میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی۔"

"ایک کالے جادو والا ہے نام ہے دھوما' ذات کا چمار' میرے لئے جاپ کر رہا ہے۔ پاپی بڑا ہی کٹھور ہے اور کسی طور نہیں مانے گا' پر ہم بیروں کی ریت بھی عجیب ہوتی ہے۔ ہم مصیبت میں پھنس جاتے ہیں اگر کوئی ایک ہم پر قبضہ جما لے اور پھر دوسرا بھی کوشش کرے۔ تم نہیں سمجھ سکتے مہاراج ہمارا یہ کالا جیون بھی ختم ہو جاتا ہے۔ میں نہیں مرنا چاہتا اس لئے تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"تم ہی اکیلے ہو جو سب کچھ کر سکتے ہو۔ کوئی اور اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔"

"مگر میں کیوں کروں گا؟ تو نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے بعد کیا تو امید رکھتا ہے کہ میں تیرے ساتھ کوئی بھلائی کروں گا۔"

"اور اگر اس میں دونوں کے فائدے ہوں تو؟"

"میرا کیا فائدہ ہو سکتا ہے کمینے' تو نے میری محبت لوٹ لی' مجھ سے سب کچھ چھین لیا ہے۔"

"دوش ہمارا بھی نہیں تھا ارے تمہاری کھوپڑی اتار لی جائے اگر تو کیا تم خوشی سے جیو گے؟"

"لیکن اب کیا چاہتا ہے مجھ سے؟"

"مہاراج سودا کر لو ہم سے۔"

"کیسا سودا؟"

"پریمیکا ہے نا تمہاری ایک؟"

"ہاں۔" میں نے چونک کر کہا۔

"ہم تجھے اس سے ملا دیتے ہیں۔ تم ہمارا کام کر دو۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے؟" میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بکواس نہیں مہاراج جو کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں۔ بولو کرو گے ہمارا کام؟"

"اور اگر تو مجھ سے فریب کر رہا ہو تو!"

"نہیں مہاراج پہلے تمہارا کام پھر ہمارا۔"

میں ناقابل یقین نگاہوں سے مونگا کو دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔

"تو پھر بتا کہ گوہر کہاں ہے؟"

"یہاں سے دور ایک اور شہر ہے مہاراج وہاں آرام سے رہ رہی ہے۔ بہت سے ٹیڑھے میڑھے حالات پیش آئے اس کے ساتھ پر ہم نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"تو ہی لے گیا تھا اسے؟"

"ہاں مہاراج!"

"پھر تو نے کیا کیا؟"

"بس دیا آ گئی ہمیں اس پر۔ ہم نے اسے ایک گھر میں پہنچا دیا جہاں اس کے دیکھنے والے بہت سے ہیں۔ بڑی عزت سے رکھا ہوا ہے انہوں نے اسے۔ اور ایک بات اور بتا دیں اسے اپنے پتا کی موت کا پتہ چل چکا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتی وہ کہ اسے تم نے قتل کیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ اس کے من میں تمہارے لئے پریم ہے اور وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اسے رکھا ہوا ہے۔"

"ان میں سے ایک حاجی ستار ہے۔ کاروبار ہے اس کا۔ گوہر کو اپنی بیٹی کی طرح چاہتا ہے اور کوئی نہیں ہے اس کا سنسار میں۔ تمہاری پریمیکا پر جان دینے لگا ہے وہ۔ بڑے آرام سے رکھا ہوا ہے اسے۔ اور تمہاری پریمیکا نے اسے تمہارے بارے میں بھی بتا دیا ہے۔"

"کیا؟"

"یہی کہ تم اس کے پریمی ہو۔ اس کے منگیتر ہو۔"

"گوہر نے یہ سب کچھ کیا ہے؟"

"باقی کام ہم کر دیں گے مہاراج جب تم ان کے پاس جاؤ گے وہ تمہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ بولو اگر تمہاری پریمیکا تمہیں مل جائے تو ہمارا کام کرو گے؟"

"میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں مونگا!" میں نے فوراً ہی جواب دیا۔ گوہر کے بارے میں یہ سب کچھ سن کر میں باقی ساری باتیں بھول چکا تھا۔

"تو پھر اٹھو ہمارے ساتھ چلو۔ چھوڑو یہ جگہ جہاں تم آ پھنسے ہو۔"

میں ایک بار پھر دھوکہ کھانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس منحوس آسیب پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن گوہر کا نام ایسی اہمیت رکھتا تھا کہ سب کچھ بھول کر میں اس کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گیا اور اب چونکہ وہ خود مصیبت میں پھنسا ہوا تھا چنانچہ میرا بھرپور ساتھ دے رہا تھا۔ اس نے مجھے بہت کچھ مہیا کیا اور اس کے بعد مجھے ٹرین سے ایک لمبا سفر کرنا پڑا۔ باقی لوگوں سے تو اب کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ چنانچہ میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو گیا۔ وہ جگہ جہاں ہم پہنچے تھے۔ عزیز پور کے نام سے مشہور تھی۔ اچھا خاصا چھوٹا موٹا شہر تھا۔ صاف ستھرا اور خوشنما۔ پہاڑی سلسلے کے قریب تھا اس لئے موسم بھی بہت اچھا تھا۔ مونگا میرے ساتھ ایک کوٹھی تک آیا۔ خوش نما بنگلے کا دروازہ بند تھا اس نے کہا۔

"اندر چلے جاؤ اور مونگا پر یقین کر لو پر خبردار اپنے بارے میں کسی اور کو کچھ نہ بتانا۔ حاجی ستار تم سے مل کر خوش ہو گا۔ سارا بندوبست ہے ہمارے پاس۔"

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس گوہر نایاب کو میں کھو چکا ہوں وہ دوبارہ اس طرح میری زندگی میں دوبارہ شامل ہو جائے گا۔ جب میں گیٹ کے قریب پہنچا تو مونگا نے آخری بار مجھ سے کہا۔

"اور دیکھو مہاراج' ایک بات ہم بتائے دے رہے ہیں ہمارا کام ہونے سے پہلے کوئی اور کام نہ کرنا۔ ورنہ نقصان کے ذمہ دار خود ہو گے۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ اپنی پریمیکا سے نہ تو شادی کی سوچنا کیونکہ تمہارا دین دھرم بیچ میں ہے اور نہ ہی اسے یہاں سے لے جانے کی کوشش کرنا۔ بس یہاں رہو اور اس کے بعد ہم تمہیں اپنا کام بتائیں گے وہ کام تمہیں کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور اس کے بعد میں دھڑکتے دل کے ساتھ گیٹ سے اندر داخل ہوا ایک ملازم نے مجھے دیکھ کر کہا۔

"کیا بات ہے جناب؟ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"یہاں گوہر رہتی ہیں؟"

"حاجی صاحب کی منہ بولی بیٹی؟"

"ہاں اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں جی رہتی ہیں۔"

"اور حاجی ستار موجود ہیں؟"

"وہ بھی ہیں۔"

"تم ان سے کہہ دو کہ نادر ملنا چاہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب آپ یہاں رکو۔" ملازم نے کہا اور اندر چلا گیا۔

کچھ لمحوں کے بعد دروازہ بہت زور سے کھلا حاجی ستار کے ساتھ گوہر بھی باہر آئی تھی۔ اس وقت میں ایک صاف ستھرے لباس میں ملبوس تھا۔ چہرہ وغیرہ بھی صاف شفاف کر لیا تھا۔ گوہر نے مجھے دیکھا اور سکتے کے عالم میں رہ گئی۔ حاجی ستار آگے بڑھا اور اس نے کہا۔

"تم نادر ہو؟"

"جی۔"

"گوہر کے منگیتر؟"

"جی۔" میں نے جواب دیا۔

حاجی ستار نے گوہر کی جانب دیکھا اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ پھر حاجی نے ستار نے کہا۔

"گوہر بیٹی یہی نادر ہیں؟"

"جی۔" گوہر نے آہستہ سے جواب دیا۔

حاجی ستار مجھ سے بغل گیر ہو گیا پھر کہنے لگا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم نادر۔ کیا اس طرح سے ہونا چاہئے تھا؟"

"بس جناب کیا عرض کروں۔ کچھ ایسی ہی الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا میں۔"

"آؤ۔ اندر آؤ۔ گوہر مجھے تمہارے بارے میں سب بتا چکی ہے۔ میں اسے ہمیشہ دیتا رہتا تھا کہ بیٹا انسان اگر زندہ ہوتا ہے تو کبھی نہ کبھی ضرور اپنوں سے آملتا ہے۔ ضرور اسے مل جاؤ گے۔ ہم اسی امید پر جی رہے تھے۔"

موگنا کا کہنا بالکل درست تھا۔ یہاں تو مجھے ایسا ماحول ملا تھا کہ خود میری اپنی بھی دل حیران رہ گئی تھی۔ پتہ نہیں گوہر کا برین واش کس طرح کیا گیا تھا۔ ماضی کی کوئی بات یہاں نہیں تھی پہلے کی نسبت وہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف نظر آئی۔ تنہائی میں اس سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے کہا۔

"گوہر۔ گزرے ہوئے واقعات تمہیں یاد ہیں؟"

"یاد کیوں نہیں۔ ابا جی کی موت کے بعد میں نہ جانے کیسے طلسم میں پھنس گئی تھی۔ نہ جانے کیوں میرا ذہن ماؤف ہو گیا تھا اور اس کے بعد حاجی صاحب نے مجھے سہارا دیا ورنہ نہ جانے میرے ساتھ کیا ہوتا اور اب حاجی صاحب مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتے ہیں۔ ان کا بھی دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ مجھے کوئی دقت نہیں ہوتی۔"

"گوہر کیا تم نے یہاں مجھے اپنا منگیتر ظاہر کیا ہے؟" میں نے کہا اور گوہر حیرت سے مجھے دیکھنے لگی۔

"تو کیا میں نے جھوٹ کہا ہے؟"

میں نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ بہرحال وہ طلسم زدہ تھی۔ موگنا نے نہ جانے کس طرح اس کے ذہن میں بٹھا دی تھی کہ میری اس سے منگنی ہو چکی ہے۔ اب میں اس کی تردید نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر میں یہیں رہنے لگا۔ حاجی ستار کا سلوک میرے ساتھ بہت اچھا تھا اور وہ ہر طرح سے میری دلجوئی کرتے تھے۔ گوہر کے ساتھ میرا بہترین وقت گزر رہا تھا۔ تقریباً دو ہفتے ہو گئے تھے مجھے یہاں آئے ہوئے اور نہ جانے کیوں یوں لگ رہا تھا جیسے زندگی کو ایک محور مل گیا ہے اور اس کے بعد بھی زندگی خاصی خوشگوار

رہے گی۔ پھر اک بار مونگا نے مجھ سے ملاقات کی میرے کمرے میں آگیا تھا۔ اب اس کا انداز بہت بدل گیا تھا۔ کہنے لگا۔

"مہاراج۔ پندرہ دن ہو گئے آپ کو یہاں آئے ہوئے۔ اب میرے کام کی بھی سوچو۔"

"ہاں' کیونکہ تم نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ اس لئے میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا لیکن یہ بتا کہ مجھے کرنا کیا ہوگا؟"

"دھوما چمار اپنا ایک اگن منڈپ بنا کر بیٹھا ہوا ہے اور اس نے مجھے قبضے میں کرنے کے لئے جاپ شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اس کا وہ اگن منڈپ کہاں ہے؟"

"میں تمہیں وہاں تک پہنچا سکتا ہوں لیکن وہ ہے بہت خطرناک' تمہیں اس سے ہر طرح کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔"

"اس کے بعد میں گوہر کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا نا؟"

"وشواش کرو مہاراج' تم نہ صرف کامیاب ہو جاؤ گے بلکہ میں تمہیں اتنا کچھ دے دوں گا کہ تمہارا جیون آرام سے گزرے گا مگر یوں سمجھ لینا کہ کام بہت مشکل ہے۔"

"میں اس کام کو آسان کرنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر سنو۔ یہاں سے کافی فاصلے پر ہندو دھرم کی آبادی ہے وہاں انہوں نے مندر وغیرہ بنا رکھے ہیں اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے شمشان گھاٹ بنایا ہے۔ شمشان گھاٹ کے دوسرے سرے پر دھوما چمار کا اگن منڈپ ہے۔"

"مگر پریشانی کیا ہے؟"

"پریشانی یہ ہے کہ جب تک دھوما کو اس کے اگن منڈپ سے نکالا نہیں جائے گا یہ کام ہونا مشکل ہے یہ کام سنت راج بنسی بھی نہیں کر سکا۔"

"سنت راج بنسی کا نام تو نے پہلے بھی لیا ہے۔"

"ہاں مہاراج وہ ہمارا ہمدرد ہے مگر دھوما چمار کالے جادو والا ہے اور وہ بہت آگے نکل چکا ہے۔"

"تو بس ٹھیک ہے مجھے کوشش کرنے دے۔ تو مجھے اس کے بارے میں پورا پتہ بتا دے۔"

تب اس نے مجھے اس جگہ کا پتہ بتا دیا اور میں اس کا کام کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ ظاہر ہے گوہر کو ان تمام باتوں کے بارے میں بتانا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں گوہر سے کچھ کام کا کہہ کر وہاں سے چل پڑا حالانکہ میرے ذہن میں کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں کس طرح یہ کام کروں گا لیکن بہرحال اب جو کچھ بھی تھا کوشش تو مجھے کرنی ہی تھی۔ اس کام کو کرنے کے بعد اگر گوہر کو میں پالوں تو زندگی کا مقصد حل ہو جائے۔ بہرحال ہندوؤں کی بستی سے گزرنے کے بعد میں اس شمشان گھاٹ کی جانب چل پڑا۔ راستہ بے حد ویران تھا اور یہ جگہ ہندوؤں کی آبادی سے دور تھی۔ میں نے مونگا کو آواز دی تو وہ میرے پیچھے ہی موجود تھا۔

"راستہ ٹھیک ہے نا مونگا؟"

"ہاں مہاراج۔" اس نے مردہ سے لہجے میں کہا۔

"کیوں' تجھے موت کیوں آرہی ہے؟"

"ہم سوچ رہے ہیں مہاراج کہ تم اگن منڈپ میں کیسے داخل ہو گے اور دھوما چمار جب تک اگن منڈپ کے اندر ہے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا تو پرواہ مت کر۔"

میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا اور پھر مرگھٹ کے قریب پہنچ گیا۔ چاروں طرف راکھ کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ وہ جگہ سامنے ہی نظر آرہی تھی جہاں دھوما چمار نے اپنا اگن منڈپ بنا رکھا تھا۔ یہ جگہ ایک کالی سی عمارت کی شکل میں تھی۔ پتہ نہیں اس کا نام اگن منڈپ کیوں رکھا گیا تھا ان معاملات میں مجھے زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ قرب و جوار میں لمبی لمبی جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ کالی عمارت جس کا طرز تعمیر عجیب و غریب تھا بڑی خوف ناک نظر آ رہی تھی۔ کہیں کہیں سے گوشت جلنے کی چراند بھی اٹھ رہی تھی۔ اس بھیانک جگہ بڑے سے بڑا بے جگر انسان بھی خوف کا شکار ہو سکتا تھا۔ لیکن میرے دماغ میں ایک روشنی تھی۔ اب میری زندگی کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ گوہر کو گوہر مقصود کی طرح حاصل کر لوں۔ اس کے سامنے باقی ساری باتیں ہیچ

تھیں۔ مونگا کی آخری آواز مجھے سنائی دی۔ "میں اس سے آگے نہیں جا سکتا مہاراج۔ یہ تو تمہیں سامنے نظر آرہا ہے اس کے پیچھے اور بھی جھاڑیاں بکھری ہوئی ہیں وہیں تمہیں دھوما چمار مل جائے گا۔"

میں وہاں سے آگے بڑھ گیا اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد بالآخر اس کالی عمارت تک پہنچ گیا۔ اس کالی عمارت کو کالی کھائی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اس سے کوئی بیس گز دور، اس کے بعد پیچھے کانٹے دار جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ان جھاڑیوں میں داخل ہونا بڑا مشکل کام تھا۔ میں وہاں سے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں سے ان جھاڑیوں میں داخل ہو سکوں۔ پھر میں نے ایک انسانی وجود کو دیکھا عجیب و غریب شکل و صورت کا مالک تھا کہ دیکھ کر نفرت کا احساس ابھرنے لگے گنجا ہوا سر، سوکھا ہوا بدن، ننگے بدن پر ایک چھوٹی سی لنگوٹی باندھے ہوئے ایک درخت کی نیچے آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھنے لگا اور کچھ دیر کے بعد اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے درخت کے نیچے ایک چوکا بنایا ہوا تھا اور شاید اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔ میں اسے گھورتا رہا اور اس کے بعد میں نے اسے آواز دی۔ "دھوما۔ آنکھیں کھول۔"

دھوما چمار اس طرح اچھل پڑا جیسے اسے سخت حیرت ہوئی ہو۔ اس نے مجھے دیکھا۔ دیکھتا رہا اس کی آنکھیں سانپ کی آنکھوں سے مشابہت رکھتی تھیں اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے رات کی تاریکی میں بھی وہ دن کی روشنی کی مانند دیکھ رہا ہو اور تو اور خود مجھے بھی ہر چیز صاف نظر آرہی تھی۔ حالانکہ یہاں چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میرے سامنے جو کچھ ہے وہ دن کی روشنی کی مانند ہے۔ وہ مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس نے اس طرح ہاتھ اٹھایا جیسے کہہ رہا ہو کہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں۔ وہ اشارے سے نفرت بھرے انداز میں مجھے بھاگ جانے کو کہہ رہا تھا۔ میں ایک قدم اور آگے بڑھا اور میں نے کہا۔

"تو دھوما چمار ہے؟"

میں نے اس کی آنکھوں میں نفرت کے آثار دیکھے۔ اس نے ایک بار پھر مجھے بھاگ جانے کا اشارہ کیا تھا۔ میں نے کہا۔

"مجھے تجھ سے بات کرنی ہے دھوما۔ باہر آ۔"

اب اس کے انداز میں تبدیلی رونما ہوئی اس نے میری طرف رخ کیا اور تھوک دیا لیکن جیسے ہی اس کا تھوک میرے پیروں کے پاس آکر پڑا میں نے اچانک ہی محسوس کیا کہ یہ تھوک متحرک ہو گیا ہے۔ میں اچھل کر پیچھے ہٹا اور میں نے ان متحرک چیزوں کو دیکھا۔ دوسرے لمحے میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کالے رنگ کے بچھو تھے۔ جو ڈنک اٹھائے میرے پیروں کی جانب لپک رہے تھے۔ ان کی تعداد تین تھی میں فوراً ہی اچھلا اور دوسرے لمحے میں نے ایک بچھو پر پاؤں رکھ دیا۔ میں نے پوری قوت سے اسے مسل دیا تھا۔ پھر دوسرے اور تیسرے بچھو کو ختم کرنے کے بعد میں نے اس سے کہا۔

"دھوما باہر آجا۔ ورنہ میں خود ہی اندر آجاتا ہوں۔" میں نے کہا اور اس دائرے کی جانب قدم بڑھائے۔ معاً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میری کمر میں ہاتھ ڈال کر مجھے پکڑ لیا ہو لیکن کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی میں دائرے کی طرف بڑھ رہا تھا اور کوئی میرے پیچھے سے مجھے کھینچ رہا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ میں نے ایک بار پھر زور لگایا اور دائرے پر پاؤں رکھ دیا لیکن مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرے پاؤں کے نیچے زبردست کرنٹ ہو، مجھے کئی جھٹکے لگے تھے اور پھر آخری جھٹکے سے میں پیچھے جا گرا تھا۔ میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں لیکن اس وقت ایک اور تصور میرے ذہن میں موجود تھا، وہ یہ کہ اگر میں دھوما کو اس کے ارادے سے باز رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں تو مونگا سے میری جان چھوٹ جائے گی اور میں بچ جاؤں گا۔ گوہر مجھے مل جائے گی۔ اس کے بعد زندگی گزارنے کا کوئی بھی تصور کیا جا سکتا ہے۔ جس میں گوہر کا حسین سہارا اور اس کے بعد یہ خوب صورت دنیا میرے سامنے ہوگی۔ مجھے ایک دم احساس ہو گیا تھا کہ دھوما نے اپنے گرد جو حصار کھینچا ہے وہ ناقابل عبور ہے۔ چنانچہ میں نے دھوما سے کہا۔

"دھوما میں تجھ سے بات کرنا چاہتا ہوں شاید تجھے اس بات کا علم ہو کہ میں ہی وہ ہوں جس نے جاپ کر کے مونگا کو پہلے اپنے قبضے میں کیا تھا۔" ابھی میرے منہ سے اتنے ہی الفاظ نکلے تھے کہ دھوما چمار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اب وہ مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے زور سے گردن جھٹکی اور دو قدم آگے بڑھ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"تو تو ہے وہ!" اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں اور میں تجھ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"بڑا گیانی ہے تو' تو آجا اس دائرے کے اندر۔ بات کر لے مجھ سے۔ تجھے اپنی اوقات کا پتہ چل جائے گا۔"

"دھوما۔ مجھے اپنی اوقات معلوم ہے اور میں تیری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتا ہوں۔"

"ارے جا جا پاپی ملیچھ' جانتا وانتا کچھ ہے نہیں' دھوما سے دوستی کرے گا۔ جانتا ہے دھوما سے ہاتھ ملانے والا کون ہو سکتا ہے۔ کم از کم اسے شکھا ہونا چاہئے۔" دھوما کے لہجے میں بے پناہ غرور تھا۔

"دھوما میں تجھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے بات کر۔"

"اچھا ہی ہے کہ تو بھاگ جا۔ جو کچھ تو نہیں کر پایا وہ مجھے کرنے دے۔ مونگا اب میرا بیر ہے تیرے بس کی چیز نہیں ہے وہ۔ سمجھ رہا ہے نا؟"

"مگر دھوما میں تجھے وہ نہیں کرنے دوں گا جو تو کرنا چاہتا ہے۔"

"تو پھر آ' اندر آجا۔ تجھے اپنی شکتی کا پتہ چل جائے گا۔" اس نے مجھے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

لیکن مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس دائرے کے اندر داخل ہونا ممکن نہیں ہے۔ البتہ میرے دل میں غم و غصے کا طوفان جاگ اٹھا تھا اگر دھوما کو شکست نہ دی تو پھر زندگی کا مزہ ہی جاتا رہے گا ایک لمحے کے لئے میں نے کچھ سوچا اور پھر یہ فیصلہ کیا کہ جلد بازی نہیں کرنی چاہئے یہاں تک جو کچھ ہو چکا ہے۔ وہ ہو ہی گیا ہے اب اس کے بعد ذرا مختلف انداز میں سوچنا ہو گا۔ اور یہی میرے حق میں بہتر تھا۔ چنانچہ میں نے دھوما سے کہا۔

"ٹھیک ہے دھوما۔ میں پھر آؤں گا۔ لیکن تو بھی سوچ لینا میرا مسئلہ ہی کچھ ایسا ہے کہ میں یہ سب کرنے پر مجبور ہوں۔"

اس نے حقارت سے مجھے دیکھا پھر نفرت سے ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"جا بھاگ جا۔ بے کار ہیں تیری ساری کوششیں۔ کچھ نہیں ملے گا تجھے ان کوششوں سے۔ تیرا من جب چاہے آجانا۔ میں تیرا سواگت کروں گا مگر ایسے کہ بعد میں تو

کھے گا۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں کیا ہے میں نے تیرے ساتھ۔ جا دفع ہو جا۔ تجھ جیسے ی آتے ہیں میرے پاس۔ چلا جا ورنہ جیون کھو بیٹھے گا۔"

میں نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ یہ اندازہ تو با ہو گیا تھا کہ میں اس وقت دھوما کا کچھ نہیں بگاڑ پاؤں گا وہ اپنی پوری طاقت میں ہے' ی دور آگے نکل آیا تو میں نے اپنے ساتھ ہی قدموں کی چاپ سنی اور مجھے ایک لمحے میں رازہ ہو گیا کہ مونگا اس وقت میرے پاس موجود ہے۔ میں نے اسے آواز دی۔

"مونگا؟"

"ہاں مہاراج!" مونگا کے لہجے میں اداسی تھی۔

"تو نے سب کچھ سن لیا؟"

"سنا تو نہیں ہے مہاراج دیکھ لیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں اس پاپی کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔"

"ہوں' وہ بہت مغرور ہے۔"

"میں جانتا ہوں مہاراج' اس لئے مغرور ہے وہ کہ اس کے پاس شکتی ہے۔"

"اگر اس کے پاس شکتی ہے تو پھر وہ تیرے چکر میں کیوں پڑا ہوا ہے؟"

"اس شکتی کو بڑھانے کے لئے۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے قبضے میں کرنے کے بعد وہ بھیروں کو قبضے میں کرنا چاہتا ہے۔ اصل میں مہاراج ایک سلسلہ ہوتا ہے کالی شکتی کو حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز بیر ہوتا ہے۔ ایک بیر قبضے میں آجائے تو اس کی مدد سے بھیروں پر ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔"

"بھیروں کون ہوتا ہے؟"

"کالی طاقت کا دوسرا طاقت ور دیوتا۔"

"بھیروں کے بعد؟" میں نے سوال۔

"بھیروں کے بعد پدما۔"

"اور اس کے بعد؟"

"شکھا۔" مونگا نے جواب دیا۔

"یہ طاقت کا سلسلہ کہاں تک پہنچتا ہے؟"

"بہت آگے تک جاتا ہے۔ مہاراج اور اس کے بعد جب انسان کھنڈولا بن جا
ہے تو یوں سمجھ لو کہ بڑی سے بڑی شکتی اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔"

"کیا تمہاری اس دنیا میں کوئی کھنڈولا موجود ہے؟"

"پتہ نہیں مہاراج۔ ہماری معلومات اتنی زیادہ نہیں ہیں۔"

"اچھا خیر۔ اس نے اس وقت مجھے بے حد حقارت سے دھتکار دیا ہے اور مِ
بات سننے سے انکار کر دیا۔ جبکہ میں اسے بتانا چاہتا تھا کہ مونگا کے سلسلے میں وہ کوشش
کرے۔"

"میں جانتا تھا مہاراج وہ آسانی سے قابو میں نہیں آئے گا۔"

"تو اب کیا کیا جائے مونگا؟"

"میں کیا بتاؤں مہاراج کو۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے ویسے میں تمہیں ایک مشو
دے سکتا ہوں۔"

"کیا؟"

"میرا خیال ہے اب سنت راج بنسی سے مل لو۔"

"تو کئی بار اس کا نام لے چکا ہے مونگا۔"

"ہاں مہاراج اصل میں سنت راج بنسی کو بھی بے وقوف بنانا پڑے گا اور یہ ک
تم ہی کر سکتے ہو۔"

"وہ کیسے؟" میں نے مونگا کے ساتھ قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مہاراج سنت راج بنسی بھی میرے چکر میں ہے وہ مجھے اپنے قبضے میں کر
چاہتا ہے۔ ویسے اس کا راستہ زیادہ دور تک نہیں جاتا وہ صرف مجھ پر قناعت کرنا چاہتا
اس کے لئے اس نے پہلے بھی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا۔ البتہ وہ سارے جاپ جا
ہے۔ اگر وہ تمہیں بعد کا جاپ بتا دے تو ایک کام پورا ہو جائے گا اور شرط یہ ہے کہ تم
جاپ کر لو۔"

"آہ! مونگا یہی تو میرے لئے مشکل ہے۔"

"مہاراج شروع ہی سے ہم یہ کہتے رہے ہیں اور تم دیکھ لو ہمارے بیچ کتنی
باریں حائل ہو گئیں بلاوجہ ہم لوگ آپس میں لڑ پڑے حالانکہ یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔
مہاراج میں ادھورا رہ گیا ہوں ایک ادھورا بیر کیا اس سے دلچسپی رکھ سکتا ہے جو اس کا
ک ہو اگر میں تمہارا پورا بیر ہوتا تو میری یہ کبھی مجال نہ ہوتی کہ میں تمہاری کوئی بات
ل سکتا جو تم حکم دیتے میں وہی کرتا۔ لیکن دیوار تو بیچ میں تم نے رکھ دی ہے مہاراج۔
بات دن کا وہ جاپ پورا کر لو۔ میری گردن پوری ہو جائے گی اور پھر من چاہے تو مجھے
آزاد کر دینا اور اپنے جیون کے لئے جو تمہارا من چاہے کرنا۔ میں کب کہتا ہوں کہ تم
میرے ساتھ ہی رہو۔ پر میرا کام تو کر دو میں بھی تو مجبور ہوں۔ تم دیکھو میرا بھی ایک
پریوار ہے۔ میرے بھائی بندھ ہیں' دوست ہیں' ماتا پتا ہیں' ہم سب ساتھ رہتے ہیں ہمارا
کام بے شک یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے مالکوں کی بات مانیں پر مہاراج ہمیں پورا تو ہونا
چاہئے تم دیکھو نا جب ہم ان کے بیچ جاتے ہیں تو وہ سب ہمیں دھکے دے کر باہر نکال
دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سنسار میں ہمارا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ مہاراج ہم
بھی تو مصیبت میں پڑے ہوئے ہیں۔ تم اگر اپنے دین دھرم کو لئے پھر رہے ہو تو تم خود
بتاؤ کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔"

"مگر تو جانتا ہے مونگا کہ اس کی وجہ سے میری اپنی زندگی دوبھر ہو گئی ہے۔ میں
اپنے دھرم سے ہٹ گیا ہوں۔"

"اگر ٹھنڈے دل سے سوچو مہاراج تو دوش ہمارا نہیں ہے۔ تم نے ہمارے لئے
جاپ کیا اور ہم تمہارے قبضے میں آئے لیکن جاپ تم پورا نہیں کر سکے' ہم کب کہتے ہیں
کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے پر مہاراج ہم سے بات منواؤ تو سہی' اب دیکھو نا بیچ میں
چھوڑ دیا ہے تم نے ہمیں۔" مونگا کی بات کافی حد تک درست تھی میں خود بھی سوچ رہا تھا
واقعی چچی جان نے جو کچھ کیا تھا وہ میرے لئے عذاب جان بن گیا تھا۔ کاش میں ان کی باتوں
میں نہ آتا۔ کاش میں بابا سفیدے سے نہ ملتا اور اس کے بعد وہ منحوس رادھن لال مجھ
سے یہ کچھ نہ کرواتا۔ ایک طرح سے مجھے مونگا سے ہمدردی ہونی چاہئے۔ بہرحال یہ
ارواح خبیثہ تھیں لیکن ان کا اپنا ایک معاملہ تھا میں جس کے بارے میں سب کچھ نہیں
جانتا تھا پھر میں نے مونگا سے کہا۔

"اچھا مونگا ٹھیک ہے۔ میں تجھے سوچ کر جواب دوں گا۔ بہرحال ان تمام مسائل کا کوئی نہ کوئی حل تو نکالنا ہی چاہئے۔"

تھوڑی دیر کے بعد میں اس رہائش گاہ تک پہنچ گیا جو حاجی ستار کی تھی اور جہاں میری روح قید رہتی تھی گوہر کی شکل میں۔ گوہر کی صورت دیکھ کر میری آنکھوں میں روشنی اترتی تھی اور دل میں ٹھنڈک۔ اس وقت بھی گوہر جاگ رہی تھی جبکہ حاجی ستار سو گیا تھا مجھے شکایت بھری نگاہ سے دیکھا اس نے اور میں نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"اری گوہر تم جاگ رہی ہو؟"

"ہاں تو کیا سو جاتی!" اس نے ناز بھرے انداز میں کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگ گیا اس کا یہ انداز کچھ بدلا بدلا سا لگا تھا۔

"گوہر!" میں نے اسے پکارا اور اس کے چہرے پر شرم دوڑ گئی۔

"گوہر!" میں پھر اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

"کیا ہے؟"

"گوہر تم نے مجھ سے کچھ کہا ہے۔"

"ہاں۔"

"اور جو کچھ کہا ہے میں نے اس کا مفہوم شاید غلط سمجھا ہے۔"

"غلط سمجھا ہے آپ نے۔" گوہر شکایتی انداز میں بولی۔

"سچ سمجھ لوں گوہر تو سینہ پھٹ جائے گا۔"

"یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔"

"جذبات ہی تو زندگی کی ضمانت ہوتے ہیں گوہر۔"

"میں اتنی گاڑھی گاڑھی باتیں نہیں جانتی۔"

"اچھا بتاؤ کیوں جاگ رہی تھی؟"

"آپ کے انتظار میں۔"

"انتظار تو اس کا کیا جاتا ہے گوہر جس سے دل کے رشتے ہوتے ہیں۔" میں نے کہا اور گوہر نے ایک بار پھر حسین آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر بولی۔

"کچھ کھائیں گے؟"

"نہیں گوہر' کیا تم کھانا کھا چکی ہو؟"

"ہاں۔"

"تم یقین کرو اس وقت بالکل جی نہیں چاہ رہا۔"

"تو پھر آرام کریں۔" گوہر نے جواب دیا اور میں گہری سانس لے کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ لیکن اس وقت ذہنی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ گوہر اپنی خواب گاہ میں چلی گئی اور میں اپنے بستر پر لیٹ کر اس کے اس لہجے اور ان الفاظ کے بارے میں غور کرنے لگا۔ گوہر بے چاری کو یہ بات بالکل نہیں معلوم تھی کہ اس کے باپ کی گردن میرے ہاتھوں کٹی ہے۔ اگر یہ پتہ چل جاتا تو یقینی طور پر اس وقت اس کی نگاہوں میں میرے لئے نفرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا لیکن یہ بھی شکر تھا کہ حقیقت اس کے علم میں نہیں آسکتی تھی اور اس سے پہلے ہی وہ وہاں سے اغوا ہو گئی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے بعد میں یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ مولوی وصال الدین اس طرح ہلاک ہوئے ہیں' بہرحال میں اس کے لہجے پر غور کر رہا تھا۔ اس نے اپنی دلی کیفیت کا مکمل طور سے اظہار کر دیا تھا۔ اس کے بعد کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ میرا دل مچلنے لگا۔ میرے سینے میں آرزو مچلنے لگی کہ کاش اس وقت میں گوہر کے پاس بیٹھا اس سے باتیں کر رہا ہوتا۔ لیکن یہ حد سے آگے بڑھنے والی بات تھی۔ مستقبل کے بارے میں نہ جانے کیا کیا سوچتا تھا میں۔ یہ بھی سوچتا تھا کہ گوہر کو حاصل کرنے کے لئے پہلے مجھے اپنا ایمان حاصل کرنا ہو گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے کتنی ہی محنت کیوں نہ کرنا پڑے۔ جو کچھ میرے اندر میں اتار دیا گیا تھا وہ انتہائی ناپاک تھا اور جب میں گوہر سے پاک رشتہ قائم کروں گا تو کم از کم مجھے وہ ہونا چاہئے جو میرے دین دھرم کے لوگ ہوتے ہیں جبکہ میں ان سے ہٹ کر بہت دور پہنچ گیا تھا اور اس کام کی تکمیل کے لئے لازمی امر تھا کہ مونگا کا کام پورا کیا جائے۔ اگر میں مونگا کو نظرانداز کر کے اپنے طور پر کوششیں کروں تو یقیناً وہ مجھے کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گا اور میرے راستے میں روڑے اٹکاتا رہے گا چنانچہ بہتر یہی ہے کہ اب مجھے سنت راج بنسی سے مل لینا چاہئے۔ پہلے مونگا کی مشکل دور کر دوں اس کے بعد اپنی مشکل دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ جہاں تک رہا دین و ایمان کے جانے کا معاملہ تو سچی بات یہ ہے کہ جب دل کی گہرائیوں سے سوچتا تو مجھے یہ احساس ہوتا کہ تمام

تر قصور میرا نہیں ہے میں کسی کے بہکاوے میں آگیا تھا۔ غلطی انسان ہی سے ہو جا
ہے۔ میں انتہائی کوشش کروں گا کہ مجھے میری حیثیت دوبارہ واپس مل جائے اور اگر نہ
تو پھر اللہ کی مرضی۔ میں اس میں کوئی دخل نہیں دے سکتا تھا۔

چنانچہ اب جب اس حد تک چلا گیا تھا تو باقی کام بھی کر لینے میں کوئی حرج نہ
تھا۔ برائی تو سر پر نازل ہو ہی گئی ہے بعد میں جو بھی صورت حال ہو۔ یہ تمام باتیں سوچ
کے بعد میں نے خود کو پُرسکون کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نہ جانے کب مجھے نیند
آ گئی تھی۔

O-----------------O

دوسری صبح معمول کے مطابق تھی۔ ہر صبح کو جب میں جاگتا تھا تو کچھ لمحے ذہن
ساتھ نہیں دیتا تھا۔ ایسے ایسے حالات سے گزر چکا تھا کہ خود کو یقین دلانا پڑتا تھا کہ میں
اب کس کیفیت میں ہوں۔ یہ بھی ایک انوکھا تجربہ ہے۔ صبح کو آنکھ کھلنے کے بعد اگر ماحول
کے پُرسکون ہونے کا احساس ہو تو طبیعت میں ایک فرحت پیدا ہو جاتی ہے۔ ورنہ پریشانیاں
تو مقدر ہوتی ہی ہیں۔ یہ احساس کر کے کہ میں حاجی ستار کی کوٹھی میں ہوں اور یہاں گو
مقصود بھی موجود ہے۔ میرے دل کے کنول کھل گئے تھے۔ غسل وغیرہ سے فراغت پا
تیار ہوا تو گوہر کی حسین صورت نظر آئی۔ میں اسے ایک لمحے کے لئے دیکھتا رہ گیا۔ د
دھلا سا چہرہ' شگفتگی سے بھرپور اسے احساس نہیں تھا کہ وہ اپنا سب کچھ کھو چکی ہے۔ ا
باپ سے دور رہ کر کسی کی محبت میسر آنے کے بعد اس کی شخصیت میں بڑی تبدیلی ہو
تھی۔ پہلے بھی میں نے اسے مسجد کے حجرے میں دیکھا تھا اس وقت بھی اس کی ا
شخصیت بحال تھی لیکن اب اس میں ایک تمکنت سی پیدا ہو گئی تھی جو بہر طور اس
حسین چہرے سے ہم آہنگ ہو کر بہت ہی دلکش لگ رہی تھی۔ مجھے اس طرح د
ہوئے دیکھ کر وہ شرما گئی اور اس نے کہا۔

”ناشتہ نہیں کریں گے؟“

”ایں۔ ہاں۔“ میں جلدی سے اٹھ گیا۔ پھر میں اس کے ساتھ ساتھ ہی ناشتے
کمرے میں آیا تھا جہاں حاجی ستار میز پر بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے مجھے مسکرا
نگاہوں سے دیکھا اور پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ گوہر بھی ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔ ناشتہ

لگا حاجی ستار نے ناشتے کے دوران کہا۔

”تمہارے آنے سے پہلے میں بڑا پریشان رہتا تھا۔“

”کیوں حاجی صاحب؟“

”بس گوہر کی وجہ سے۔ بہت سے کام ملتوی کر دیا کرتا تھا۔“

”وہ کیوں؟“

”بھئی اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا میں۔“

”اوہ' جی ہاں۔“

”مگر اب تم آ گئے ہو تو مجھے یوں لگ رہا ہے۔ جیسے میری ساری ذمہ داری ختم ہو
گئی ہے۔“ میں ہنسنے لگا پھر کہا۔

”نہیں حاجی صاحب آپ کا اپنا مسئلہ تو اپنی ہی جگہ ہے۔“

”پھر بھی فی الحال تو مجھے آرام مل گیا ہے۔ اصل میں یہ کہنا چاہتا تھا میں کہ مجھے
کسی کام سے دو تین دن کے لئے جانا ہے۔“

”جی۔“

”تم ذرا کم ہی گھر سے باہر نکلنا۔ گوہر کو تنہائی کا احساس نہ ہونے پائے۔“

”جی!“ میں نے کہا۔

”تو پھر میں دوپہر کو جا رہا ہوں' واپسی یا تو جلدی ہو جائے گی ورنہ زیادہ سے زیادہ
دو دن لگ جائیں گے۔ تیسرے دن میں یہاں آ جاؤں گا۔“

”جی بہت بہتر۔“ میں نے جواب دیا۔

گوہر اس دوران خاموشی سے سر جھکائے ناشتے میں مصروف رہی تھی۔ بہت دیر
تک ہم لوگ ناشتے کے بعد بھی گفتگو کرتے رہے پھر حاجی صاحب نے کہا۔

”اچھا میں تیاریاں کر لوں۔ گوہر کیا تم میرا ساتھ دو گی!“

”کیوں نہیں۔“ اس نے کہا اور حاجی صاحب کے ساتھ چلی گئی اور میں اپنے
کمرے میں آ گیا تھا۔ مجھے بہت سے احساسات ہو رہے تھے یہاں مجھے جو حیثیت ملی تھی وہ
بڑی عجیب تھی' ان لوگوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔ کھا پی رہا تھا۔ سب کچھ کر رہا تھا حالانکہ اس
وقت مونگا میرے قبضے میں تھا اس کا مجھ سے کام آ پڑا تھا۔ میرے اس کے درمیان جو بھی

چپقلش رہی ہو وہ ایک الگ حیثیت رکھتی تھی لیکن اس وقت اگر میں اس سے کچھ بھی طلب کرتا وہ مجھے حاصل ہو جاتا بہرحال جلد بازی مناسب نہیں تھی، کوئی ٹھوس فیصلہ کر کے قدم اٹھانا تھا۔ میں نے راج بنسی سے ملنے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ دیکھتا ہوں کیا ہوتا ہے اس سلسلے میں۔ حاجی ستار دوپہر کو چلا گیا اور اس کے بعد میں اور گوہر تنہا مکان میں رہ گئے۔

گوہر میرے سامنے آنے سے کترا رہی تھی میں بھی کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے اسے یہ احساس ہو کہ میں اس تنہائی سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ لیکن بہرحال ملاقات تو ضروری تھی۔ جب میں نے اس سے ملنے سے گریز کیا تو وہ خود میرے پاس میرے کمرے میں آ گئی۔

"کھانا تیار ہے چلئے۔"

"اوہو' ہاں' کھانا بھی تو کھانا ہے۔"

"صبح سے آپ کمرے میں ہیں۔"

"ہاں' کتنا وقت گزر رہا ہے!" میں نے کہا۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے کھانے کے کمرے میں آ گئے۔ میں نے ہنس کر کہا۔

"گوہر کچھ عجیب سا محسوس نہیں ہوتا؟"

"کیا؟" وہ کرسی گھسیٹتی ہوئی بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یہی کہ میں تمہارا زبردستی کا مہمان ہوں!" اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر بولی۔

"زبردستی؟"

"تو اور کیا۔ آخر میں یہاں کیوں موجود ہوں۔ کیوں کھا پی رہا ہوں۔ تم لوگوں پر بوجھ کیوں بنا ہوا ہوں؟"

"ایسا کیوں سوچتے ہیں آپ؟"

"حقیقت تو یہ ہے نا گوہر؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ویسے گوہر تم کیا محسوس کرتی ہو؟"

"کس طرح؟"

"میرا مطلب ہے معاف کرنا مجھے کہنا تو نہیں چاہئے لیکن ایک حقیقت تو بہرطور ہے۔"

"کیا؟ مجھے کچھ بتایئے تو سہی۔"

"حاجی صاحب سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"بعض رشتے اس طرح قائم رہتے ہیں کہ انسان ان کا ماضی نہیں دیکھتا۔" گوہر نے بڑا ستھرا جواب دیا تھا۔

"ہاں' اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"اور پھر خاص طور سے ہم لڑکیاں۔ آپ کو اندازہ ہو گا کہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا جاتا ہے وہاں سے جہاں ہم آنکھ کھولتے ہیں۔ جہاں ہم بہن بھائیوں کے درمیان پلتے ہیں۔ جہاں ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک کہانی ہوتا ہے۔ پھر یہ ساری کہانیاں ہم سے چھن جاتی ہیں اور ہم ایک دوسرے گھر میں جا کر آباد ہو جاتی ہیں۔ لیکن وہاں آباد رہتی ہیں اک نئی کہانی کے آغاز کے لئے۔ وہاں سے پھر نئی کہانیوں کا آغاز ہوتا ہے اور یہ کہانیاں اسی طرح آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں۔"

میں نے حیرت سے گوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم اتنا گہرا بھی سوچ سکتی ہو گوہر!"

"یہ میری سوچ نہیں ایک حقیقت ہے۔"

"ہاں لیکن حقیقتوں کا ذہن تک پہنچنا بھی تو ایک معنی رکھتا ہے۔"

"سوچ تو ہر انسان کے پاس ہوتی ہے بس غور کرنے والی بات ہے اگر کوئی غور کر لیتا ہے تو اسے بہت سے احساسات ہو جاتے ہیں نہیں کرتا تو زندگی سطح سطح ہوتی ہوئی گزر جاتی ہے۔"

"کمال ہے' کمال ہے۔" میں نے تعریفی انداز میں کہا۔

"نہیں خیر کوئی کمال تو نہیں ہے۔ زندگی کی حقیقتوں سے تو انسان کو روشناس ہونا ہی چاہئے۔"

"ٹھیک کہتی ہو گوہر۔" میں نے جان بوجھ کر مولوی وصال الدین کا تذکرہ نہیں کیا

تاکہ وہ غم زدہ نہ ہو جائے۔ اس کا موڈ بہت خوشگوار رہا تھا پھر رات کا ہلکا پھلکا کھانا کھایا۔ دن میں چونکہ کوئی مشغلہ نہیں رہا تھا اس لئے طبیعت کچھ بھاری بھاری سی تھی۔ پھر ہم کچھ دیر تک چہل قدمی کرتے رہے۔ اس کے بعد گوہر نے کہا۔

"اچھا پھر اجازت!"

"نیند آرہی ہے؟"

"آ تو نہیں رہی۔"

"تو پھر آؤ بیٹھو' تھوڑی دیر باتیں کریں گے۔" میں نے کہا اور گوہر میرے ساتھ میرے کمرے میں آگئی۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا وہ بھی نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ پھر میں نے کہا۔

"گوہر' کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں' آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"تمہارے بارے میں۔"

"کیا؟"

"میں گوہر کہ..... کہ....."

"ہاں کہئے۔" اس نے کہا لیکن اسی وقت ایک اور واقعہ ہو گیا۔ روشنی چلی گئی تھی۔ چاروں طرف تاریکی ہو گئی۔ گوہر جلدی سے اپنی جگہ اٹھی اور میرے پاس آگئی" مجھ سے ٹکرائی تھی میں نے اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ارے' ارے کیا ہوا؟"

"مجھے تاریکی سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"اچھا' مجھے معلوم نہیں تھا۔"

"نہ جانے کیوں' کیوں....؟ گوہر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

حیرت انگیز طور پر وہ میرے اتنے قریب تھی کہ میں اس کے بدن کی تپش کو محسوس کر رہا تھا پھر مجھے اس کے بدن میں ہلکی ہلکی لرزشیں محسوس ہوئیں وہ خاموش ہو گئی تھی۔

"روشنی چلی گئی ہے۔ کیا اکثر روشنی چلی جاتی ہے؟"

"پتہ نہیں۔" وہ بوجھل سانسوں کے ساتھ بولی۔ اس کی گرم گرم سانسیں میرے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں اور نہ جانے کیوں ان سانسوں سے میرے حواس پر ایک نشہ سا طاری ہوتا جا رہا تھا۔ وہ لمحات مجھے یاد آرہے تھے جب ایک بار مجھے بے ہوشی کی کیفیت کا شکار کر دیا گیا تھا۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا وہ میرے لئے ناقابل یقین تھا لیکن سب کچھ نشے کے عالم میں ہوا تھا میرا اس میں کوئی قصور نہیں تھا اور اس وقت گوہر کی سانسوں سے مجھ پر یہ نشہ طاری ہو گیا تھا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا' نہ جانے کیا کیا ہو گیا اس کی تفصیل میں زبان سے بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن جو احساس میرے دل و دماغ پر طاری ہو گیا تھا وہ یہ تھا کہ گوہر میرے قریب ہے۔ میری زندگی کی مالک' میری سب سے بڑی پسند۔ باقی تمام احساسات میرے ذہن سے محو ہو گئے تھے۔ آہ! یہ کیسا نشہ تھا۔ یہ کیسا سرور تھا؟ اور جب صبح کو میری آنکھ کھلی تو مجھے اپنے اس گناہ کا احساس ہوا وہ گناہ عظیم جو میں کر بیٹھا تھا۔ وہاں کی بات دوسری تھی جہاں میرے ساتھ زندگی کا پہلا حادثہ پیش آیا تھا لیکن یہاں گوہر تھی مولوی وصال الدین کی بیٹی۔ وہ جسے میں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا تھا۔ جس کے ساتھ میں اپنی زندگی کے تمام پاکیزہ رشتے قائم کرنا چاہتا تھا' آہ.......نہ جانے کیا ہو گیا تھا جذبات کا ایک بھوت میرے ذہن پر سوار ہوا تھا کہ میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا تھا' میں اس طوفان میں بہہ گیا تھا جو اچانک میرے وجود پر نازل ہوا تھا' یہ غلط ہوا۔ یہ بہت غلط ہوا........ وصال الدین صاحب کی شکایت بھری آنکھیں میری نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگیں .... میں ان کے اعتماد کو دھوکہ دینے کا باعث بنا تھا یہ تو مناسب نہیں ہوا تھا' یہ تو بہت غلط تھا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا' ایک بار پھر جرم کر بیٹھا آہ.......... یہ جرم........ یہ جرم کسی طرح نہیں ہونا چاہیے' کچھ ایسا بوجھ ذہن پر طاری ہوا کہ اپنی جگہ رکے رہنا میرے لئے مشکل ہو گیا۔ غسل خانے میں جا کر غسل کیا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا کہ کوئی آ نہ جائے اس کے بعد لباس تبدیل کر کے گھر سے باہر نکل آیا اور پھر سارا دن آوارہ گردی کرتا رہا۔ میں گوہر کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا کیا سوچا ہو گا اس نے میرے بارے میں' کیا سوچا ہو گا' کس طرح سوچا ہو گا........ نہ جانے کیا کیا احساس ہو گا اسے ہرچند کہ مونگا اس وقت میرے جسم میں داخل نہیں ہوا تھا جب میں نے یہ گناہ کیا تھا ورنہ باقی سب کچھ تو اس کے سر پر لادا جا سکتا تھا' لیکن اب........

اب کیا کہوں میں' کیسے کہوں.......... احساس شرمندگی مجھے در بدر کئے رہا پتہ نہیں گوہر کے تاثرات کیا ہوں گے' رو رہی ہوگی کسی کونے میں منہ دے کر' سوچ رہی ہوگی کہ ایک سانپ کو آستین میں پالا تھا' بہرحال شام ہو گئی' اور اس کے بعد رات کا اندھیرا چھانے لگا' کوئی ٹھکانہ نہیں تھا میرے لئے نہ ہی مونگا کو آواز دینا چاہتا تھا۔ پھر دل میں سوچا کہ کم از کم اعتراف گناہ تو کروں' اظہار شرمندگی تو کروں جانا چاہئے مجھے۔ اور اس کے بعد میرے قدم پھر حاجی ستار کے گھر کی جانب اٹھ گئے۔ میں داخل ہوا تو گوہر مجھے سامنے برآمدے ہی میں نظر آئی' صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئی تھی' چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں تھا جس سے مجھے یہ احساس ہو کہ وہ مجھ سے کترانا چاہتی ہے مجھے دیکھ کر تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

"کیا ہو گیا تھا صبح ہی صبح بغیر بتائے ہوئے نکل گئے آپ!" میں نے حیران نگاہوں سے گوہر کو دیکھا اس کے لہجے میں ایک انوکھی تازگی تھی اور چہرے پر ایک ایسی شگفتگی کہ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔

"آئے نہ صبح کو ناشتہ کیا نہ دوپہر کو کھانا کھایا میں تو پریشان ہو گئی تھی۔" میرے دل میں ایک بار پھر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی' گویا گوہر نے کسی چیز کی شدت کو محسوس نہیں کیا ہے اس کے اندر معصومیت تھی الھڑپن تھا کیا.......... کیا وہ ان لمحات سے گریزاں نہیں ہوئی' کیا اس نے اس احساس کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی جس نے مجھے دن بھر بے چین کئے رکھا۔ مجھے تھوڑی سی ڈھارس ہوئی اگر گوہر میرے اس گناہ سے برگشتہ نہیں ہے تو پھر.......... تو پھر مجھے تھوڑا سا سکون حاصل ہو سکتا ہے' رات کا کھانا اس نے میرے ساتھ کھایا۔ کھانے کے دوران ہی وہ مجھ سے باتیں بھی کرتی رہی۔

"کسی ضروری کام سے چلے گئے تھے آپ؟"

"ایں.......... ہاں.........." میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ہم لوگ خاصی دیر تک باتیں کرتے رہے گوہر نے کہا۔

"نہ جانے کیوں مجھے تنہائی کی عادت نہیں رہی ہے' ویسے بھی جب حاجی صاحب گھر میں ہوتے ہیں تو میں صرف سونے کے لئے ان کے کمرے سے باہر نکلتی ہوں' اصل میں مجھے تنہائی سے خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"حاجی صاحب' اس دوران کبھی کہیں باہر نہیں گئے؟"

"ایک آدھ بار گئے تھے اور جب وہ گئے تھے تو میں سخت پریشان رہی تھی۔"

"آپ حاجی صاحب کے بیڈ روم میں سوتی ہیں؟"

"نہیں۔ لیکن ان کے ساتھ والے کمرے میں سوتی ہوں اور وہ اس طرح میرا خیال رکھتے ہیں کہ اگر میری سوتے میں بھی ہلکی سی آواز نکل جائے تو مجھ تک پہنچ جاتے ہیں۔"

"ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا پھر کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور اس کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے سے اجازت لے کر چل پڑے' گوہر کچھ ہچکچا سی رہی تھی اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہے' لیکن میری اپنی زبان اس کے سامنے نہیں کھل سکتی تھی البتہ رات کو کوئی بارہ ساڑھے بارہ بجے کا وقت ہو گا جب اس نے میرے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر آ گئی' وہ جھکی جھکی نگاہوں کے ساتھ آگے بڑھی تھی اور پھر میری پائنتی بیٹھ گئی' میرے اندر پھر لرزشیں نمودار ہونے لگیں تھیں' گوہر کی خاموشی' اس کے ہونٹوں کی لرزش' اس کی پیشانی کا پسینہ اور اس کی جھکی جھکی آنکھیں بہت کہانیاں کہہ رہی تھیں اور کمبخت انسان نہ جانے کیوں اپنے آپ پر اس قدر بے قابو ہو جاتا ہے' میں تمام دن کی شرمندگی کے احساس کو بھول گیا اور میرے ذہن پر وہی بوجھ طاری ہونے لگا جس بوجھ نے مجھے گوہر کے قریب کر دیا اور میں نے گوہر کو غیر متعاون نہیں پایا۔ وہ میری ہر جنبش کا ساتھ دے رہی تھی' پتہ نہیں یہ اس کی معصومیت تھی یا کچھ اور' میں کچھ نہیں جانتا تھا اور نہ ہی کچھ جاننے کا خواہشمند تھا اس صبح گوہر میرے ساتھ ہی تھی اس نے پہلے دن کی مانند وہاں سے جانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی بلکہ ایک معصوم سے انداز میں سکڑی ہوئی میرے قریب ہی سو رہی تھی۔ میں نگاہیں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھنے لگا یہ سب کچھ بہتر نہیں تھا' واقعی یہ تو ایک اور گناہ عظیم تھا جو میں کر رہا تھا بالکل اسی گناہ کی طرح جو میں نے پہلے کیا تھا اور جس نے مجھ سے میرا دین و ایمان چھین لیا تھا اب نہ جانے اس نئے گناہ کے مجھے کتنے خمیازے بھگتنا پڑیں گے۔ بہرحال میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میرے بدن کی جنبشوں سے گوہر بھی جاگ گئی اور اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی' لیکن اس دن میں نے گھر سے باہر جانا مناسب نہیں سمجھا تھا اور ناشتے پر

گوہر میرے ساتھ ہی تھی' وہ ایک عجیب سی انبساطی کیفیت کا شکار تھی' جیسے اس پر بھی نشہ طاری ہو البتہ اس کے گفتگو کرنے کے انداز میں ایک شرگیں کیفیت تھی' جو مجھے یہ احساس دلا رہی تھی کہ وہ ان لمحات سے پوری طرح آشنا ہے جو ہم دونوں پر گزر چکے ہیں لیکن میرے دل کے کسی گوشے میں احساس گناہ موجود تھا۔ وصال الدین صاحب کا تصور بار بار میرے ذہن میں آتا تھا اور جب بھی میں ان کی آنکھوں کو دیکھتا میری اپنی نگاہیں شرم سے جھک جاتیں۔ وہ شکایت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہوں۔

"نادر میں نے تم پر بہت بھروسہ کیا تھا تم ہر گناہ کا باعث بنے ہو' میری زندگی بھی تمہارے ہی ہاتھوں سے گئی' یہ الگ بات ہے کہ تم پر کوئی اور حاوی تھا اور اس کے بعد میری دوسری زندگی بھی تمہارے ہی ہاتھوں چلی گئی' یہ سب کچھ جو تم نے کیا ہے کیا تمہارے خیال میں میرے لئے خوشگوار ہوگا؟" دل اندر سے تڑپنے لگا لیکن اب کیا کیا جا سکتا تھا لعنت ہے مجھ پر ہر گناہ کر لیتا ہوں اور اس کے بعد شرمندگی کا شکار رہتا ہوں کیا کوئی ایسی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ میں ان تمام گناہوں سے دور ہو جاؤں؟ لیکن شاید جو غلاظت میرے وجود میں بس چکی تھی' وہ مجھے ہر قدم اٹھانے کے لئے آمادہ کر دیتی تھی اور سچی بات یہ ہے کہ کبھی کبھی خود پر جھنجلاہٹ ہونے لگتی تھی۔ میں وہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا جو کر بیٹھتا تھا' میرے اوپر دوسری شیطانی قوتیں حاوی تھیں' آہ......... میں کس طرح اپنے دل و دماغ کو سکون دوں' ایک بار پھر بے سکونی کا شکار ہو گیا تھا نہ جانے کب تک یہ کیفیتیں مجھ پر طاری رہیں' نہ جانے کب تک میں خود اپنے آپ سے ناآشنا رہوں' کب تک.........؟ کب تک.........؟ کب تک.........؟ آخر کب تک.........؟

o------------------o

بہرحال میں ایک کچلا ہوا انسان تھا اپنے آپ سے بیگانہ اپنی کیفیتوں سے مجبور' پھر میں نے مونگا کو آواز دی اور مونگا ایک آواز پر میرے پاس پہنچ گیا۔ ان دنوں وہ کافی سعادت مند ہو گیا تھا۔

"مونگا میں راج بنسی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"مہربانی مہاراج کی۔"

"اب مجھے یہ بتا کہ مجھے کرنا کیا چاہئے؟"

"مہاراج سنت راج بنسی کے گھر کے سامنے میں تمہیں پہنچا دوں گا اس کے بعد تمہارا اپنا کام ہی ہوگا کہ تم اسے بات کرو' مگر میں یہ سمجھتا ہوں مہاراج کہ تم اسے دھوما چمار کے بارے میں سب کچھ بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے اور کوئی ایسی بات مونگا جو تو مجھے بتانا چاہتا ہے؟"

"نہیں مہاراج سب کچھ تمہیں ہی کرنا ہوگا۔ سنت راج بنسی کے بارے میں' میں نے تمہیں اتنا بتا دیا ہے کہ وہ خود بھی میرے چکر میں ہے' لیکن اس کے گیان نے اسے بتا دیا ہے کہ میں اس وقت کسی دوسرے کے قبضے میں ہوں' اب ساری بات وہ نہیں جانتا' تمہارے اور اس کے بیچ کوئی سودا ہو تو کر لینا' مہاراج مگر میرا کام ہو جانا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے مونگا' اب ایسا کرنا ہے مجھے کہ حاجی ستار جیسے ہی واپس آ جائے گا میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"میں جانتا ہوں مہاراج اسی لئے میں نے آپ کو کشٹ نہیں دیا تھا۔" اس نے کہا۔ بہرحال میں خود اپنے آپ سے گھبرایا ہوا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے اس کیفیت سے فرار حاصل کرنا چاہئے۔ سب سے زیادہ حیرت مجھے گوہر پر تھی اس نے کسی ایسی کیفیت کا اظہار نہیں کیا تھا جس سے مجھے یہ احساس ہو کہ گوہر کو کسی بات سے شرمندگی ہے' یہ اس کی معصومیت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا' فطرت انسان کی راہنمائی کرتی ہے اور کبھی کبھی انسان اس انداز میں بھی بھٹک جاتا ہے۔ بہرحال میں سمجھتا تھا کہ میں گوہر سے زیادہ تجربہ کار ہوں کیونکہ جو کچھ مجھ پر بیت چکی تھی اور جس طرح مجھے اس تمام صورت حال سے آشنا کیا گیا تھا وہ ایک الگ ہی بات تھی' کم از کم گوہر ان باتوں سے ناواقف تھی' چنانچہ مجھے خود احتیاط رکھنی چاہئے تھی' اب اس میں کوئی شک نہیں کہ میں گوہر کو اپنی زندگی کے آخری لمحے تک کا ساتھی بنانا چاہتا تھا لیکن یہ احساس ہمیشہ میرے دل میں جاگزیں رہے گا کہ میں نے وقت سے پہلے وہ اقدامات کر لئے جو مجھے نہیں کرنے چاہئیں تھے' خیر اب جو ہو چکا ہے اسے ٹالنا بھی میرے بس سے باہر تھا پھر حاجی ستار آ گیا' خوش و خرم تھا بڑے پرتپاک انداز میں مجھ سے ملا گوہر سے اس نے پوچھا۔

"کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی گوہر بیٹے؟"

"نہیں......... بالکل نہیں........." اس نے جواب دیا۔

"بڑا خوش ہوں میں اس بات پر کہ کم از کم میرا بوجھ بانٹنے والا کوئی تو میرے ساتھ آیا۔" اس کے الفاظ پر میں دل ہی دل میں کٹ کر رہ گیا تھا' میں نے جس طرح اس کا بوجھ بانٹا تھا اگر اسے اس کا علم ہو جائے تو نہ جانے اس کی اپنی کیفیت کیا ہو بہرحال اب جو کچھ بھی تھا مجھے اپنا کام کر لینا تھا اور اس کے لئے میں نے گوہر سے بھی کہہ دیا۔

"ہو سکتا ہے گوہر مجھے کچھ وقت باہر گزارنا پڑے تم محسوس نہ کرنا۔"

"رات کو بھی؟" اس نے عجیب سے انداز میں سوال کیا اور میں کچھ حیرت سی محسوس کرنے لگا۔ گوہر خود ہی اپنے الفاظ پر شرما گئی پھر اس نے کہا۔

"نہیں میرا مطلب ہے کہ کہیں دور جانا ہوگا؟"

"ہو سکتا ہے گوہر!"

"اور واپسی کب تک ہو جائے گی۔" اس نے بے قراری کے انداز میں پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کچھ وقت لگ جائے۔"

"زیادہ وقت تو نہیں لگے گا؟"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے حاجی صاحب سے کہہ دیا؟"

"نہیں۔"

"کہہ کر جانا' اچھی بات نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" اس کے بعد میں نے حاجی صاحب سے کہا۔

"حاجی صاحب آپ نے اپنا دورہ مکمل کر لیا' تھوڑی سی ذمے داریاں میری بھی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کہیں جانا ہوگا مجھے۔"

"اوہو اچھا اچھا' نہیں میاں ظاہر ہے میں اس سلسلے میں کوئی اعتراض کرنے کا حق تو نہیں رکھتا' ویسے کہاں جا رہے ہو؟"

"حاجی صاحب کچھ ایسے کام ہیں جن کے لئے واپسی میں ہو سکتا ہے کچھ وقت بھی

لگ جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیادہ وقت نہ لگے۔"

"ٹھیک ہے اب میں آگیا ہوں' اب کوئی بات نہیں ہے' ویسے یہ ذمے داری ہم دونوں کو مشترکہ طور پر سنبھالنی ہوگی۔" حاجی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی۔" میں نے بھی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا' البتہ مجھے اب ایک احساس ہو رہا تھا کہ جو کچھ ہو چکا ہے اس میں کم از کم گوہر برابر کی شریک ہے میری اور مجھے اس قدر شرمندہ نہیں ہونا چاہئے جبکہ وہ خود اپنے چہرے سے اس قدر شرمندہ نظر نہیں آتی تھی۔ رخصت ہونے سے پہلے جب مجھے اس کے ساتھ تنہائی ملی تو میں نے کہا۔

"گوہر میں احساس شرمندگی سے کٹا جا رہا ہوں۔"

"کیوں؟" اس نے حیران نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"گوہر میں وہ سب کچھ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا جو میرے دل میں ہے۔"

"کیا ہے آپ کے دل میں؟"

"جو کچھ ہو چکا ہے گوہر وہ ایک گناہ ہے۔"

"ہاں میں سمجھتی ہوں۔" اس نے سرد آہ میں کہا۔

"ہمیں یہ گناہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"ہمیں کا لفظ آپ نے صحیح استعمال کیا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں بھی تو اس میں آپ کی برابر کی شریک ہوں۔"

"کیا؟"

"تو اور کیا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں آپ ہی کو تنہا اس کا ذمے دار قرار دے ڈالوں۔"

گوہر سے مجھے اس صاف گوئی کی امید نہیں تھی میں اسے حیرانی سے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"لیکن گوہر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ گناہ ہے' البتہ ہم اس گناہ کو زندگی کے آخری سانس تک نبھائیں گے۔"

"مجھے اس بات کا یقین ہے۔" گوہر نے جواب دیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے کوئی برا انسان نہیں سمجھا۔"

"دیکھئے میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ برائی میں اگر کوئی برابر کا شریک ہو تو دوسرے کو الزام دینا مناسب نہیں ہوتا۔"

"گوہر تم بہت کشادہ ذہن کی مالک ہو۔"

"ہونا چاہئے انسان کو اپنے آپ کا پورا پورا تجزیہ کرنا چاہئے' لیکن آپ کی واپسی جلد ہونی چاہئے۔"

"اطمینان رکھو۔" میں نے جواب دیا۔ گوہر کے الفاظ نے مجھے خاصی حد تک اطمینان بخشا تھا پھر میں کوٹھی سے باہر نکل آیا اور میں نے مونگا کو آواز دی۔

"میں موجود ہوں مہاراج!" اس نے کہا۔

"ہمیں کہاں چلنا ہوگا؟"

"تھوڑا سا سفر کرنا ہوگا۔"

"ٹرین سے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر چلو۔"

"آیئے مہاراج!" اس نے کہا اور پھر اس کے بعد ہم ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے' میرے ساتھ ایک ایسی شخصیت تھی جو کسی کو نظر نہیں آسکتی تھی اور اگر نظر آجاتی تو بھگدڑ مچ جاتی۔ لوگ اس خوفناک وجود کو برداشت نہ کرپاتے لیکن اب میں اس کا عادی ہوگیا تھا' مونگا کو میں اپنے ساتھ ساتھ محسوس کر رہا تھا تقریباً ریل میں ہم نے کوئی آٹھ گھنٹے کا سفر کیا اور ایک بستی میں پہنچ گئے' میں نہیں سمجھ رہا تھا کہ اتنا فاصلہ ہوگا سنت راج بنسی کا' لیکن بہرحال فاصلے بھی طے ہو ہی جاتے ہیں' سنت راج بنسی کا گھر ایک خوبصورت اور خوشنما علاقے میں تھا' میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ بھی کوئی ایسی ہی جگہ ہوگی جہاں مرگھٹ وغیرہ ہوگا اور مردے جلائے جاتے ہوں گے یا پھر کوئی بھیانک جگہ' لیکن یہ تو ایک اچھا خاصا خوبصورت مکان تھا جسے حویلی ٹائپ کا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ وہ پرانے طرز کا ہوا تھا لیکن بہرحال اچھا تھا البتہ اس کے گیٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد ہم نے وہاں بڑی ویرانی دیکھی۔ جھاڑ جھنکاڑوں کے درمیان بہت دور ایک چھوٹی سی عمارت بنی ہوئی

تھی گویا یہ احاطہ اپنی جگہ الگ تھا لیکن رہائشی عمارت ذرا کم ہی تھی' باہر سرخ پتھروں کی سلوں سے دیواریں بنائی گئی تھیں اور باہر سے دیکھنے سے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اندر کی کیفیت یہ ہوگی' بہرحال ہم وہاں چلتے رہے اور اس کے بعد مونگا نے کہا۔

"بس میری حد یہیں تک ہے......... اب سنت راج بنسی تم سے ملے گا اور اس کے بعد اس سے بات کرنا تمہارا کام ہوگا۔" میں نے جس شخص کو دیکھا وہ ایک لمبے قد کا آدمی تھا' بھرا بھرا بدن رکھنے والا' سفید دھوتی اور سفید کرتے میں ملبوس تھا' سر کے بال کانوں تک بڑھے ہوئے تھے' چھوٹی سی داڑھی بھی تھی اور مونچھیں بھی' دیکھنے میں بہت برا آدمی نظر نہیں آتا تھا البتہ وہ مجھے حیرت سے دیکھ رہا تھا پھر آہستہ آہستہ چلتا وہ میرے قریب آگیا اور اس نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کون ہو؟"

"نادر ہے میرا نام۔"

"نادر!"

"ہاں۔"

"گویا مسلمان ہو!" میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔

"بولتے کیوں نہیں؟"

"ہاں۔ نام کا مسلمان۔"

"نام کے ہو یا کام کے' یہ بتاؤ یہاں کس کام سے آئے ہو؟"

"آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں بنسی مہاراج!"

"آؤ۔ اس طرف آجاؤ۔" اس نے کہا اور مجھے عمارت کی طرف لے جانے کے بجائے ایک سمت چل پڑا اگر ان جگہوں کو ترتیب سے سجایا جاتا تو حسین ترین جگہیں ہو سکتی تھیں لیکن اب وہاں لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی اور اس گھاس کے درمیان ہی پگڈنڈی سی بنی ہوئی تھی' اس پگڈنڈی پر چلتے ہوئے ہم جس جگہ پہنچے وہ درختوں میں گھرا ہوا ایک چبوترا سا تھا جو پکا بنا ہوا تھا اور پتھر کی سلوں سے اسے بنایا گیا تھا وہیں پر بیٹھنے کے لئے سرکنڈے کے مونڈھے پڑے ہوئے تھے' اس نے مجھے مونڈھے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"ہاں کہو' کہاں سے آئے ہو؟"

"مہاراج ایک بڑا ضروری کام ہے آپ سے۔"

"کسی مسلمان کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟"

"آپ سے کہہ چکا ہوں کہ نام کا مسلمان ہوں' دین دھرم چھن کر رہ گیا ہے میرا۔"

"اوہ۔" اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر خاموشی سے میری صورت دیکھتا رہا جیسے میرے آگے بولنے کا منتظر ہو' جب میں کچھ نہ بولا تو اس نے کہا۔

"تم نے لفظ چھن چکا استعمال کیا ہے!"

"ہاں بنسی مہاراج!"

"کچھ تفصیل بتانا پسند کرو گے؟"

"ہاں مہارج!"

"تو بتاؤ۔"

"مہاراج ایک مسلمان کا بیٹا ہوں حالات جس طرح بھی پیش آئے وہ ایک الگ بات ہے لیکن کسی طرح کچھ لوگوں کے چکر میں پڑ گیا' ان میں سے ایک شخص رادھن لال تھا۔" رادھن لال کا نام سن کر بنسی چونکا اور مجھے دیکھتا رہا۔

"آگے کہو۔"

"رادھن لال نے مجھے ایک جاپ بتایا جس سے مجھے ایک بیر کو قبضے میں کرنا تھا۔"

اچانک ہی راج بنسی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"تمہارا نام نادر ہے نا؟"

"ہاں!"

"تمہارے بیر کا نام مونگا؟"

"ہاں بنسی مہاراج!"

"اوہ تو وہ تم ہو!"

"ہاں بنسی مہاراج!"

"ہوا کیا تھا؟ پورا واقعہ بتاؤ۔"

"بنسی مہاراج میں وہ جاپ کر رہا تھا' جاپ کرتے مجھے تین دن اور سات دن ہوئے تھے کہ رادھن لال مارا گیا۔" میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اچھا پھر؟"

"اور وہ جاپ پورا نہیں ہو سکا......... مونگا میرے قبضے میں آگیا بس اتنا کہ اس کی گردن کٹی ہوئی تھی؟"

"ہاں مونگا کو قبضے میں کرنے کا جو جاپ ہوتا ہے وہ تین حصوں میں ہوتا ہے اور تین حصوں میں یہ بیر مکمل ہوتا ہے' لیکن پھر؟"

"بہرحال مونگا بغیر سر کے رہ گیا اور اب وہ مجھ سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ میں وہ جاپ پورا کر لوں۔"

"تو پھر؟"

"مہاراج وہ جاپ میں بھول چکا ہوں۔"

"اوہ۔" راج بنسی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"تم نے یاد کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

"نہیں مہاراج!"

"اچھا تو ٹھیک ہے پھر!"

"مہاراج وہ جاپ میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" راج بنسی کی آنکھوں میں مکاری کے آثار نظر آئے اس نے کہا۔

"لیکن کیا تمہیں یہ بات بھی معلوم ہے کہ میں بھی مونگا کو اپنے قبضے میں کرنے کا خواہشمند ہوں؟"

"ہاں میں یہ بات جانتا ہوں مہاراج!"

"تو پھر میں یہ جاپ تمہیں کیوں بتاؤں گا؟"

"مہاراج اگر آپ اب بھی کوشش کریں تو کیا آپ مونگا کو قبضے میں کر سکتے ہیں؟"

"نہیں۔ کیوں کہ وہ تمہارے قبضے میں ہے۔"

"تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ میرا جاپ مکمل کرا دیں' مونگا کو اس کی گردن مل

جائے‘ اگر وہ مکمل ہو جائے اور میری جان چھوڑنا چاہے تو آپ یقین کریں میں اسے اپنے قبضے میں نہیں رکھوں گا۔“

”تو پھر کیا کرو گے؟“

”جو کچھ بھی آپ کہیں گے۔“

”کیا تم اسے مجھے دے دو گے؟“

”ہاں مہاراج!“

سوچ لو!“

”سوچ لیا مہاراج!“

”نہیں‘ پھر سوچ لو!“

”میں نے کہا نا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”مگر میں کیسے اطمینان کرلوں اس بات کا؟“

”بنسی مہاراج آپ جس طرح بھی چاہیں اطمینان کرلیں۔“

”ہوں۔ اس اطمینان کے لئے تمہیں ایک مرحلے سے گزرنا ہوگا۔“

”آپ نے میری پوری بات نہیں سنی۔“

”سناؤ.........سناؤ۔“

”ایک اور مشکل پیش آگئی ہے درمیان میں۔“

”اچھا کوئی اور مشکل بھی ہے؟“

”ہاں۔“

”وہ کیا مشکل ہے مجھے بتاؤ؟“

”کیا آپ دھوما چمار کو جانتے ہیں؟“

”دھوما چمار! نہیں میں اسے نہیں جانتا۔“

”کالے علم کرتا ہے۔“

”ظاہر ہے چمار کی اولاد ہے۔“

”مہاراج وہ بھی مونگا کو قبضے میں کرنے کے لئے جاپ شروع کر چکا ہے۔“

”اوہ!“ بنسی مہاراج کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔

”بنسی مہاراج وہ اپنا جاپ پورا کر رہا ہے‘ اور مونگا پریشان ہے۔“

”پتہ ہے اگر وہ بھی مونگا کے لئے جاپ پڑھ لے اور مونگا نامکمل ہو تو کیا ہوگا؟“

”ہاں مہاراج مونگا مجھے بتا چکا ہے۔“

”مونگا کے شریر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے‘ پھر وہ کہیں کا نہ رہے گا‘ بس سنسار میں اس کی آتما بھٹکتی پھرے گی۔“

”آتما کی آتما۔“

”ہاں۔ یہ ایک لمبا چکر ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے جیون چاہئے‘ تم ابھی یہ سب کچھ نہیں سمجھ پاؤ گے‘ ایک جاپ کرکے تم نے بیوقوفی کی ہے۔ منش کو یہ علم سیکھنے کے لئے پتہ نہیں سنسار کے کتنے دکھ جھیلنے پڑتے ہیں مگر تم کہتے ہو کہ تم دھوکے سے اس جال میں پھنس گئے تھے‘ اگر تم جان بوجھ کر یہ کام کرتے تو شاید میں بھی تمہاری کوئی مدد نہ کرپاتا۔“

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے مہاراج کہ ہم دھوما چمار کو اس کے اس منتر پڑھنے سے کیسے روکیں؟“

”سوچنے کی بات ہے۔“

”وہ اگن منڈپ میں بیٹھا ہوا اپنا یہ جاپ شروع کر چکا ہے اور مونگا پریشان ہے۔“

”پریشانی کی تو بات ہے‘ مونگا کو میں بھی اپنے قبضے میں چاہتا ہوں لیکن سنو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔“ راج بنسی نے کہا۔

”جی مہاراج؟“

”تمہیں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ تم مجھ سے جو کچھ کہہ رہے ہو وہی کرو گے کچھ اور بھی کرنا ہوگا اور یہ سب کچھ جو تمہیں کرنا ہوگا بہت مشکل کام ہے۔“

”میں سمجھا نہیں بنسی مہاراج!“

”میں تم پر یقین نہیں کرسکتا۔ اس معاملے میں کسی پر بھی یقین نہیں کیا جاسکتا اور یہ کالے علم کرنے والے کبھی کسی پر وشواس نہیں کرتے۔“

”ٹھیک ہے مہاراج!“

"تو پھر میں یہ کیسے مان لوں کہ مونگا کو مکمل طور سے قبضے میں کرنے کے بعد تم اسے میرے حوالے کر دو گے؟"

"میں نے کہا نا یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔ اگر آپ بھی مونگا کے لئے جاپ کریں گے تو کیا مونگا اس طرح ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جائے گا' جس طرح دھوما چمار اس کا جیون لینے کے درپے ہے؟"

"ہاں ہو جائے گا۔ اور مجھے یہ بات معلوم تھی کہ تم نے اسے قبضے میں کر رکھا ہے لیکن وہ نامکمل ہے۔" راج بنسی نے پُراسرار لہجے میں کہا۔ میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا تب وہ بولا۔

"میں تمہیں جو کچھ بتاؤں گا تمہیں وہ کرنا ہو گا۔"

"مہاراج کیا اس سے پہلے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم دھوما چمار کو اس جاپ سے روکیں؟" راج بنسی کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے پھر اس نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہو جائے۔"

"اگر وہ کسی طرح اگن منڈپ سے نکل آئے تو پھر تو ہم اس سے نمٹ لیں گے۔"

"ہاں ایسا ہے۔ بہرحال تم مجھے تھوڑا سا سمے دو میں بتاؤں گا کہ اسے اگن منڈپ سے نکالنے کے لئے کیا طریقہ ہو سکتا ہے' ویسے میں اس کی شکتی کو نہیں جانتا' لیکن پھر بھی میں یہ کوشش کروں گا۔"

"تو مجھے حکم دیں' مہاراج مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"اس دوران تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہو گا۔"

"کب تک مہاراج؟"

"کم سے کم تین دن۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر آؤ اٹھو میں تمہیں تمہارے آرام کی جگہ بتا دوں' اس کے ساتھ ساتھ ہی میں کوشش کرتا ہوں کہ دھوما چمار کو اگن منڈپ سے نکالنے کے لئے تیاریاں کر سکوں۔"

"ٹھیک ہے، مہاراج۔" پھر وہ مجھے لئے ہوئے اس عمارت کی جانب چل پڑا جو شے میں بنی نظر آرہی تھی اور دور سے بہت پُراسرار محسوس ہوتی تھی' میں نہیں ا کہ اس عمارت میں کون کون رہتا ہے' راستے میں' میں نے پوچھ ہی ڈالا۔

"مہاراج کیا آپ کا پریوار بھی آپ کے ساتھ ہی رہتا ہے؟" وہ مجھے دیکھ کر اور بولا۔

"ہاں میرا پریوار۔" اس کے لہجے میں کچھ عجیب سی بات تھی' بہرحال میں نہیں یا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے' میں راستے طے کرتا رہا اور اس کے بعد میں نے اس یں پہلا قدم رکھا' مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ عمارت بالکل ویران ہو' وہاں کوئی ایک عجیب سی پُراسرار خاموشی اور سناٹا وہاں چھایا ہوا تھا جیسے وہاں کسی انسان کا وجود پھر وہ کون سا پریوار ہے جو وہاں رہتا ہے' اندر قدم رکھتے ہی مجھے ایک عجیب سی ب کا احساس ہوا تھا ایسی ٹھنڈک جو مقبروں اور ایسی جگہوں میں پائی جاتی ہے جہاں کے بجائے روحوں کا بسیرا ہو۔

میں نے راج بنسی پر اپنی کیفیت کا اظہار نہیں کیا لیکن وہ خود ہی بولا۔

"یہاں تمہیں میرا پریوار ملے گا۔"

"لیکن یہاں تو خاموشی ہے۔"

"سو رہے ہوں گے سب۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں خاموش ہو

"آؤ۔" اس نے کہا گویا ابھی اور آگے بڑھنا پڑے گا۔ میں نے سوچا لیکن راج ے میں نے کچھ نہیں کہا تھا' وہ مجھے لئے ہوئے عمارت کے پیچھے تاریک راستوں گزرتا رہا۔ پھر ایک بوسیدہ سے کمرے کے دروازے پر رک گیا۔ پھر اس نے کہا ل دروازے کے دوسری طرف زینہ ہے' نیچے اتر جانا۔"

"تم میرے ساتھ نہیں آؤ گے؟" میں نے سوال کیا اور راج بنسی مجھے دیکھنے لگا۔ بولا۔

"نہیں۔"

"ایک سوال کروں راج بنسی؟"

"ہاں پوچھو!"

"تم مجھے تین دن یہاں کیوں رکھنا چاہتے ہو؟"

وہ کچھ لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

"تمہاری حفاظت کے لئے۔"

"وہ کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو؟ دھوما چمار کیا تمہاری طرف سے غافل ہوگا؟ تم اسے چیلنج دے کر آئے ہو' اسے تمہارا بھی خیال ہوگا' یہاں تم محفوظ رہو گے۔ تین دن میں میں کوئی ایسا اپائے تلاش کرلوں گا کہ تم اسے اگن منڈپ سے بھی نکال سکو اور اس پر قابو بھی پا سکو......... جاؤ اب زیادہ سوالات نہ کرو۔"

اس نے دروازہ کھول دیا اور میں نیم تاریک ماحول میں داخل ہوگیا۔ سیڑھیاں مجھے نظر آرہی تھیں لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سیڑھیاں مجھے کہاں لے جائیں گی۔ میں نے اپنے عقب میں دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تھی اور نہ جانے کیوں میرا دل لرز کر رہ گیا تھا۔

میں ایک نامعلوم مقام کی جانب بڑھ رہا تھا' زندگی اور موت کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ پتہ نہیں کس طرف سے موت نکل کر مجھے دبوچ لے۔ لیکن بہرحال آگے بڑھنا تھا میں سیڑھیاں عبور کرتا رہا۔

O----------------O

کافی گہرائی میں اترنا پڑا تھا لیکن میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس قدر تاریکی کے باوجود وہاں کے ماحول کو دیکھا جا سکتا ہے اور میری آنکھیں اس ماحول کو دیکھنے کی عادی ہو گئی ہیں۔ پھر ایک بہت بڑی سی جگہ نظر آئی۔ کمرہ ہی کہا جا سکتا تھا اسے لیکن ایسا بھیانک کہ دیکھ کر دل کو وحشت ہو۔ سیلن کی شدید بدبو یہاں پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں اور چھتوں پر سرسراہٹیں آرہی تھیں۔ میں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو لاتعداد چمگادڑوں کو مختلف جگہوں پر چپکے ہوئے پایا۔ میری آمد پر ان میں بے چینی نہیں پیدا ہوئی تھی۔ دیواریں اس طرح ادھڑی ہوئی تھیں جیسے انہیں کھود کر پھینک دیا گیا ہو......... جگہ جگہ چونے اور مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے' دیواروں میں لاتعداد سوراخ نظر آرہے تھے۔ مجھے راج بنسی کے

الفاظ یاد آرہے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ یہاں اس کا خاندان ہے۔ کہاں ہے اس کا خاندان۔ کیا یہی چمگادڑیں.........! میں نے دل میں سوچا۔

اب کیا کرنا چاہئے۔ میرے تین دن یہاں کیسے بسر ہوں گے؟ کیا بھوکا پیاسا رہنا پڑے گا؟ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ سامنے کی دیوار میں ہلکی سی آہٹ ہوئی اور میں نے ایک کھڑکی نمودار ہوتی ہوئے دیکھی۔ پھر اس کھڑکی سے کھانے کے برتن اندر داخل کر دیئے گئے۔ اور میرے منہ سے بے اختیار آواز نکل گئی۔

"سنو......... رکو۔ ٹھہرو......... کون ہے.........؟" لیکن کھڑکی اس طرح بند ہو گئی' جیسے کسی نے میری آواز ہی نہ سنی ہو' میں دوڑ کر ان برتنوں کے پاس پہنچا' گرم پوریوں اور آلو کی ترکاری کے ساتھ پانی کا برتن بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کھڑکی پر ہاتھ مارا۔ لیکن میرا ہاتھ ایک سنگلاخ دیوار سے ٹکرایا۔ جہاں کھڑکی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ یہ کھڑکی اس دیوار میں کس طرح نمودار ہوئی اور پھر کہاں غائب ہوگئی' دیر تک میں اس کھڑکی کو تلاش کرتا رہا' ہو سکتا ہے جگہ مختلف ہو لیکن ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی۔

مین ایک ٹھنڈی سانس لے کر واپس مڑا ابھی بھوک نہیں لگ رہی تھی' چنانچہ میں نے اس کھانے کو ڈھک دیا۔ میں اپنی ہی مشکل کا شکار تھا۔ کافی دیر گزر گئی اور اس کے بعد میں نے کچھ بھوک محسوس کی۔ کھانے کی ٹرے اپنے سامنے سرکا کر میں شکم سیری کے لئے بیٹھ گیا۔ ساری باتیں اپنی جگہ' پیٹ کے دوزخ کو تو بھرنا ہی ہوتا ہے۔ بہرحال میں کھانا کھاتا رہا پھر عقب میں آہٹیں سنائی دیں اور تب میں چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔

ایک بار پھر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ ایک بلی تھی' عام بلی کے قد سے کافی بڑی۔ رنگ سیاہ تھا اور آنکھیں آگ کی طرح چمک رہی تھیں۔ میں گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔ نہ جانے مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ بلی بہت خطرناک ہے اور یقینی طور پر مجھ پر حملہ کرے گی۔

بلی آہستہ آہستہ میری جانب آرہی تھی اور میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اگر وہ مجھ پر حملہ کرے تو مجھے اپنے بچاؤ کے لئے کیا کرنا ہوگا۔ لیکن کوئی ایسی چیز نظر نہ آسکی یہاں

تک کہ بلی میرے پاس پہنچ گئی۔ پھر میں نے اس کے حلق سے میاؤں میاؤں کی آوازیں سنیں لیکن ان آوازوں میں غراہٹ نہیں تھی بلکہ ایک نرم سا انداز تھا۔ اس کے بعد وہ میرے پیروں میں آکر لوٹنے لگی۔ بلیوں کے مخصوص انداز ہیں۔ وہ اپنا سراپا بدن میرے قدموں سے رگڑ رہی تھی اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے کہہ رہی ہو کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ میں تمہاری دوست ہوں۔

دل کو ایک لمحے کے لئے سکون ہوا' انسان بڑی کمزور چیز ہے' کبھی کبھی مجبوری کی حالت میں ایک معمولی سا سہارا اس کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے ایک جاندار کو اپنے پاس اس حالت میں دیکھ کر مجھے بڑی ڈھارس ہوئی تھی کہ میں یہاں تنہا نہیں ہوں۔

بہرحال میں نے پُرسکون ہو کر دل کو اطمینان دلایا اور بیٹھ گیا۔ بلی اپنے مخصوص انداز میں میرے پاس بیٹھ گئی تھی اور میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔ حالانکہ مجھے اس کی یہاں موجودگی اس کا رنگ اس کا انداز' اب بھی کچھ عجیب سا ہی لگ رہا تھا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ سیاہ بلیوں کے روپ میں خبیث روحیں بھٹکتی ہیں' لیکن ہوگا۔ میں تو خبیث روحوں کے چکر میں پھنس ہی گیا ہوں' کہاں کہاں اپنا بچاؤ کروں' جو ہوگا دیکھا جائے گا' بلی اگر کسی برائی پر آمادہ نہیں ہے تو ٹھیک ہے اس کا ساتھ قبول کیا جا سکتا ہے' نہ جانے مجھے کیا خیال آیا' میں نے ٹرے میں رکھی ہوئی پوریوں میں سے بچی ہوئی پوریاں اٹھا کر بلی کے سامنے رکھیں تو وہ انہیں سونگھنے لگی پھر اس نے پوریاں کھانا شروع کر دی تھیں۔ یہ جانور کی فطرت تھی۔ بلی کو اس طرح پوریوں میں مصروف دیکھ کر مجھے مزید ڈھارس ہوئی اور یہ اطمینان ہو گیا کہ یہ بلی کوئی خبیث روح نہیں ہے۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ اور زیادہ یگانگت کا مظاہرہ کرنے لگا۔

بلی نے بچی ہوئی پوریوں کے تمام ٹکڑے کھالئے اور پھر میرے پاس ہی لیٹ گئی۔ میں اس سے باتیں کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے جاندار ساتھی تو جو کوئی بھی ہے کم از کم یہاں سے جانے کی کوشش مت کرنا۔

بہرحال وقت اس طرح گزرنے لگا اور میں اس ماحول کا عادی ہو گیا کبھی کبھی سر کی بلندی پر چمگادڑیں پر پھڑپھڑاتی ہوئیں ادھر سے ادھر اڑتی نظر آ جاتی تھیں۔ لیکن میں اب اس ماحول سے مانوس ہو گیا تھا۔ اس لئے خوف کا احساس میرے دل میں باقی نہیں رہا

یہاں وقت کے کسی اندازے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ میں ایک پتھر کا ہارا کر وہیں زمین پر لیٹ گیا۔ یہ احساس بھی نہ ہوا مجھے کہ اس منحوس جگہ سانپ یا وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں' بس یہ سوچا تھا کہ جتنا وقت یہاں گزارنا ہے وہ تو گزارنا ہی ے گا۔

کافی دیر گزر گئی۔ پھر شاید رات ہونے لگی تھی' مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے نیم غنودہ ذہن سے میں نے مونگا کے بارے میں سوچا۔ آسیبوں کے متعلق جتنی تائیں میرے علم میں تھیں' میرے ذہن میں آنے لگیں۔ کس طرح آسیب انسان کی ن پر مسلط ہو جاتے ہیں اور انسان آسیب زدہ کہلانے لگتا ہے۔ آسیب زدہ مکانات بھی نے ہیں۔ گھر بھی ہوتے ہیں۔ گردن اس طرح مصیبت میں پھنس جاتی ہے۔ بے چاری ہر سوچ رہی ہوگی کہ میں نہ جانے کہاں گم ہو گیا۔ بہرحال وہ میری زندگی کا حاصل تھا' شکر تھا کہ وہ لمحات ٹل گئے تھے جن کا مجھے خوف تھا۔ یعنی یہ کہ گوہر مجھے اپنے باپ کا قاتل کی حیثیت سے پہچان لے' کہیں یہ بات اس کے علم میں نہ ہو کہ مولوی وصال ین کا قتل میرے ہاتھوں ہوا ہے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو مجھے یقین تھا کہ میں اسے یہ جھانے کی کوشش میں ناکام رہتا کہ بے شک مولوی وصال الدین کی گردن میرے ہاتھوں لیکن وہ ہاتھ میرے نہیں ایک آسیب کے تھے۔ کوئی نہ مانتا میری بات کو۔ مونگا سے ھے نجات مل جائے تو اس کے بعد گوہر کو لے کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔ اور اگر ممکن ا اور تقدیر نے ساتھ دیا تو پھر حکمت کے ساتھ زندگی گزاروں گا' ایک خاندان مجھے مل جائے گا اور میں اور حکمت مل کر کوئی ایسا کاروبار کریں گے جس سے دیانتداری کے ساتھ کی روزی حاصل ہوگی اور ہم بھی دنیا کے ان لوگوں میں شامل ہو سکیں جو کسی بھی شہر کے اچھے شہری کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ ایک حسرت تھی ایک آرزو تھی۔ میں تو ابھی جن ائب سے گزر رہا تھا انہیں ہی دیکھتا تھا۔ یہ جگہ بھی آسیب زدہ تھی۔ بلی اگر میرے ساتھ نہ ہوتی تو شاید یہاں کی دہشت میرا دم ہی نکال دیتی لیکن اس کا وجود غنیمت تھا مجھے اچھا لگ رہا تھا۔ جیسے یہ بلی خاص طور سے میرے لئے بھیجی گئی ہو.......... وہ اس وقت بھی خاموش گردن جھکائے آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔

لیکن پھر اچانک ہی کچھ ہوا' بلی نے چونک کر آنکھیں کھول دی تھیں اس کے کان

کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ سامنے کی دیوار کو گھورنے لگی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ دبے پاؤں اِ
طرح آگے بڑھی' جیسے اپنے شکار پر جھپٹنے کا ارادہ کر رہی ہو۔

میں بھی چوکنا ہو گیا تھا اور اس کے اس عمل کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن
تاریکی میں دیکھنے والی آنکھوں سے میں نے یہ دیکھا کہ دیوار کے پاس کچھ بھی نہیں
البتہ بلی بہت چوکنی نظر آ رہی تھی۔

دیوار کے قریب پہنچنے کے بعد وہ اسے سونگھنے لگی اور پھر اس نے اسے ا
دونوں پنجوں سے کھرچنا شروع کر دیا۔ نہ جانے کس خیال کے تحت میں اپنی جگہ سے ا
اور آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ پھر میں نے اسے پاؤں سے چھوا تو وہ کوئی ایک
انچ اونچی اچھل گئی' پھر وہ میرے پیروں کے پاس آ گئی' لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اس
کی متجسس اور مضطرب نگاہیں دیوار پر ہی جمی ہوئی ہیں۔

میں غور سے اس کی یہ حرکتیں دیکھ رہا تھا لیکن بات میری سمجھ میں نہیں آ ر
تھی' پھر نہ جانے کس خیال کے تحت' میں بھی دیوار کے پاس پہنچ گیا' اچانک ہی بلی نے
غرانا شروع کر دیا۔ اس کے منہ سے خوفناک غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ میں نے حیرت سے
دیوار پر ہاتھ پھیر کر یہ جاننے کی کوشش کی کہ بلی اس قدر مضطرب کیوں ہے' لیکن اچانک
ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ دیوار پتھر کی نہیں ہے' ایک عجیب سا الجھا احساس مجھے
رہا تھا۔ میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں اور تھرتھری سی پیدا ہو گئی۔ میں بلی کو انتہا
پریشان دیکھ رہا تھا' وہ دوڑ دوڑ کر اس دیوار کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جا ر
تھی اور نہ جانے کس کیفیت کا شکار تھی' پھر آہستہ آہستہ اس کی یہ دیوانگی ختم ہوتی گئی
میں وہاں سے واپس پلٹا تو وہ خود بھی میرے پیچھے پیچھے ہی آ گئی اور میرے پاس بیٹھ گئی
اب وہ پُرسکون نظر آ رہی تھی۔

لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا تھا' میں اس کی اس کیفیت کو بالکل بھی سمجھ نہ
پایا تھا۔ پھر تھوڑی دیر تک ہم اسی طرح بیٹھے رہے بلی میری بہترین ساتھی تھی' نہ جا
کتنی دیر اس طرح گزر گئی اور ایک بار پھر مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی' چاروں طرف
گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا' کبھی کبھی مجھ پر خوف کی کیفیت طاری ہونے لگتی تھی اور
دل زور زور سے دھڑکنے لگتا تھا.......... میں نے پہلی بار اپنے دل کی آواز خود اپنے کا

نی تھی۔ بدن پسینے سے تر ہو رہا تھا' لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ گرمی کا احساس
تھا۔ خدا کی پناہ مجھے یہاں تین دن گزارنا ہوں گے' پورے تین دن۔ یہ کیسے ممکن
بہت دیر تک میں ان سوچوں میں ڈوبا رہا اور پھر شاید دماغ پر نیند کی چادر چڑھ گئی۔
ے نیند نہیں کہہ سکتا تھا بس غنودگی کا سا احساس تھا اور بہت دیر تک میں اسی
ں میں گم رہا۔

اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے بلی نے میرے پیروں سے سر رگڑ کر مجھے
ی کی کوشش کی ہو۔ میں جاگ گیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ بلی بے حس و
بیٹھی سامنے کی دیوار پر ٹکٹکی باندھے تک رہی ہے۔ اس کے کان کھڑے تھے اور
یں دہکتے ہوئے سرخ شعلوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ نہ جانے کیوں ایک بار پھر
ے دل پر دہشت کا بسیرا ہو گیا' میں بلی کے ساتھ ساتھ خود بھی اس دیوار کو گھورتا رہا۔

پھر میں نے بلی کی پشت پر ہاتھ رکھا لیکن اس نے میری طرف توجہ نہیں دی اور
بار پھر چھلانگ لگا کر دیوار کی جانب دوڑی میں نے بھی دیوار کی جانب دیکھا' لیکن
کچھ بھی نہیں تھا۔ البتہ بلی کی حرکات اور اس کے پُراسرار تیور ظاہر کرتے تھے کہ وہ
کسی شے کے تعاقب میں ہے۔ پھر وہ دیوار کے قریب جا کر اسے سونگھنے لگی اور
باری اپنے دونوں پنجے دیوار پر رگڑنے لگی۔ مجھے اس کے پنجوں کی دیوار پر کھرچنے کی
ز سنائی دے رہی تھی۔

اچانک میرا دل زور سے دھڑکا ایسے لگا جیسے اچھل کر سینے سے باہر آ جائے گا۔ ہاتھ
سنانے لگے اور مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ میں نے اس وقت کچھ دیکھا نہیں البتہ
آواز سنی تھی۔ جس نے مجھے اس حالت کو پہنچا دیا' خدا رحم کرے پتہ نہیں کیسی آواز
اب میں اس آواز کو واضح طور پر سن سکتا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ کمرے کے
ایک عجیب مدہم سا شور برپا ہے اور اس شور کی آواز اس سامنے والی دیوار کے اس
ری جانب سے اٹھ رہی ہے' جسے بلی دیوانہ وار کھرچنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

مجھے اس آواز کا راز نہیں معلوم ہو سکا تھا لیکن پھر چیں چیں اور چوں چوں کی
ازوں سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ چوہوں کے بولنے اور پنجے مارنے کی آوازیں ہیں' ایسی
ازیں تھیں جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ دیوار کے دوسری طرف ایک دو نہیں بے شمار

چوہے موجود ہیں۔

میں نے وحشت زدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھا اب کیا کروں' کیا کرنا چاہیے مجھے' میں اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر کچھ دیر کے بعد آوازیں مدھم ہو گئیں۔ بلی کے انداز میں بھی تبدیلی ہو گئی تھی' پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مایوس ہو گئی ہو۔ خدارا یہ سب کچھ کیا ہے۔ یہ تین دن تو میری زندگی کے آخری تین دن ثابت ہوں گے اگر میں اس طرح ان حالات میں پھنسا رہا۔

کئی بار میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس دیوار کا معائنہ کیا تھا' اسے خوب بجا بجا کر دیکھا تھا۔ لیکن شاید کہیں سے کوئی رخنہ نہیں تھا میں نے بلی کی طرف دیکھا اب وہ آرام سے پاؤں پھیلا کر دراز ہو گئی تھی جیسے ان حالات سے بے پرواہ ہو گئی ہو۔

میں نے بھی ان سب پر لعنت بھیجی اور ایک بار پھر ذہن جھٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس بار میری نیند خاصی گہری تھی اور صبح کی روشنی کا احساس بس احساس ہی ثابت ہوا کیونکہ فضا میں ایک عجیب سا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ گویا صبح ہو گئی تھی۔

O-----------------O

دن کی روشنی میں بھی تہہ خانہ تاریک اور سرد تھا اور اس کی بدنمائی مزید بڑھ گئی تھی۔ میں نے روشنی میں اس کی دیواروں کو دیکھا' طرز تعمیر بھی عجیب سا تھا' نہ جانے کس خیال کے تحت میں اس دیوار کی جانب بڑھ گیا۔ جسے رات کو میں نے ٹٹول کر دیکھا تھا اور جو مجھے پتھر سے بنی ہونے کے بجائے لبلبی کا ہی کی طرح محسوس ہوئی تھی' دیوار ٹوٹی پھوٹی بیشک تھی اس کا پلاسٹر جگہ جگہ سے ادھڑا ہوا تھا لیکن وہ اس وقت بالکل سخت اور پتھریلی تھی۔ ہو سکتا ہے رات کو میرے خوف نے مجھے اس کے اس انداز میں ہونے کا احساس دلایا ہو' بہرحال یہ اندازہ تو تھا کہ یہ جگہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ سنت راج بنسی اند سے کیا ہے یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم تھا بہت دیر تک میں اس دیوار کا جائزہ لیتا رہا پھر اس کے کنارے کنارے تہہ خانے میں اس عظیم الشان کمرے کا چکر لگانے لگا' عجیب سا ماحول تھا۔ کہیں کہیں زنگ آلود سلاخیں بھی نظر آ رہی تھیں' میں دیواریں ٹٹولتا ہوا ایک اس جگہ پہنچا جہاں دیوار اندر کو دھنسی ہوئی تھی' یہ ایک درز نما جگہ تھی' میں نے حیرت سے اس جگہ کو دیکھا' دور سے دیکھنے پر اس کے اندر یہ خلاء نظر نہیں آتا تھا' لیکن قریب سے

دیکھنے سے مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ دیوار کے پیچھے ایک اور دیوار بھی ہے اور اس میں ایک دروازہ سا بنا ہوا ہے' یہ میرے لئے بے حد حیرتناک بات تھی۔ میں نے اس دروازے کو دیکھا' اس کے دوسری جانب گہری تاریکی تھی' پتہ نہیں کیا مصیبت ہے' پھر اچانک ہی مجھے سرسراہٹ سنائی دی اور میں اچھل کر پھر پلٹا اور واپس اپنی جگہ پہنچ گیا' تب میں نے ویسے ہی برتنوں کی ٹرے دیکھی جس میں کھانا رکھا ہوا تھا۔ دوسرے لمحے میں حلق پھاڑ کر چیخا۔

"راج بنسی راج بنسی! کوئی ہے' جو کوئی بھی ہے میرے سامنے آئے' بات کرنا چاہتا ہوں میں' بات کرنا ہے مجھے۔" لیکن میری آواز گونج کر رہ گئی' مجھے اس آواز کا کوئی جواب نہیں ملا تھا' میں خاصا بددل ہونے لگا' کیا کروں آہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ پھر میں نے زور سے آواز دی۔

"مونگا مونگا او کمبخت مونگا۔" لیکن شاید یہاں تک کمبخت مونگا کی بھی پہنچ نہیں تھی کسی بات کا کوئی جواب نہیں ملا تو میں تھک ہار کر بیٹھ گیا' پھر دفعتاً ہی میں دوبارہ چونک پڑا' بلی نظر نہیں آئی تھی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن بلی کا کہیں وجود نہیں تھا آہ وہ بھی چلی گئی تھی' کافی دیر تک میں سر پکڑے بیٹھا رہا' پھر احساس ہوا کہ بھوک لگ رہی ہے چنانچہ میں نے سوچا کہ اذیتیں تو برداشت کرنی ہی پڑ رہی ہیں' بھوک کی اذیت تو نہ برداشت کروں' پتہ نہیں آگے کیا حالات پیش آئیں' چنانچہ میں کھانا لے کر بیٹھ گیا۔ زندگی کی دوسری ضروریات بھی ہوتی ہیں' پانی سے میں نے منہ تو دھو لیا لیکن باقی معاملات بھی تو تھے' آہ کسی مصیبت میں پھنس گیا اس سے تو بہتر تھا کہ جیسی گزر رہی تھی ویسے ہی گزار لیتا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ راج بنسی بھی کوئی خطرناک کردار ہو اور اس نے مجھے اس مصیبت میں پھنسا دیا ہو' اس بات کے امکانات ہو سکتے تھے۔ بڑا ہراساں ہوا تھا اور دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوستا رہا تھا بلکہ اپنے آپ سے زیادہ اس کمبخت چچی جان نما ڈائن کو کوس رہا تھا جس نے مجھے بابا سفیدے کے پاس بھیجا تھا' محنت مزدوری کر کے ہی زندگی گزر جاتی' لیکن یہ کیا عذاب نازل ہو گیا تھا مجھ پر یہ میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔ بہت دیر تک کھانے میں مصروف رہا' پھر فراغت پا کر ٹھنڈی زمین پر لیٹ گیا۔ کیا کر سکتا تھا' دفعتاً مجھے اس دیوار کے خلاء کا خیال آیا اور میرے دل میں یہ تصور پیدا

ہوا کہ دیکھوں تو سہی خلاء کے دوسری طرف کیا ہے' بلی تو موجود نہیں تھی۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس خلاء کی جانب بڑھ گیا' وہاں کھڑے ہو کر مجھے یہ احساس ہوا کہ دوسری طرف اگر کچھ ہے تو یقینی طور پر کوئی ایسی بھیانک جگہ ہے جہاں یہاں سے بھی زیادہ تاریکی چھائی ہوئی ہے' کیا میں اسے اندر جا کر دیکھوں' بلی کی موجودگی سے ایک تھوڑی سی ڈھارس تھی لیکن اس کی غیر موجودگی میں وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ چند لمحات وہیں کھڑا رہا اس کے بعد ٹٹول ٹٹول کر دیواروں کو دیکھا اور آگے قدم بڑھائے' لیکن ابھی ایک ہی قدم رکھا تھا کہ اچھل کر پیچھے ہٹ جانا پڑا' پیروں کے پاس کوئی چیز سرسراتی ہوئی سنائی دی تھی لیکن اس کے بعد دو دہکتی ہوئی آنکھیں اور اس کے ساتھ ہی میاؤں کی آواز نے مجھے بتایا کہ میری دوست بلی یہاں موجود ہے۔ اسے دیکھ کر دل کو ایک سکون کا سا احساس ہوا اور میں اسے چمکارنے لگا' بلی میرے پیروں کے پاس آکر معمول کے مطابق میرے پیروں سے منہ رگڑنے لگی تھی میں نے ایک قدم آگے بڑھایا تو بلی میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی' کوئی پانچ گز کا فاصلہ اسی طرح طے ہوا تھا پھر جو میرا قدم آگے بڑھا تو مجھے ایک خلاء سا محسوس ہوا اور میں نے فوراً ہی قدم روک لئے۔ ہو سکتا ہے اس طرف کوئی خوفناک غار ہو یا کوئی ایسی جگہ جہاں سے نیچے گر جانے کا خطرہ ہو' پھر میں نے آہستہ آہستہ پاؤں نیچے کر کے دیکھا تو مجھے ایک سیڑھی کا سا احساس ہوا' آہ اس تہہ خانے کے اندر بھی کوئی تہہ خانہ ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور آہستہ آہستہ ان سیڑھیوں کو طے کرنے لگا۔ بلی میرے قدموں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی' میں کئی سیڑھیاں اترنے کے بعد نیچے پہنچا اور ایک طرف گھوم گیا ایک سرنگ نما جگہ تھی لیکن اس کے دہانے سے مدہم مدہم روشنی آرہی تھی' یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں کوئی شمع روشن ہو میرے بدن نے ایک بار پھر مجھ سے بغاوت شروع کر دی' اعصاب سخت کشیدہ ہو گئے تھے' ادھر کون ہے؟ میں نے دل میں سوچا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ گیا' پھر میں نے اس دہانے کی دوسری جانب قدم رکھا تو مجھے ایک طاق میں شمع روشن نظر آئی جس کی پیلی مدہم لو لرز رہی تھی۔ یہ بھی ایک وسیع و عریض تہہ خانہ تھا' اس تہہ خانے سے بھی بڑا جس میں اب تک میں نے وقت گزارا تھا اور یہاں یہ پُراسرار روشنی بہت عجیب محسوس ہو رہی تھی' تھوڑے فاصلے پر مجھے ایک سنگی مجسمہ نظر آرہا تھا اور یہ مجسمہ انتہائی بھیانک تھا باہر کو نکلے ہوئے دانت'

لمبے لمبے ناخن' پھٹی ہوئی آنکھیں' سیاہ رنگ کے پتھر سے یہ مجسمہ بنایا گیا تھا اور اس کی کیفیت عجیب سی تھی' میں چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ دفعتاً ہی شمع کی روشنی گل ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس جیسے اس مدہم اندھیرے میں وہ مجسمہ جنبش کر رہا ہو اور پھر میرے کانوں نے اس کی آواز سنی۔

"پاپی ملیچھ' دیکھتا ہوں تو میرے ہاتھوں سے کیسے بچ کر نکلتا ہے' دیکھوں گا تجھے۔"

میرے بدن کے مسامات نے پسینہ چھوڑ دیا تھا' یہ آواز میری شناسا تھی حالانکہ اس سے چند ہی باتیں ہوئی تھیں لیکن مجھے یہ احساس ہو گیا کہ وہ دھوما چمار کی آواز تھی' میرا دل چاہا کہ میں پلٹ کر بھاگ لوں لیکن میرے قدم جیسے جم سے گئے۔ پھر میں نے اس مجسمے کو اپنی جگہ سے جنبش کرتے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد ایک اور بھیانک منظر میری نگاہوں کے سامنے آگیا۔ میرے عین سامنے دیوار کے پاس مجھے ننھی ننھی سرخ آنکھیں چمکتی دکھائی دیں اس کے ساتھ ہی چیں چیں۔ چیں چیں' کی آوازیں ابھرنے لگیں' میں پسینے میں شرابور ہو گیا اور یوں محسوس ہوا جیسے دل کی دھڑکن رک جائے گی' پھر اچانک ہی میں نے اپنے پیروں کے پاس بلی کو تڑپتے ہوئے دیکھا اس کے حلق سے غراہٹیں سی نکلنے لگی تھیں اور پھر اس نے اپنے پنجے میرے دونوں پاؤں میں گاڑھ دیئے' درد کی شدت سے میں بلبلا کر رہ گیا تھا' بلی پر کچھ ایسی کرب کی کیفیت طاری تھی جیسے وہ شدید عذاب میں گرفتار ہو۔ وہ میرے پیروں کو جھنجھوڑ رہی تھی' میں نے زور سے پاؤں جھٹکا اور بلی اچھل کر دور جا پڑی لیکن نیچے گرتے ہی وہ پھر اٹھی اور دیوانہ وار ان سرخ آنکھوں کی جانب لپکی' میاؤں میاؤں کی آواز سے کمرہ گونجنے لگا' بلی کا جنون انتہا کو پہنچا ہوا تھا وہ اس دیوار کو کھرچ رہی تھی جہاں اب بھی ننھی ننھی سرخ آنکھیں نظر آرہی تھیں' تیز پنجوں کے رگڑنے کی آواز اس اعصاب شکن ماحول میں کیسی لگ رہی تھی۔ میرا دل ہی جانتا تھا' میں سخت عذاب میں گرفتار ہو گیا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ بلی مسلسل اسی جنون و اضطراب کے عالم میں سنگی دیواروں سے سر پھوڑ رہی تھی' پھر اچانک ہی وہ ننھی ننھی روشنیاں بجھ گئیں اور وہ آوازیں بھی تھم گئیں' آواز تھمتے ہی بلی نے گردن اٹھا کر تھکی تھکی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میرے قریب آکر میرے پاؤں چاٹنے لگی' کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کوئی ایک بات جو سمجھ میں آرہی ہو آہ۔ میں

یہاں سے کیسے نکلوں۔ کوئی سنتا ہی نہیں ہے کیا کیا جائے کیا نہ کیا جائے' بہرحال اب مجھ پر جنون سا سوار ہو گیا تھا۔ میں دیوانہ وار آگے قدم بڑھانے لگا پھر اندازے سے میں نے وہ جگہ دیکھی جہاں طاق میں شمع روشن تھی۔ میں نے ٹٹول کر دیکھا تو شمع مجھے نظر آ گئی' اس کے قریب ہی ماچس بھی رکھی ہوئی تھی. میں نے ماچس کی تیلی جلا کر شمع پھر روشن کر دی' پتھر کا وہ مجسمہ جس سے میں نے دھوما کی آواز سنی تھی اب بھی اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا' میں غصیلے انداز میں اس کی جانب بڑھ گیا۔ اب میرے اندر بھی ایک عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئی تھی۔ مجسمے کے قریب پہنچ کر میں نے اسے ٹٹول کر دیکھا اور مجھے کوئی شک نہ رہا' وہ سو فیصدی سنگی بت تھا لیکن وہ آواز' مجسمے کی تحریک' پھر فوراً ہی مجھے یہ اندازہ بھی ہوا کہ تھوڑی دیر قبل جب میں نے یہ مجسمہ اس جگہ دیکھا تھا تو یہ جگہ وہ نہیں تھی اچھی طرح کہہ سکتا تھا کہ یہ جگہ وہ نہیں ہے' اچانک ہی مجھے لوہے کی ایک سلاخ ایک کونے میں پڑی نظر آئی اور میں اس کی جانب بڑھ گیا۔ مجھ پر جنون سا سوار ہو رہا تھا میں نے کونے میں پڑی ہوئی سلاخ کو اٹھایا اور مجسمے کے قریب پہنچ گیا اس کے بعد میں نے سلاخ پوری قوت سے اس مجسمے پر ماری' میری اس قوت سے سلاخ مارنے پر مجسمے کا سر ٹوٹ کر ایک طرف گر پڑا اور مجھے اپنے عقب میں ایک گڑگڑاہٹ سنائی دی' میں نے مجسمے پر تین چار وار کئے اور اس گڑگڑاہٹ کی پرواہ نہیں کی' پھر میں نے مجسمے کو ریزہ ریزہ کرنے کے بعد پلٹ کر دیکھا تو عقبی دیوار کا ایک حصہ اپنی جگہ سے سرکا ہوا نظر آ گیا تھا۔ میں نہ جانے کیا سوچ کر اس کی جانب بڑھ گیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ تہہ خانے سے شدید بدبو آ رہی تھی' میں نے آگے بڑھ کر دیوار سے شمع اٹھائی اور اسے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اس تہہ خانے کی جانب بڑھنے لگا۔ بلی کو میں نے اپنے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد بلی مجھ سے پہلے اس تہہ خانے میں اتر گئی' میں شمع احتیاط سے پکڑے ہوئے نیچے اترا اور نیچے کا منظر دیکھ کر شدت حیرت سے گنگ ہو گیا' یہاں سرنگوں کا ایک جال سا بنا ہوا تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ یہاں اب گھٹن نہیں رہی تھی' راستہ پتھروں کا بنا ہوا تھا' دونوں جانب پختہ دیواریں تھیں۔ ابتداء میں تو بدبو کا احساس ہوا تھا لیکن چند لمحے بعد یہ محسوس ہوا جیسے تازہ ہوا کے جھونکے اندر آ رہے ہوں' یہ جھونکے کہاں سے آ رہے ہیں' اس کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا' میں اس پُراسرار تہہ خانے میں آگے

بڑھنے لگا۔ تب میں نے کچھ ایسی چیزیں دیکھیں جنہیں دیکھ کر میرے قدم رک گئے کچھ انسانی ہڈیاں یہاں پڑی ہوئی تھیں دو چار انسانی کھوپڑیاں بھی موجود تھیں' بلی ان کے درمیان بھٹک رہی تھی۔ مجھے اندھیرے میں کچھ چمکدار چیزیں بھی نظر آئیں' یہ غالباً ہڈیوں کا فاسفورس تھا بہرحال یہ شیطانی کارخانہ میرے لئے سخت خوف و دہشت کا باعث تھا اور اب تو مجھے یوں لگنے لگا تھا جیسے ایک بار پھر میرے ساتھ دھوکہ ہو گیا ہو' بدبخت سنت راج بنسی نے مجھے یہاں اس طلسم خانے میں قید کر دیا ہو' آہ۔ کیا کروں' کیا کرنا چاہئے مجھے اور پھر یہی فیصلہ کیا کہ تین دن خاموشی سے گزر جانے دوں ورنہ یہاں تو نہ جانے کیا کیا کچھ موجود ہے' یہ کالے جادو کے ماہر ایسی ایسی عجیب جگہیں بنا لیتے ہیں' پتہ نہیں یہاں وہ کیا کرتے ہیں' یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آہ نہ جانے کب مجھ پر سے یہ مصیبتوں کا عذاب ختم ہو گا' میں نے دل میں سوچا' بہرحال اس کے بعد میں نے واپسی ہی کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ سنگی مجسمہ مجھے سب سے زیادہ خوفناک محسوس ہو رہا تھا' جس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا' دھوما کی آواز تھی اس کا مطلب ہے کہ دھوما کو کچھ شبہ ہو گیا ہے کہ میں راج بنسی سے اس کے خلاف مدد لے رہا ہوں' نہ جانے کیا ہو گا اب نہ جانے کیا ہو گا' واپسی میں بلی میرے ساتھ تھی' یہ بلی مجھے اور دہشت زدہ کئے ہوئے تھی اور اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی' لیکن اب میں نے بالکل ہی اپنے آپ کو معطل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا' چنانچہ ان تمام جگہوں پر لعنت بھیج کر میں اسی تہہ خانے میں آ گیا جہاں راج بنسی مجھے چھوڑ گیا تھا۔ پھر بقیہ دو دن کس طرح گزرے میں اس کی داستان کیا سناؤں' بس یوں سمجھ لیجئے کہ لمحہ لمحہ مرتا رہا تھا' وہ کھانا جو میرے سامنے آتا مجھے زہر معلوم ہوتا تھا اور ہر لمحے یہی خدشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں یہ میری آخری آرام گاہ ہی نہ ہو' گوہر کے بارے میں بھی سوچتا تھا اور حاجی ستار کے بارے میں بھی' پتہ نہیں وہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے کہ میں کہاں فرار ہو گیا' لیکن بہرحال میری دلی آرزو تھی کہ میں اس جنجال سے نکل جاؤں اور اس کے بعد گوہر کی آغوش میں زندگی کے بقیہ لمحات بسر کر دوں' یہاں تک کہ تیسرا دن بھی گزر گیا' میں ہراساں ہوتا جا رہا تھا لیکن پھر دروازہ کھلا اور مجھے راج بنسی کی آواز سنائی دی۔

"زندہ ہو؟"

"ہاں زندہ ہوں۔"

"زندہ ہو تو باہر نکل آؤ۔" اس نے کہا اور میں برق رفتاری سے دروازے کی جانب دوڑا۔ راج بنسی ایک سفید دھوتی پہنے سامنے کھڑا تھا دل تو چاہتا تھا کہ اس کی گردن دبوچ لوں' لیکن اب تک جو محنت کی تھی اسے ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا' وہ مجھے بازو سے پکڑے ہوئے ایک جانب چل پڑا اور پھر نہ جانے کیسے کیسے راستوں سے گزرتا ہوا ایک کمرے میں آگیا۔ یہاں فرنیچر وغیرہ بھی موجود تھا اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جب میں بیٹھ گیا تو میری صورت دیکھنے لگا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سونا تپ کر کندن بن جاتا ہے تم بھی تپ گئے ہو' کندن بن گئے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں راج بنسی۔"

"جس جگہ تم نے یہ سے گزارا ہے وہاں بہت کچھ ہے' اتنا کچھ کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا' جو شخص اس جگہ کو بھگت لے سمجھ لو اس کا بدن بہت ہی سخت ہے' دل بہت سخت ہے' یا تو اس کے دل کی دھڑکن بند ہو جاتی ہے یا وہ جی جاتا ہے' تم جیتے جاگتے واپس آئے ہو اس کا مطلب ہے کہ سنسار میں تمہاری عمر بھی بہت باقی ہے اور کامیابی کے امکانات بھی ہیں' بہرحال میں نے وہ سب کچھ تیار کر لیا ہے جس سے تم دھوما چمار کو اگن منڈپ سے باہر لا سکتے ہو۔" دل تو چاہا کہ اس سے کہوں کہ لعنت بھیجتا ہوں ان تمام چیزوں پر خدا اس وقت کو غارت کر دیتا جب میں بابا سفیدے کے پاس گیا تھا' اچھا ہوا دونوں میرے ہاتھوں سے مارے گئے' لیکن بہرحال میں اس عذاب سے ابھی تک نہیں نکل پایا تھا میں نے کہا۔

"تو پھر بتاؤ کیا کرنا ہے مجھے اب؟"

"لو یہ مونگ کے دانے ہیں یہ دانے اپنے پاس سنبھال کر رکھ لو اور اس کے بعد تمہیں دھوما چمار کے پاس جانا ہے۔ اب کے جب تم اس سے بات کرو تو سخت لہجے میں بات کرنا اور پھر یہ دانے اس پر دے مارنا اس کا حصار ٹوٹ جائے گا اور وہ باہر آنے پر مجبور ہو جائے گا۔ میں اسے باہر لانے کی ذمے داری لیتا ہوں اس کے بعد باقی کام تمہارا ہوگا۔"

"وہ کمبخت اپنے جادو کے خول سے باہر نکل آئے اس کے بعد میں خود اس کے

ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا اور پھر مونگ کے وہ دانے اپنے ہاتھ میں لے لئے جو اس نے ایک کاغذ کی پڑیا میں باندھ دیئے تھے' اچھی خاصی مقدار تھی' ایک مٹھی بھر سکتی تھی' میں نے کہا۔

"تو ان تین دنوں میں تم نے ابھی تک یہی کیا ہے۔"

"دیکھو میرے اور تمہارے بیچ ایک معاہدہ ہوا ہے' اگر نہیں ہوا ہے تو پھر اسے غور سے سن لو' تم دھوما چمار کو اگن منڈپ سے نکال کر اس کو مار دو' سمجھ رہے ہو نا' وہ مر جائے گا یا جیتا رہے گا' یہ تمہارا کام ہے اس کے بعد تم یہ سمجھ لو کہ تمہیں میرے پاس آنا ہے' بقیہ جاپ پورا کرنے کے بعد جو میں تمہیں بتا دوں گا' تمہیں مونگا کو آزاد کرنا ہے' تم اسے آزاد کیسے کرو گے' اس کی ترکیب بھی میں تمہیں بتا دوں گا۔"

"ایک بات پوچھ سکتا ہوں راج بنسی؟"

"ہاں پوچھو۔"

"مونگا کو تم اپنے قبضے میں کرنے کے بعد کیا کرو گے؟"

"یہ تمہارے پوچھنے کی بات نہیں ہے اور نہ ہی یہ تمہارا کام ہے میاں جی' تم ان باتوں کو کیا جانو۔ مونگا کے بعد بھیروں' بھیروں کے بعد پدما' پھر شنکھا پھر کھنڈولا سمجھ رہے ہو نا' نہ جانے راج بنسی کیا بننا چاہتا ہے لیکن تم نے پہلے ہی قدم پر اس کا راستہ روک لیا۔"

"خیر مجھے ان تمام چیزوں سے دلچسپی نہیں ہے' میں دوسرے قسم کا انسان ہوں۔ محنت مزدوری کر کے زندگی گزارنے کا شوقین' یہ کالا جادو تم ہی کو مبارک ہو میں تو اپنا کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"سمجھتا ہوں میاں جی' اگر یہ نہ سمجھتا تو تم پر بھروسہ نہ کرتا' سنسار میں انسان کو اگر کوئی چھوٹی سی شکتی بھی مل جاتی ہے تو وہ دوسرے کے کندھوں پر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے' تم جیسے تو بہت کم ہوتے ہیں جو شکتی مل جانے کے باوجود اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ارے کیا جاتا تمہارا مونگا کو جتنا تم نے قبضے میں کر لیا تھا اتنا ہی قبضے میں رہنے دیتے' وہ اگر لوگوں کا سر کاٹتا پھرتا ہے اور اپنی کھوپڑی کی جگہ فٹ کرتا رہتا ہے تو تمہارا اس سے کیا بگڑتا لیکن تم نے یہ نہ کیا' میں جانتا ہوں ایسا تم نے کیوں نہ کیا' اگر تم ایسے نہ

ہوتے تو بھگوان کی سوگند میں تمہیں ذرا بھی کسی کام کے لئے آمادہ نہ کرتا' مجھے کیا پڑی تھی جو کسی کے چکر میں پڑوں' لیکن اس میں میرا بھی فائدہ ہے' ہاں یہ سوچ لو کہ جاپ معلوم کرنے کے بعد اگر مونگا مکمل طور سے تمہارے قبضے میں آجائے اور تم اسے آزاد نہ کرو تو پھر میری اور تمہاری جنگ چل جائے گی اور اس کے بعد تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا' میری شکتی کا تھوڑا سا نمونہ تم نے دیکھ لیا ہے۔"

"میں نے تمہاری شکتی کا نمونہ تو دیکھ لیا ہے راج بنسی' لیکن ایک بات میں تمہیں خاص طور سے بتانا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"کیا تمہارے اس تہہ خانے در تہہ خانے میں ایک سنگی مجسمہ بھی مقید ہے؟"

"سنگی مجسمہ؟"

"ہاں پتھر کا بت۔"

"نہیں ایسا کوئی بت وہاں نہیں ہے۔"

"سوچ سمجھ کر کہو۔"

"ایسا کوئی بت وہاں نہیں ہے۔"

"لیکن میں نے ایک بت وہاں دیکھا ہے۔"

"کک کہاں؟"

"اس تہہ خانے سے آگے جا کر' ایک اور تہہ خانہ ہے!"

"ہاں ہے۔"

"وہاں ایک سنگی مجسمہ کھڑا تھا۔"

"ناممکن ہے یہ۔"

"جو کچھ میں تمہیں بتا رہا ہوں تم اس پر یقین نہ کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' لیکن اس سنگی مجسمے نے مجھ سے باتیں بھی کیں۔"

"کیا باتیں کیں؟" اچانک ہی راج بنسی کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔"

"اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔ میں دیکھ لوں گا تجھے۔"

میرے منہ سے نکلا اور میں نے محسوس کیا کہ راج بنسی کافی پریشان ہو گیا ہے' دیر تک وہ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"عجیب مصیبت میں پھنس گیا ہوں میں۔"

"کیا مطلب راج بنسی؟" میں نے سوال کیا لیکن راج بنسی نے میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا' مجھے یوں لگا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے ارادہ ترک کر دیا ہو' دیر تک وہ گردن جھکائے سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔"

"دھوما چمار اتنا شکتی مان تو نہیں تھا اس کا مطلب ہے کہ وہ.........وہ!" وہ پھر خاموش ہو گیا جیسے اپنے اندر ہی اندر کچھ فیصلے کر رہا ہو اس کے بعد اس نے گردن جھٹکی اور بولا۔"

"ٹھیک ہے میاں جی تم کوشش کر لو' کوشش تو ہم بھی کر رہے ہیں' تم بھی کر لو لیکن شکتی حاصل کرنے کے لئے جھگڑے تو مول لینا ہی پڑتے ہیں پتہ نہیں اس نے کون سی شکتی حاصل کر لی ہے' تم جاؤ اور کوشش کرو۔"

"ٹھیک ہے۔"

"ڈر تو نہیں رہے میاں جی۔" اس نے سوال کیا اور میں نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا پھر آہستہ سے کہا۔

"میں ڈرتا نہیں ہوں راج بنسی!"

"یہ اچھی بات ہے' من میں اگر خوف ہو تو پھر کام مشکل ہو جاتا ہے۔"

"تو اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"بس یہ مونگ کے دانے لے جاؤ اور جیسا کہ میں نے کہا ہے کرو۔ اس میں تمہیں کامیابی حاصل ہو گئی تو سمجھو سب کے وارے نیارے ہو گئے۔"

"تو پھر میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"حلیہ درست کر لو اپنا یہاں سے نکلو تو کم از کم انسان کے بچے نظر آؤ' تین دنوں میں تمہارا تو حلیہ ہی بگڑ گیا ہے۔" میں نے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا اس نے مجھے نیا لباس دیا جو میرے بدن پر بالکل مناسب تھا' یہ لباس تبدیل کر کے بال وغیرہ سنوار کر میں وہاں سے نکل آیا اور اب ایک نئی مہم میری منتظر تھی اس کا انجام میں نہیں جانتا تھا۔

میں راج جنسی کے پاس سے چل پڑا یہ جو کچھ کرنا پڑ رہا تھا حقیقتاً مجھے بہت گراں گزر رہا تھا' گوہر مجھے مل گئی تھی زندگی میں اور کچھ بھی نہیں تھا میرے لئے۔ کسی کا تصور دل میں نہیں آتا تھا' سب کو بھلا بیٹھا تھا' دلی آرزو تھی کہ میں بھی اس دنیا میں بسنے والے ہزاروں پُرسکون انسانوں کی مانند زندگی گزاروں' چھوٹی چھوٹی خوشیاں سمیٹوں۔ چھوٹا سا ایک گھر بناؤں اور اس گھر میں اپنی مطلوب نظر کے ساتھ زندگی کے بقیہ لمحات بسر کروں' نہ جانے کیوں تقدیر مجھے اس کا موقع نہیں دے رہی تھی میں نہیں چاہتا تھا' یہ عیش و عشرت' یہ مال و دولت' زندگی تو گزر ہی جاتی ہے کسی نہ کسی طرح کیا فائدہ اتنا لالچ کرنے سے' کم از کم زندگی کا سکون تو حاصل ہو' آہ گوہر مجھے مل جائے تو پھر مجھے کسی اور شے کی حاجت نہیں' محنت مزدوری کر کے بھی گوہر کو ایک حسین زندگی فراہم کر سکتا ہوں۔ میرے لئے یہ مشکل نہیں ہو گا' لیکن بس یہ بلا ٹل جائے' کبھی کبھی تو دل چاہتا تھا کہ فیض خان کے گھر پہنچوں اور اس عورت کا سر پتھروں سے کچل دوں جس نے مجھے ان راستوں پر لگا دیا تھا۔ کمبخت کو خود بھی کچھ حاصل نہ ہوا' پتہ نہیں وہ پاگل عورت کیا چاہتی تھی' اپنے بیٹے کے لئے کسی شے کی خواہشمند تھی' میرے ذریعے یا خود اس کے اپنے دل میں کوئی آرزو تھی جو اس نے مجھے اس راستے پر لگایا تھا لیکن پھر یہ بھی احساس ہوتا تھا کہ غلطی میری بھی تھی' میں نے اپنی عقل سے کیوں نہ سوچا آہ مجھے جو کچھ معلوم ہوا تھا مرحوم وصال الدین کے ذریعے' اس نے مجھے خود اپنی ہی نگاہوں میں ذلیل کر دیا تھا۔ میں اپنا ایمان کھو بیٹھا تھا' کچھ بھی نہیں رہا تھا میرے پاس' میں غیر مسلم ہو گیا تھا' حالانکہ میں کلمہ گو تھا' میرے دل میں اللہ کے وجود سے انکار بھی نہیں تھا' کوئی شیطنت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود میں اس قابل نہیں تھا کہ اللہ کے پاک گھر میں داخل ہو سکوں' میرے وجود کو ایک گندگی کا ڈھیر قرار دے دیا گیا تھا' اور میرا اس میں کوئی قصور نہیں تھا' کیا کرنا چاہئے مجھے' بہرحال راستے طے کئے' کسی ایک طرح اگر گندگی سے چھٹکارہ ملے تو بعد میں اپنے آپ کو سنوارنے کی کوشش کروں' ایسے کاموں کا آغاز کروں جن سے میرے وجود کی یہ گندگی ختم ہو جائے' میں جو ہوں وہی بن جاؤں' لیکن اس کے لئے ابھی کافی وقت درکار تھا' بہرحال میں نے وہ سفر مکمل کیا اور بالآخر اس علاقے میں پہنچ گیا جہاں

کمبخت دھوما موجود تھا اور وہ اپنا جاپ کر رہا تھا سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس شخص کی اصل کیفیت کیا ہے' بہرطور اب جو کچھ بھی ہے مجھے اپنا یہ کام تو کرنا ہی تھا' میں بالآخر وہاں پہنچ گیا جہاں دھوما اپنے جاپ میں مصروف تھا' مرگھٹ پر ویرانی طاری تھی' چاند بھی پورا نکلا ہوا تھا اور آسمان صاف تھا' دور سے دھوما اپنے کام میں مصروف نظر آ رہا تھا' میں خاموشی سے آگے بڑھتا رہا اور پھر میں اس دائرے کے پاس پہنچ گیا جسے اگن منڈپ کا نام دیا جاتا تھا' منڈپ میں دھوما آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا بڑے پُرسکون انداز میں اپنے جاپ میں مگن تھا' اسے شاید میری آمد کا پتہ بھی نہیں چلا تھا لیکن بہرحال مجھے جو ہدایت کر دی گئی تھی میں اسی کے مطابق عمل کر رہا تھا' میں نے مونگ کے وہ دانے اپنے ہاتھ میں سنبھالے جنہیں استعمال کر کے مجھے دھوما کو شکست دینی تھی اور اس کے بعد میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

"میں آ گیا ہوں دھوما تیری موت بن کر آ گیا ہوں میں' آنکھیں کھول اور مجھے دیکھ' میں تیری موت ہوں۔" میں نے اپنے ان الفاظ کا ردعمل دھوما کے چہرے پر دیکھنے کی کوشش کی لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری آواز اس کے کانوں تک پہنچی ہی نہیں اور وہ پورے اطمینان کے ساتھ اپنے جاپ میں مصروف رہا تو میں نے دوسری بار اسے پکارا اور اس بار دھوما نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں نفرت کی سی چنگاریاں پیدا ہو گئیں اس نے اپنا جاپ توڑا اور اس کے بعد غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"او پاپی ملیچھ' تو پھر ادھر آ گیا۔ تیرا ستیاناس' کیوں میرے جاپ میں بار بار رکاوٹ ڈال رہا ہے' جو کام میں جتنی جلدی کر لینا چاہتا ہوں تو مجھے مسلسل اس سے روک رہا ہے۔"

"دھوما جو کام تو کر رہا ہے نا میں تجھے وہ نہیں کرنے دوں گا۔"

"میں نے اب تک یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ تو آخر ہے کون اور مجھ سے کیا چاہتا ہے' جو بکواس تو مجھ سے کر کے گیا تھا میں نے اس پر کان نہیں دھرے تھے' لیکن لادھرم تو یہ سب کچھ کر چکا ہے' میری بات سن لے تیسری بار اگر تو میرے سامنے آیا تو میں تیرا وہ حال کروں گا جو کہ تو یاد کرے گا' جا بھاگ جا مجھے میرا کام کرنے دے۔"

"مگر یہ تو دیکھ دھوما یہ کیا ہے۔" میں نے کہا اور مونگ کے وہ دانے دھوما کی جانب اچھال دیئے دھوما چونک پڑا جیسے ہی مونگ کے وہ دانے اس حصار کو توڑ کر اندر داخل ہوئے اچانک ہی چاروں طرف سے بھیانک شوروغل کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ چھوٹے چھوٹے دھماکے ہو رہے تھے اور بھیانک چیخیں جن میں عورتیں مردوں اور بچوں کی آوازیں شامل تھیں' بری طرح ابھر رہی تھیں' ان آوازں سے ایسا سماں بندھا تھا کہ مجھ پر دہشت طاری ہو گئی۔ میں دھوما کو جس حال میں دیکھنا چاہتا تھا اس نے مجھے دیر رہنے دیا' دھوما کے گرد سفید سفید دھواں پھیل گیا تھا' اور اس دھوئیں سے چنگاریاں سی اٹھ رہی تھیں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے اعضاء جواب دے چکے ہوں' میرا پورا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے میں پانی میں بھیگ رہا ہوں۔ ان آوازوں کی دہشت سے میری قوت سماعت مجروح ہو رہی تھی' دل چاہ رہا تھا یہاں سے بھاگ جاؤں لیکن مجھے یوں لگا جیسے میرے اعضاء میرا ساتھ نہیں دے سکیں گے' بھیانک آوازوں شوروغل ہر لحہ بڑھتا جا رہا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ آوازیں زمین سے آسمان تک بکھری ہوئی ہوں' دھوما کے گرد بدستور سفید دھوئیں کا حصار تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ آوازوں میں کمی ہو گئی اور دھوما کے گرد چکراتا ہوا دھواں بھی ختم ہونے لگا۔ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ خاکستر ہو رہا ہے اس کا وجود جل رہا ہے ایک شیطان اپنی موت مر رہا ہے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ دھوما اسی طرح تنا کھڑا ہوا تھا اور اس کی نگاہیں میری جانب نگراں تھیں پھر اس نے اچانک ہی اپنا ہاتھ فضاء میں بلند کیا اور اسے اس طرح گھمانے لگا جیسے کسی رسی کو پکڑ کر گھما رہا ہو' لیکن رسی نام کی کسی چیز کا کوئی پتہ نہیں تھا البتہ یہ نادیدہ پھندہ گھما کر اس نے میری طرف پھینکا اور مجھے یوں لگا جیسے میرے شانوں اور بازوؤں کے گرد ایک مضبوط رسی کس گئی ہو ایسی ہی نادیدہ رسی' میرے پیروں میں بھی حلقے کی شکل میں آپڑی تھی اور میں بری طرح کس کر رہ گیا تھا مجھ پر ایک بار پھر دہشت کا حملہ ہوا' دھوما کی نگاہیں اب مجھے گھور رہی تھیں پھر اس نے غصیلے انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو یہ کر کے آیا تھا تو موٹھ مار کر مجھے جلانا چاہا تھا' مگر مسلے تجھ سے کچھ نہیں کہوں گا میں' ارے تو ہے کیا چیز۔ پدی ناپدی کا شوربہ۔ مجھے بس یہ بتا کہ تیرا گرو کون

ہے؟ وہ کون ہے جس نے تجھے یہ موٹھ پڑھ کر دی ہے؟"

میرے منہ سے کوئی جواب نہیں نکل سکا تھا تو اس نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدایا اور میری طرف پھونک مار کر بولا۔

"جے شنتروشنتا' کلکھ مورتا۔ زبان کھول اس کی' کھول دے اس کی زبان کلکھ مورتا۔ کھول دے اس کی زبان مجھے میرے دشمن کا پتہ دے!" اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا ذہن اس کی گرفت میں آگیا ہو' میرے منہ سے آواز نکلی۔

"میرا گرو کوئی نہیں ہے' مونگ کے یہ دانے مجھے سنت راج بنسی نے پڑھ کر دیئے ہیں۔"

"سنت راج بنسی! پتہ تھا مجھے اس کا۔" دھوما نے کہا اس وقت میرے منہ میں میری زبان نہیں تھی جو کچھ میں بول رہا تھا وہ میری ہی آواز میں تھا لیکن کچھ اور قوتیں میری زبان میں بول رہی تھیں' میں نے اسے سنت راج بنسی کا پتہ بتایا تو اس نے گردن ہلائی پھر میری طرف پیٹھ کر لی ایک بار پھر میں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس کوشش میں بری طرح زمین پر گر پڑا بالکل ایسے ہی جیسے کوئی رسیوں سے بندھا ہوا کھڑا انسان اگر آگے بڑھانے کی کوشش کرے تو توازن بگڑ جاتا ہے' اچھی خاصی چوٹ بھی لگی تھی' میں اسی طرح بے بسی سے پڑا رہا میری نگاہیں دھوما کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اس نے اب دونوں ہاتھ گھمانا شروع کر دیئے تھے اور اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک سرخ دائرہ فضاء سے زمین پر اتر آیا اور اس کے پاس گردش کرنے لگا' دھوما کی بھیانک آواز مجھے سنائی دی۔"

"اس کا نام سنت راج بنسی ہے اسے جا کر یہاں لے آؤ۔" دائرہ فضاء میں اس طرح بلند ہوا جیسے کوئی مستعد غلام آقا کی بات سن کر اس کے اشارے پر دوڑا چلا جاتا ہے۔ اب میرے لئے یہ فیصلہ کر لینا مشکل نہیں تھا کہ سنت راج بنسی دھوما کے مقابلے میں بالکل ہی کچا ثابت ہوا ہے' اور دھوما کا کچھ بگاڑنے میں ناکام رہا ہے' میرے خیال میں تو اب خود اس کی اپنی ہی مصیبت آ گئی تھی کیونکہ دھوما نے اسے طلب کیا تھا اور میرا یہ خیال درست ہی نکلا' زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ راج بنسی سرخ دائرے میں جکڑا ہوا وہاں آ کر پہنچ گیا جہاں خود میں موجود تھا۔ اس کے حلق سے دلخراش چیخیں نکل رہی تھیں'

وہ تڑپ رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔
شما کر دے دھوما۔ شما کر دو مہاراج۔ شما کر دو دھوما مہاراج۔ بھول ہو گئی مجھ
جانتا نہیں تھا تمہیں' جانتا نہیں تھا مہاراج۔ شما کر دو۔ ہائے رام شما کر دو۔"

دھوما دائرے کے کنارے آکھڑا ہوا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے' وہ سارا منظر د
رہا تھا۔ سرخ دائرہ راج جنسی کے بدن سے لپٹا ہوا تھا اور غالباً وہ آگ کی طرح گرم
روشن تھا کیونکہ جب وہ راج جنسی کے بدن سے چھوتا تو راج جنسی اس طرح سسکنے لگ
جیسے آگ سے جل رہا ہو۔

"مہاراج' راجوں کے راج مہاراج راج جنسی' دھوما پر موٹھ ماری تھی ایں
موٹھ بھیجی تھی اس مسلے کے ہاتھ' تحفے کے طور پر ہمیں تو ہم نے سوچا مہاراج ہمار
طرف سے بھی تو کوئی تحفہ ملنا چاہئے آپ کو۔"

"نہیں۔ نہیں دھوما نہیں میں' میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں دھوما شما کر
مجھے ایک بار شما کر دے۔ دھوما' جانتا نہیں تیری شکتی کو بس بہکائے میں آگیا تھا' شما کر
دھوما شما کر دے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ شکتی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے جنسی جی مہار
ایک منش کسی پر وار کرے تو دوسرا منش صرف معاف کر دے۔ پھر ہمارے دھرم میں
یہ سب کچھ ہے ہی نہیں' تم خود بھی اچھی طرح جانتے ہو' ہم تم پر وار کرتے اور تم
سے بڑے شکتی مان ہوتے تو تم ہمیں کب چھوڑتے۔ چھوڑتے؟"

"دیکھ دھوما میں تیرا چیلا بن جاؤں گا۔ تیرے چرن دھو دھو کر پیئوں گا دھوما۔ ا
بار شما کر دو بس مجھے تیرا پتہ نہیں تھا' بہکائے میں آگیا تھا' میں سمجھا ایسے ہی کوئی ہو گا۔"

"تو پھر لو یہ اپنی موٹھ لے جاؤ جو ہماری مٹھی میں ہیں۔" دھوما نے مکاری سے
اور مٹھی سامنے کر دی لیکن راج جنسی اور زور زور سے گڑگڑانے لگا وہ گھٹنوں کے
زمین پر بیٹھ گیا۔

"نہیں دھوما مہاراج نہیں موٹھ واپس نہ کرنا۔ دھوما جی موٹھ واپس نہ کرنا
لیکن دھوما نے مٹھی اس کی جانب اچھال دی اور پھر میں نے جو کچھ دیکھا وہ میرے
رگوں میں خون منجمد کر دینے کا باعث تھا' چمکدار مونگ کے دانے راج جنسی کے بدن

بڑھے تھے اور پھر اس طرح اس کے بدن سے گزر گئے تھے جیسے گولیاں گزر جاتی
اس کا بدن چھلنی ہو گیا تھا اور اس سے خون کی دھاریں پھوٹ رہی تھیں۔

"ہائے دھوما مہاراج۔"

"دھوما مہاراج۔ دھوما مہاراج! دھوما مہاراج' جاؤ جنسی مہاراج پرلوک سدھارو'
کو نقصان پہنچانے کا یہی نتیجہ ہے۔" دفعتاً ہی میرے منہ سے ایک لفظ نکلا۔ بسم اللہ
میں نے ان نادیدہ رسیوں پر زور لگایا جو میرے بدن کو جکڑے ہوئے تھیں۔ یہ بس
حیرت انگیز عمل ہی تھا کہ میرے منہ سے یہ آواز نکل گئی تھی۔ مجھے ہلکے ہلکے تڑاخے
ہوئے اور میرے بدن کی رسیاں ٹوٹ گئیں' ایک لمحے میں میرے ہاتھ پاؤں بھی
ل گئے اور اس کے بعد میں یہ دیکھنے کے لئے وہاں نہیں رکا کہ دھوما کا کیا حشر ہوا یا
جنسی کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ یہ رسیاں ٹوٹ گئی تھیں اور مجھے بھاگ نکلنے کا موقع
گیا تھا' تو اس وقت جس طرح بھی اپنی جان بچا سکوں سب سے بہتر ہو گا' میں کسی برق
گھوڑے کی مانند دوڑ رہا تھا' ہوش و حواس سے بیگانہ تھا اور یہ اندازہ نہیں تھا مجھے
کہاں جا رہا ہوں بس دوڑا چلا جا رہا تھا یہ احساس بھی نہیں تھا مجھے کہ رسیاں کیسے ٹوٹ
یں۔ بسم اللہ میری زبان سے فطری طور پر ہی نکل گیا تھا اور میں یہ جاننے میں بھی ناکام
تھا کہ یہ بسم اللہ کا ہی کرشمہ ہے کہ میں جادو کی ان رسیوں سے آزاد ہو گیا' اس وقت
ایک کمزور انسان تھا جسے صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی اور اسی فکر میں دوڑا چلا جا
تھا۔

O-----------------O

انسان ہر حالت میں زندہ رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے' زندگی سے زیادہ قیمتی شے شاید اس کے لئے اور کوئی نہیں ہوتی چاہے وہ کتنے ہی برے حالات کا شکار کیوں نہ ہو۔

میں دوڑتا رہا اور نہ جانے کس طرح میرے راستے بھی ٹھیک ہی رہے اور بالآخر میں وہاں پہنچ گیا جہاں گوہر موجود تھی۔ بس دل و دماغ کی جو کیفیت تھی اس کا اظہار الفاظ میں نہیں کر سکتا۔ سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ حالت بے حد خراب تھی' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا' نہ جانے کس طرح اس مکان میں داخل ہوا اور اپنے کمرے تک پہنچ گیا۔

گوہر اور حاجی صاحب کے بارے میں جانتا تھا' ویسے مجھے اس بات کا خدشہ بھی تھا کہ کہیں میری ان کیفیات سے متاثر ہو کر حاجی صاحب مجھے گھر سے ہی باہر نہ نکال پھینکیں۔ آخر گوہر کے لئے وہ کہاں تک صبر کرتے۔ مجھ جیسے آدمی سے کسی کی تقدیر کو منسوب کر دینا' بس کیا ہوگا اس کا تصور خود بھی کیا جا سکتا ہے۔

اپنے کمرے میں مسہری پر لیٹنے کے بعد میرے دماغ کی چرخیاں چل پڑیں اور میں سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے' کیسے ان وحشت ناک حالات سے چھٹکارہ حاصل کروں' آ وہ آسیب میری زندگی سے چمٹ گیا تھا جس کا میں سایہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھ پر جو کچھ مسلط ہو گیا تھا وہ میرے لئے بہت ہی دلدوز تھا' کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ادھر ناکامیاں ہی ناکامیاں تھیں اور ادھر مونگا کا اصرار تھا کہ میں اسے مکمل کر دوں۔ اس کا اندازہ تو مجھے ہو چکا تھا کہ اب بہت سے لوگ مونگا کے سلسلے میں سرگرداں تھے' بات تو تقریباً صحیح تھی' مونگا سے اگر میرا پوری طرح واسطہ ہوتا تو اس وقت میں نہ جانے کیا بن چکا ہوتا' حالانکہ وہ سب کچھ جو مجھے حاصل ہوتا ناجائز تھا۔ لیکن بہرحال دنیا جائز اور ناجائز

چکر میں کہاں پڑتی ہے ہر شخص اپنے طور پر مطمئن ہونا چاہتا ہے' زندگی کی خوشیاں حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے چاہے وہ کیسے ہی اسے حاصل ہوں۔

نہ جانے کتنے وقت بستر پر لیٹے لیٹے گزر گیا۔ پھر میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کچھ دیر آرام کر لینا چاہئے' کہیں بیمار نہ پڑ جاؤں' کل صبح ظاہر ہے ان لوگوں سے واسطہ پڑے گا' بہت سی باتیں ہوں گی بہت سے سوالات کے جوابات دینا پڑیں گے' یہ تمام باتیں ذہن میں ہی تھیں چنانچہ میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔

پھر اس وقت رات کے تقریباً چار بجے ہوں گے جب کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔ چونک پڑا۔ دروازے کی طرف دیکھا تو گوہر نظر آئی۔ اسے دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا تھا اس کی صورت ہی میرے لئے بڑی راحت کی حامل تھی۔

وہ اندر آ گئی۔ کافی خاموش خاموش سی نظر آ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر کہا۔

"گوہر خیریت' تم اس وقت یہاں؟"

لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"بہت سے سوالات ہوں گے گوہر تمہارے ذہن میں۔ تم سوچ رہی ہوگی کہ میں کہاں غائب ہو گیا تھا۔" لیکن گوہر اب بھی کچھ نہ بولی اور خاموش ہی رہی۔ ایک بار پھر میں نے اس سے کہا۔

"ناراض ہو مجھ سے؟" گوہر نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تو میں اٹھ گیا' میں نے اسے دیکھ کر کہا۔

"گوہر آؤ بیٹھو پلیز بیٹھ جاؤ۔"

"نہیں ٹھیک ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"گوہر میں جانتا ہوں کہ تم ٹھیک نہیں ہو۔ ناراض ہو مجھ سے۔" وہ خاموشی سے میری صورت دیکھتی رہی۔ میں نے پھر کہا۔

"بولو گی نہیں؟"

"کیا بولوں؟"

"کچھ تو بولو۔"

"جو کچھ میں بولنا چاہتی ہوں وہ تمہیں پسند نہیں آئے گا۔" اس نے کہا۔

"اوہ گوہر کہیں کوئی ایسی بات مت کہہ دینا جو میرے لئے عذاب بن جائے۔"

"مطلب؟"

"گوہر اب میں تمہارے سامنے اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہوں۔ گوہر میں دل و جان سے تمہیں چاہتا ہوں' تمہارے بغیر زندگی کا تصور میرے لئے بے مقصد ہو جاتا ہے۔ میں تمہیں آج اب اور اسی وقت حاصل کر لینا چاہتا ہوں گوہر' لیکن کیا بتاؤں میری زندگی کو ایک ایسا روگ لگ گیا ہے جس کا کوئی حل میرے پاس نہیں ہے' گوہر میں اس حل کی تلاش میں سرگرداں ہوں' جیسے ہی مجھے یہ حل مل گیا' میں سب سے پہلا کام یہی کروں گا کہ تمہیں اپنے آپ میں شامل کر لوں۔"

وہ اب بھی خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھی' میں اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا رہا لیکن اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے پھر کہا۔

"بولو گوہر خدا کے لئے کچھ بولو۔ میں اس وقت سے تم سے متاثر ہوں' جب میں نے پہلی بار مولوی وصال الدین کے گھر میں تمہیں دیکھا تھا۔ اس کے بعد سے میں نے جینے کے راستے تلاش کرنے شروع کر دیئے' یقین کرو اس سے پہلے مجھے جینے سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی' میں مرجانا چاہتا تھا گوہر' کیونکہ۔ کیونکہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ گوہر دیکھو' دیکھو مجھ سے ناراض مت ہو جانا۔ جن مشکلات کا میں شکار ہوں ان کا حل تمہاری دعائیں اور میری تقدیر ہی مجھے دے سکتی ہے' میرے لئے دعا کرو گوہر' میرے لئے دعا کرو۔"

میرے لہجے سے تھکن نمایاں ہو گئی تھی' میں واقعی تھک گیا تھا' کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں' عشق کا روگ لگ گیا تھا اور ادھر مشکلات تھیں کہ پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

گوہر خاموش کھڑی تھی' اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا اور کہا۔

"کچھ بولو گی نہیں گوہر؟"

"بولوں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں!"

"جو بولوں گی تمہیں پسند نہیں آئے گا۔"

"نہیں گوہر کہو اب جو تمہارے دل میں آتا ہے' وہ کہو' اپنے دل کی بات میں کہہ چکا۔ اب میں تمہارے دل کی بات سننا چاہتا ہوں۔"

"تو سنو' تم بالکل ایک ناکارہ اور نکمے انسان ہو۔" اس نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں مجھے اس کا اعتراف ہے۔"

"تمہیں مرجانا چاہئے۔"

"کیا؟" میں چونک پڑا۔

"ہاں تمہیں مرجانا چاہئے۔ تم اس دنیا میں نہ تو اپنے لئے کچھ کر سکتے ہو اور نہ کسی اور کے لئے۔"

"گوہر!" میں مغموم لہجے میں بولا۔

"میں گوہر نہیں ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"گوہر بہت ناراض ہو گئی ہو مجھ سے' بہت بد دل ہو گئی ہو!"

"میں نے کہا نا' میں گوہر نہیں ہوں۔" وہ پھر بولی۔

"تو پھر؟" میں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ اور پھر میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا' اسے دیکھ کر میرے دل و دماغ معطل ہو گئے۔ میں بے یقینی کے عالم میں گوہر کو اس کا چہرہ بدلتے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کا چہرہ گم ہو گیا اور اس کی جگہ مجھے ایک جسم نظر آنے لگا ایک ایسا جسم جس کے شانوں پر اس کا سر موجود نہیں تھا اور اس جسم کو میں پہچانتا تھا' مونگا۔ مونگا۔ مونگا۔ میرے ذہن نے گردان کی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے ہوش و حواس کھوتا جا رہا ہوں' مجھے یوں بھی لگا کہ جیسے میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ حقیقت نہیں ہے۔ میں نے چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ اسے آواز دی۔

"گوہر۔ گوہر۔"

"مونگا ہوں مہاراج۔ مونگا۔ بھاگوں کا مارا مونگا۔"

"مم مم مونگا!"

"ہاں مہاراج مونگا!"

"لل لیکن گوہر؟"

"بھاڑ میں گئی گوہر۔"

"مونگا کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"کہا نا بھاڑ میں گئی گوہر اور تم بھی بھاڑ میں ہی چلے جاتے۔ اگر میں مجبور نہ ہوتا تو تمہارے شریر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ تم نے۔ تم نے میرا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔"

"مگر گوہر کہاں گئی؟"

"میں نے کہا نا بھاڑ میں گئی۔"

"تم اس کے روپ میں کیسے آ گئے؟"

"بس اپنی آگ میں جل رہا ہوں۔ بھگت رہا ہوں اس سے کو' جب تم نے میرے لئے جاپ کیا تھا۔ ادھورا جاپ۔"

"مونگا گوہر کہاں ہے؟" میں نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"دیکھو اتنا ماروں گا کہ ہڈیاں تڑخ جائیں گی۔ پاپی' ہتھیارے مصیبت کے مارے' خود تو تو مصیبت میں پھنسا' مجھے بھی ایک عذاب میں مبتلا کر دیا ہے تو نے' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں' مار دیتا تجھے جان سے مار دیتا' ایسے مارتا کہ سنسار دیکھتا' پر کیا کروں' تیرے ہی منہ سے نکلا ہوا جاپ میری مصیبت کو حل کر سکتا ہے' ارے کہاں جا جا کر مرتا رہا تھا تو۔ اتنا سا کام نہیں کر سکا کہ جاپ ہی سیکھ لیتا۔"

"گوہر کہاں ہے؟"

"میں نے کہا مجھے نہیں معلوم!"

"اور وہ حاجی؟"

"کون حاجی! وہ اپنا ہی ایک آدمی تھا جسے میں نے حاجی بنا دیا تھا۔"

"کیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں بتا تو رہا ہوں مصیبت کے مارے۔"

"تو گوہر۔ کیا تو شروع سے گوہر بنا ہوا تھا؟"

"تو اور کیا!"

"وہ کیوں؟"

"تجھے راستے پر لانے کا ایک ہی ذریعہ تھا!"

"مونگا مگر گوہر کہاں ہے؟"

"میں نے کہا نا مجھے نہیں معلوم!"

"وہ وہاں سے کہاں گئی تھی؟"

"میں تیرے باپ کا نوکر نہیں ہوں جو تجھے یہ ساری باتیں بتاتا پھروں کہ فلانا کہاں ہے اور ڈھمکانا کہاں۔"

"تو میرا غلام ہے مونگا۔"

"ارے جا جا ایسے غلام بنا لیا اگر کسی کو تو ہو گئی بات' ادھورا کر کے چھوڑ دیا اور کہتا ہے میں غلام ہوں اس کا۔ اتنا ماروں گا کہ ہوش نہیں آئے گا ہتھیارے۔"

"میں تجھے جان سے مار دوں گا مونگا۔"

"مجھے کیا جان سے مارے گا رے تو......... ایں......... تیری خود اپنی ہڈیاں کھجا رہی ہیں تو دوسری بات ہے......... پاپی ہتھیارے اب بول مجھے بتا میں کیا کروں؟"

"مونگا تو شروع سے گوہر بنا ہوا ہے۔"

"ہاں' ہاں' ہاں......... تجھے یہاں لانے کے لئے' تجھ سے اپنا کام کرانے کے لئے میں نے یہ ناٹک بھی رچایا' کیا کرتا' آتا تو کسی اور طرح.........! مارا مارا پھرتا کتے کی طرح ہے......... اور میرا......... میرا تو نے کر دیا' ستیاناس۔ اب کیا کروں ہائے میں کیا کروں۔ بھیروں مہاراج' بچا لو مجھے اس پاپی سے بچا لو' اسے مار دو یا پھر مجھے ختم کر دو۔"

مونگا اس طرح بین کرنے لگا کہ میں عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

"مونگا!"

"ارے ہاں بول سن تو رہے ہیں۔"

"دیکھ مونگا میں نے وہ سب کچھ کیا جو تو نے کہا......... حالانکہ تو نے مجھے دھوکا دیا تھا۔"

"کیا کرتے' کیا کرتے' تو بتا ہم کیا کرتے.........! ارے پاپی ایک بھی تو کام نہیں کر کے دکھایا تو نے۔ ہم نے تو تجھے بہت کچھ دے دیا......... اور اگر تو ہمیں مکمل کر لیتا تو تجھے راجہ بنا دیتے۔ بلکہ راجہ کیا مہاراجہ بنا دیتے......... جہاں جاتا وہاں تیری جے جے کار

ہوتی' پر ہمارا بیڑہ کیوں غرق کر دیا تو نے؟"

"تجھے معلوم ہے مونگا کہ ایسا کیوں ہوا؟"

"اب وہ تیرا کام ہے۔ وہ تیرا کرم ہے' ہمیں ایسی چیزوں کی کیا پرواہ۔ ہمیں قبضے میں کرنے کے لئے نکلا تھا تو سوچ سمجھ کر کام کرتا۔ کیوں پھیر میں آگیا دوسروں کے۔"

"مگر اب میں کیا کر سکتا ہوں!"

"کچھ نہیں اب تو کیا کرے گا تقدیر کے مارے' ہم بھی کچھ نہیں کر سکتے بس مارے مارے پھر رہے ہیں۔ تو بھی اور ہم بھی۔"

"مگر مونگا تو نے یہ سب کیا کیا! تو نے تو مجھے برباد ہی کر کے رکھ دیا۔"

"اور تو نے؟" مونگا نے سوال کیا۔

"میں تو بس دھوکے میں مارا گیا ہوں۔"

"دھوکے میں تو ہم بھی مارے گئے ہیں پاپی' ورنہ جب تو نے جاپ شروع کیا تھا اس سے کوئی پتھر گھما کر تیرے سر پر مار دیتے اور تیرا کھیل ختم کر دیتے۔ ہم نے اس سے یہ نہیں سوچا تھا۔"

"مونگا تو بھی مجبور ہے اور میں بھی مجبور۔"

"جا بھائی جا......... مجبور......... مجبور......... مجبور......... سن اب ہماری اور تیری اس شرط پر چل سکتی ہے کہ تو کہیں نہ کہیں سے آپ جاپ کرنے والے کو تلاش کر جو ہماری گردن کو پورا کر دے اور ہمارا کام ہو جائے۔ ہمارا کام ہو گیا تو ہم تیرا کام بھی کریں گے......... ورنہ پھر مارا مارا پھرکتے کی طرح سے تو ہے ہی اس قابل۔"

"مونگا مجھے اکیلا چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

"ہاں گردن کٹے تیرے پیچھے پیچھے لگے پھریں۔ ایں۔ کوئی کھوپڑی ہماری گردن' پر فٹ ہی نہیں آتی۔ اتنے سارے سر کاٹ چکے ہیں اب تک۔ ایسا کر ایک کام کر لے تو۔"

"کیا مونگا؟"

"کوئی کھوپڑی کاٹ کر ہمارے کندھوں پر فٹ کر دے' ہیں چل مان لیں گے' کچھ نہ کچھ تو ہوگا' اب تو جیسے گھر کے ہیں نہ گھاٹ کے' اپنے پریوار میں جاتے ہیں تو وہاں سے نکال دیئے جاتے ہیں۔ باہر کسی کے سامنے آئیں تو لوگ ڈر کر اور چیخ مار کر بھاگنے لگتے ہیں' ارے ہم کیا کریں پاجی ہم کیا کریں؟"

"بس ٹھیک ہے مونگا۔ اگر ایسی بات ہے تو جا......... جہاں تیرا دل چاہے۔ میں بھی کوشش کروں گا کہ تیرا کام ہو سکے۔ مجھے تجھ سے بھی ہمدردی ہے مونگا۔ مگر اتنا تو بتا دے کہ گوہر کہاں ہے؟"

"کچھ نہیں بتانا مجھے' کوئی ایسا کام نہیں کرنا جس کا تو ہم سے کہے گا۔ بہت ہو گئی بس بہت ہو گئی۔" مونگا نے کہا اور غصیلے انداز میں آگے بڑھ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

میں نے رندھی ہوئی آواز میں اسے پکارا۔

"مونگا رک جا......... رک جا مونگا........." لیکن مونگا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں ایک گولہ سا آپھنسا اور پہلی بار میں اپنے آپ پر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

آہ کیا ہو گیا ہے' کیا ہے میری زندگی......... یہ......... یہ مونگا تھا......... گوہر نہیں تھی۔ کتنی خوش فہمیوں کا شکار رہا میں......... کیسے کیسے میں نے اس سے گفتگو کی......... گوہر......... گوہر کہاں ہے' کہاں ہے گوہر......... میرا دل رونے لگا.........

بہت دیر تک میں بیٹھا روتا رہا......... اب میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں یہ سہارا بھی چھن گیا تھا......... میں خوش تھا کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم گوہر کو سمجھانے کی کوشش کروں گا اسے اپنے ساتھ شریک کر لوں گا ان حالات اور واقعات میں لیکن گوہر کا تو پتہ ہی نہیں ہے۔ وہ بے چاری تو ہنوز لاپتہ ہے۔ اور یہ کم بخت مونگا تھا جس نے گوہر بن کر مجھے بے وقوف بنایا تھا......... غصہ بھی آرہا تھا۔ وہ دوسرا کردار بھی تھا۔ پتہ نہیں وہ کون تھا۔ ہو گا اس مونگا کا کوئی ساتھی' چیلہ چپاٹا......... اب کیا کروں' اب تو یہاں رکنا بھی بے مقصد ہو گا۔ میرے لئے۔ یہ گھر تو اب خالی ہی ہو گا۔ مونگا چلا گیا یہاں کیا رکھا ہوا ہے۔

بے بسی کے انداز میں اٹھا۔ صبح کا اجالا آہستہ آہستہ پھوٹنے لگا تھا دروازے کے باہر قدم رکھا تو آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ خوشنما کوٹھی اب ایک ویران کھنڈر معلوم ہو رہی تھی' جگہ جگہ اینٹوں کے انبار پڑے ہوئے تھے' ہر چیز ٹوٹی پھوٹی نظر آ رہی تھی۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ میرا کمرہ کیسے سلامت تھا۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پلٹ کر اپنے کمرے کو دیکھا۔ اور ایک بار پھر میرے ذہن کو دہشت کا ایک زور دار

جھٹکا لگا۔

میرے کمرے کا تو دروازہ ہی غائب تھا۔ چوکھٹ اٹکی ہوئی تھی اور اندر' اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ ٹوٹی پھوٹی اینٹیں' ایک طرف ایک بڑا سا سوراخ میں دہشت سے چیخ پڑا' اور اس کے بعد میں اس کھنڈر میں دوڑنے لگا۔ آہ یہ سب طلسم خانہ تھا یہ سب طلسم خانہ تھا' نہ یہ حاجی کی رہائش گاہ تھی اور نہ وہ جگہ جہاں میں موجود تھا۔ کھنڈر' بھیانک کھنڈر۔ میں بے تحاشہ بھاگتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔

O-----------------O

زندگی نے ایک اور کروٹ بدل لی تھی' صحیح معنوں میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ میں اپنی اوقات پر آ گیا تھا' بہت سا وقت عیش و عشرت میں گزارا تھا' اور اب زندگی کی صعوبتیں میرے سامنے تھیں' بس کوئی منزل نہیں تھی' آنکھوں میں صرف ایک ہی چمک تھی' کہیں کسی جگہ کسی کونے کسی گوشے میں گوہر کی صورت نظر آئے' پیسے بالکل ختم ہو گئے تھے' فاقہ کشی کی نوبت آ گئی تھی' نہ جانے کہاں کہاں کیا کیا کر کے کھانے کا جتن کرتا تھا' تھوڑے سے پیسے ارنج ہو جاتے تھے تو ریل میں بیٹھ کر چل پڑتا تھا جہاں تک کا ٹکٹ لے سکتا تھا وہاں تک کا ٹکٹ لیتا اتر جاتا اور اس کے بعد گوہر کو تلاش کرتا' طویل عرصہ اس انداز میں گزر چکا تھا۔ میرا جسم بے حد کمزور ہو گیا تھا لباس نام کی کوئی چیز دوسری میری پاس نہیں تھی بدن کے جو کپڑے تھے انہیں اتار کر دھونا بھی مشکل کام تھا' میلے چیکٹ ہو گئے تھے' شیو بڑھ گئی تھی' بال بکھر گئے تھے' کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ ایک دن ایسے ہی ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا' فاقہ کشی سے چہرے پر ہڈیاں نکل آئی تھیں' آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے' کبھی پانی پیتے ہوئے شفاف پانی میں اگر مجھے اپنی شکل نظر آ جاتی تھی تو خود پر ہنسی آنے لگتی تھی' میں اپنے آپ پر ظلم کر رہا تھا لیکن اب کچھ کرنے کو دل بھی نہیں چاہتا تھا۔ مونگا بھی شاید مجھ سے مایوس ہو کر کہیں چلا گیا تھا' دو دو افراد اس کے حصول کی کوشش کر رہے تھے راج بنسی کا حشر تو میں دیکھ چکا تھا' دھوما کو پتہ نہیں مونگا کے حصول میں کامیابی ہوئی یا نہیں' اب مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی' درخت کے نیچے بیٹھے بیٹھے گھٹنوں میں سر دیئے یہی سوچ رہا تھا اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی' تھوڑی دیر کے بعد مجھے سکے کی کھنک محسوس ہوئی تو یوں لگا گردن اٹھا کر میں نے دیکھا' لیکن اپنے سامنے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر میرے کلیجے میں

لبیں ہونے لگیں' میرے سامنے اچھی خاصی ریزگاری پڑی ہوئی تھی' گزرنے والے میرے سامنے سے گزرتے ہوئے میری صورت دیکھتے اور دو چار سکے میرے سامنے ڈال جاتے' مجھے تو پتہ بھی نہیں چل سکا تھا لیکن اب اندازہ ہوا تھا کہ لوگ مجھے بھیک دے رہے تھے' آہ۔ اب یہ نوبت آ گئی ہے' اچانک ہی یہ سکے دیکھ کر میرے پیٹ میں انتڑیوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ جس انداز میں جو کچھ ملا ہے وہ تو میری تقدیر کا ایک حصہ ہے اور تقدیر کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ کم از کم کچھ فائدہ ہی ہوا' میں نے سکے سمیٹے اور وہاں سے آگے بڑھ گیا کافی فاصلے پر ایک نانبائی کا ہوٹل نظر آ رہا تھا' نانبائی اپنے سامنے دیگچیاں سجائے ہوئے بیٹھا مکھیاں مار رہا تھا' میں اس کے پاس پہنچا اور اس سے کھانا طلب کیا تو اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"مسلمان ہو یا ہندو.........."

"ایں.........." میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مسلمان کا ہوٹل ہے گوشت ملے گا۔"

میں نے بڑی مشکل سے کہا۔

"بھائی مسلمان ہوں!"

"بیٹھ جاؤ.......... معاف کرنا ایسے ہی پوچھ لیا تھا' اب کسی کے چہرے پر تو نہیں لکھا ہوتا۔" میں میز کے پیچھے پڑی ہوئی کرسی پر جا بیٹھا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک گندی سی پلیٹ میں میرے لئے گوشت کی چند بوٹیاں لوکی کے قتلے اور دو روٹیاں آ گئیں' خدا کا شکر ادا کر کے میں نے ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کر دیا' یہ بھیک کا پہلا کھانا تھا' کہا جاتا ہے کہ اگر انسان کے بدن میں یہ رزق اتر جائے تو پھر وہ کسی اور کام کے قابل نہیں رہتا' ایسا ہی ہوا' پیٹ بھر گیا' دوکاندار کو دو روپے ادا کئے اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گیا اب میری زندگی بھیک کی مرہون منت ہو گئی تھی' جو حلیہ بن چکا تھا اس کے بعد مانگنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی لوگ خود بخود دے دیا کرتے تھے' کہیں کسی بھی جگہ بیٹھ جاؤں بس کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا تھا اور جو کچھ مل جاتا اس سے پیٹ بھر لیا کرتا تھا رات کو کسی بھی جگہ جا کر پڑا رہتا اپنی بربادی پر روتا رہتا تھا میں' بہرحال میں آگے بڑھتا رہا جگہیں چھوڑتا رہا' اب ایک طرح سے میں ایک باقاعدہ بھکاری بن گیا تھا اس دن ایک شہر کی ایک انتہائی خوبصورت سڑک سے گزر رہا تھا اپنے انداز پر خو ہی آنسو نکل آتے تھے

کہ میں نے ایک شاندار اور قیمتی کار دیکھی جو ایک عالیشان بنگلے کے سامنے آکر رکی تھی اس کار سے ایک شخص نیچے اترا شاندار سفید لباس میں ملبوس' چہرہ دیکھنے کے قابل' زندگی کی چمک دوڑ رہی تھی اس چہرے پر۔ جس کار سے وہ اترا تھا اس کار میں ایک بہت حسین عورت بھی بیٹھی ہوئی تھی' میں ان لوگوں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اس شخص نے عورت سے کہا۔

"کمل وتی کل صبح دس بجے یہاں پہنچ جانا میں انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے ڈارلنگ ظاہر ہے تمہارے علاوہ میں کہاں جاؤں گی۔" وہ شخص کوٹھی کے گیٹ کی جانب بڑھا لیکن میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیلی ہوئی تھی' اب میری یادداشت اس قدر کمزور بھی نہیں تھی کہ میں اس چہرے کو نہ پہچان پاتا' وہ دھوما چمار تھا لیکن اس وقت کے دھوما چمار اور سامنے کھڑے دھوما چمار میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ جب میں نے اسے جاپ کرتے ہوئے دیکھا تھا' اس وقت وہ ایک شاندار ململ کے کرتے اور دھوتی میں ملبوس تھا' گلے میں سونے کی زنجیریں پڑی ہوئی تھیں' ہاتھوں میں دس انگوٹھیاں موجود تھیں' اتنا خوبصورت اور صاف ستھرا لباس پہنے ہوا تھا وہ کہ اس کی شخصیت کو دیکھ کر رشک آتا تھا' چہرہ بھی صاف ستھرا تھا' دھوما چمار نے اپنی جون بدل لی تھی لیکن میری آنکھیں اب ابھی اسے دیکھ کر دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں' یقینی طور پر انسانی شکلوں میں مماثلت ہوتی ہے' مگر اس قدر بھی نہیں جتنی مجھے دھوما چمار اور اس شخص میں نظر آرہی تھی۔ میں کار کو آگے بڑھتے دیکھتا رہا' عورت تو کار میں بیٹھ کر چلی گئی تھی اور دھوما چمار اس بڑے گیٹ سے اندر داخل ہو گیا تھا' گیٹ پر ایک چوکیدار کھڑا ہوا تھا کوئی بھلا مانس تھا مجھے اس طرح کھڑے دیکھ کر خود میرے قریب آیا۔

"بھوکا ہے؟" اس نے سوال کیا اور میں چونک کر چوکیدار کو دیکھنے لگا پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں بھائی تمہاری مہربانی۔"

"کچھ پیسے چاہئیں؟"

"ایں............"

"لے۔" اس نے جیب سے دو روپے نکال کر میری طرف بڑھا دیئے اور میں نے شکریہ ادا کر کے لے لئے۔

"سیٹھ جی کے پیچھے آیا ہو گا کہ کچھ مل جائے؟"

"ایں.......... ہاں..........!" میں نے کہا۔

"ارے پاگل' یہ بڑے لوگ کبھی کسی کو کچھ دیا کرتے ہیں' خواہ مخواہ تم لوگ ان کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو' مانگنا ہے تو اپنے جیسے کسی غریب سے مانگا کرو تمہاری ضرور مدد کرے گا۔" چوکیدار کے الفاظ اس قدر سچے اور کھرے تھے کہ میں نے انہیں دل سے تسلیم کیا' میں نے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو بھائی۔"

"بیٹھ جا کچھ کھانا وغیرہ کھائے گا؟"

"کھلاؤ گے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ بھوکا ہے تو کھا لے' غریب کے پاس جو کچھ ہے غریب کے لئے حاضر ہے' آ ادھر بیٹھ جا۔" اس نے گیٹ سے ایک طرف اشارہ کر کے کہا اور میں زمین پر بیٹھ گیا۔

"ابھی آتا ہوں۔" اس نے کہا اور اندر چلا گیا' میں خاموشی سے وہاں بیٹھا سوچتا رہا' میں نے دل میں سوچا کہ کم از کم اس شخص سے دھوما چمار کے بارے میں معلومات تو حاصل ہو سکے گی' یہ تو پتہ چل جائے گا کہ میری سوچ غلط ہے یا میری آنکھوں نے اسے صحیح طور پر شناخت کیا ہے' تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص واپس آیا' ڈھاگ کے پتوں میں آلو کی ترکاری رکھی ہوئی تھی چھ پوریاں تھوڑا سا حلوہ بھی بنا ہوا' ایسے ہی پتوں پر جو دونے کہلاتے ہیں رکھا ہوا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اپنی جیب سے رومال نکال کر زمین پر بچھایا اور وہ ساری چیزیں اس پر رکھ دیں' درحقیقت اس وقت ایک غریب کے دل میں غریب کی محبت جاگی تھی دین دھرم کے رشتے کو معلوم کئے بغیر اس نے میری یہ مدد کی تھی پھر اس نے کہا۔

"کھانا کھا لے اس کے بعد پانی تجھے ادھر سے پینا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا پھر میں کھانے میں مصروف ہو گیا' کیا لطف آرہا تھا اس وقت اس کھانے میں' ایسا کھانا میں ہزاروں کو کھلا سکتا تھا' لیکن تقدیر نے مجھے خود بھی یہ لمحات دکھائے تھے' شاید یہ تجربہ کرانے کے لئے کہ دیکھو زندگی میں ہر شخص کو اس طرح کی ضرورتیں پیش آسکتی ہیں' اگر ہو سکے تو اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ بہتر سلوک

کرو تاکہ اگر کبھی وقت تمہیں اس قسم کا موقع دے تو تمہیں یہ احساس ہو جائے کہ بھوک کیا چیز ہوتی ہے' انسان کیا چیز ہوتا ہے' دلجوئی کیسی چیز ہوتی ہے' یہ سب کچھ انسان کے لئے فرض ہے اور انسان کو انسان کے کام آنا ہی چاہئے' اس وقت کچھ ایسی بھوک لگی ہوئی تھی یا پھر یہ کھانا اتنا مزیدار تھا کہ سارے کا سارا چٹ کر گیا' کچھ لمحوں کے بعد وہ پیتل کا ایک لوٹا لئے ہوئے آیا اور اس نے کہا۔

"کھا لیا؟"

"ہاں!"

"لو پانی پی لو۔" میں نے دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر منہ سے لگایا اور وہ لوٹے کی ٹونٹی سے میرے ہاتھ پر پانی ڈالنے لگا' میں نے پانی بھی پی لیا تھا' اس نے کہا۔

"اور کچھ چاہئے.........."

"نہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ بھائی' لیکن کچھ پوچھنا چاہتا ہوں میں آپ سے!"

"ہاں۔ ہاں پوچھو' مجھے پتہ ہے کہ سیٹھ جی ابھی دوبارہ واپس نہیں آئیں گے۔"

"یہ بہت بڑے سیٹھ جی معلوم ہوتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔"

"کیا نام ہے ان کا؟"

"سیٹھ دھوما رام!" اس نے جواب دیا اور میرے بدن میں چنگاریاں سی دوڑنے لگیں' گویا میرا اندازہ بالکل درست نکلا تھا۔

"سیٹھ دھوما رام.......... بہت بڑی سرکار ہے!"

"ہاں ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے' بہت بڑا کاروبار ہے ان کا' زمینیں ہیں' مل ہے' فیکٹریاں ہیں' بہت بڑے سیٹھ ہیں اس شہر کے بلکہ یہ سمجھ کہ اس ملک کے۔"

"ضرور ضرور۔ ویسے تمہارا کیا نام ہے بھائی؟"

"شری پرکاش۔"

"پرکاش بھیا' سیٹھ جی کتنے عرصے سے اس گھر میں رہتے ہیں؟"

"اس کوٹھی میں؟"

"ہاں۔"

"کوئی سال بھر ہو گیا۔"

"اچھا اچھا.......... تم کتنے عرصے سے یہاں ملازم ہو؟"

"میں تو خیر زیادہ پرانا نہیں ہوں' تھوڑے دن پہلے ہی یہاں آیا ہوں۔"

"سیٹھ جی کو تم نے یہاں آنے کے بعد ہی دیکھا ہوگا!"

"تو اور کیا' کوئی خواب میں دیکھتا۔" اس نے کہا اور ہنس پڑا۔ میں نے بھی اس میں اس کا ساتھ دیا پھر میں نے کہا۔

"نہیں.......... یوں ہی پوچھ رہا تھا' ابھی ایک خوبصورت سی گاڑی میں ایک ورت سی میم صاحب گئی تھیں وہ کون ہیں؟" جواب میں چوکیدار ہنس پڑا پھر بولا۔

"ارے بھیا۔ بڑے لوگوں کے بڑے عیش۔ جانتے ہو کون تھی وہ؟"

"نہیں میں جانتا ہی تو نہیں ہوں۔"

"فلمیں نہیں دیکھتے ہو شاید!"

"فلمیں؟"

"ہاں۔"

"ہاں فلمیں نہیں دیکھتا!"

"وہ ایک بہت بڑی ایکٹریس ہے' کمل وتی نام ہے اس کا' آج کل سیٹھ جی کی ی میں گھومتی ہے' وہ گاڑی جو گئی ہے نا یہ سیٹھ جی کی ہے۔"

"اچھا اچھا۔ کیا وہ سیٹھ جی کے ساتھ ہی رہتی ہے؟"

"نہیں وہ اپنے بنگلے میں رہتی ہے اور یہ بنگلہ بھی سیٹھ جی نے اسے خرید کر دیا ۔ بس اور زیادہ باتیں نہ پوچھو' پتہ نہیں کون سی بات مالکوں کو بری لگ جائے۔"

"بہت بہت شکریہ پرکاش بھیا اس کھانے کا بھی۔"

"سنو کبھی کبھی ادھر سے گزرا کرو تو ادھر آجایا کرو کھانا وغیرہ کھا لیا کرو' اب ہم وں کے پاس اور تو کچھ ہوتا نہیں ہے پر بھگوان کے نام پر جو کچھ بھی نکل جائے اچھا ا ہے' ہیں ٹھیک ہے نا تم جب ادھر آؤ تو یہ دروازہ ضرور بجا لینا میرا کوارٹر دروازے رابر ہی ہے' اکیلا رہتا ہوں اس میں۔"

"بہت بہت شکریہ پرکاش بھیا!" میں نے کہا اور اس کے بعد میں وہاں سے اٹھ کر گے چل پڑا لیکن میں اپنے دل میں ایک آگ روشن کر کے وہاں سے چلا تھا' دھوما

رام.......... سیٹھ دھوما رام.......... دھوما چمار.......... ہاں.......... یہ سیٹھ دھوما رام،
دھوما چمار ہی کا دوسرا روپ تھا گویا اس نے وہ شکتی حاصل کرلی ہے جس سے اس نے یہ
حیثیت اختیار کی اور دھوما چمار سے سیٹھ دھوما رام بن گیا' لیکن.......... لیکن دیکھوں گا
اسے' دیکھوں گا اس کمبخت کمینے کو دیکھوں گا وہ کس طرح سیٹھ دھوما رام بنا رہتا ہے' ہو
سکتا ہے اس نے مونگا کو قبضے میں کر ہی لیا ہو' میں اس کی پُراسرار قوتوں سے ٹکراؤں گا'
ضرور میں اس کی پُراسرار قوتوں سے ٹکراؤں گا.......... میں نے دل میں سوچا اور آہستہ
آہستہ پیدل چلتا رہا۔

اس کوٹھی سے تھوڑے فاصلے پر برگد کا ایک چوڑے تنے والا درخت تھا نہ جانے
کیا سوچ کر میں اس درخت کے پاس رک گیا۔ یہاں سے میں اس کوٹھی کا پوری طرح
جائزہ لے سکتا تھا' اگر میں اسی جگہ کو اپنا مسکن بنالوں تو یہاں سے میں دھوما چمار پر نگاہ
رکھ سکتا ہوں.......... ابھی تک میرے ذہن میں یہ بات واضح نہیں تھی کہ میں اس سے
دشمنی پر کیوں آمادہ ہو گیا ہوں یا اس دشمنی کو میں کس طرح نکال سکتا ہوں' بس دل میں
خیال تھا کہ دھوما بھی میرے راستوں کی رکاوٹ بنا ہے ورنہ ہو سکتا ہے سنت راج بھی
میرے کسی کام آجاتا دھوما نے اسے ختم کر دیا ہے' بہرحال وہاں بیٹھ کر میں نہ جانے کیا کیا
سوچتا رہا' زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک ہندو عورت ہاتھوں میں مٹھائی کا دونہ لئے
ہوئے آئی مجھے دیکھا' ٹھٹھک گئی' دونہ آہستہ سے برگد کے درخت کے پاس رکھا اور ہاتھ
جوڑ کر نہ جانے کیا کیا بدبداتی رہی اور اس کے بعد واپس چلی گئی' گویا یہ مٹھائی میرے
حوالے کر دی گئی تھی' بدعقیدہ لوگ کس طرح انسان کو دیوتا بنا دیتے ہیں' میں اپنی
آنکھوں سے یہ دیکھ رہا تھا' میں معمولی سا انسان جو کچھ بھی نہیں تھا' جو ایک بھکاری کی
حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا اگر تھوڑی سی کوشش کرتا اور لوگوں کو بیوقوف بنانے کے
گر سیکھ لیتا تو یہ بدعقیدہ لوگ میری پوجا کرنے لگتے' لیکن میرا دل نہیں چاہتا تھا' بھٹکے
ہوئے انسانوں کو مزید بھٹکانا انسانیت کی تذلیل ہے لیکن دھوما جیسے لوگ! نہ جانے کتنا
وقت یہاں گزر گیا' دوپہر ہو گئی' کسی نے میری جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی' دوپہر کے
بعد شام.......... مٹھائی کا دونہ اسی طرح رکھا ہوا تھا' مجھے بھوک لگی تو میں نے سوچا کہ
اب جو کچھ میرے سامنے ہے کیوں نہ میں اس سے اپنے پیٹ کی آگ بجھاؤں' تھوڑی سی
مٹھائی کھائی اور اس کے بعد ادھر ادھر دیکھنے لگا' برگد کے درخت کے عقب میں ایک کتا

وا آگیا تھا' میں نے مٹھائی کا وہ دونہ اس کے سامنے رکھ دیا' کتے نے محبت بھری
ں سے مجھے دیکھا.......... دیکھتا رہا دم ہلاتا رہا اور پھر دونے میں منہ ڈال دیا اس کے
ساری مٹھائی چٹ کر گیا تھا' چلو اس کا ہی کام بن گیا۔ میں نے دل میں سوچا۔ رات
زیبا ساڑھے سات یا آٹھ بجے کا وقت ہو گا جب وہی کار جس میں میں نے کمل وتی کو
ہوئے دیکھا تھا دوبارہ واپس آئی اور گیٹ پر کھڑی ہو گئی' پھر میں نے دھوما چمار کو باہر
ہوئے دیکھا' وہ کار میں بیٹھ کر چلا گیا تھا' کیا کرنا چاہئے مجھے۔ کیا کروں۔ کس طرح اس
ں کو اپنے انتقام کا نشانہ بناؤں..........؟ بہت وقت تک سوچتا رہا پھر دل میں ایک مجرمانہ
ں ابھرا' میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس خوبصورت عمارت کے گرد
انے لگا مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں سے میں اس عمارت میں داخل ہو
ں.......... عمارت کے عقب میں ایک اور درخت نظر آیا جس کی شاخیں پھیلی ہوئی
ں' درخت عمارت کے بیرونی حصے میں تھا' لیکن شاخیں عمارت کے احاطے کی دیوار کو
ر کر کے اندر تک جاتی تھیں "یہ ایک اچھی جگہ ہے۔" میں نے سوچا اور اس کے بعد
ں درخت پر چڑھنے لگا درخت کی ایک شاخ پر پہنچنے کے بعد میں نے آہستہ آہستہ آگے کا
ز کیا اور پھر شاخ کے انتہائی سرے پر جا بیٹھا' نیچے کا منظر دیکھا' عمارت احاطے کے
رمیان میں تھی' یہ جگہ بالکل خالی تھی' کوئی انسان یہاں موجود نہیں تھا مجھے کافی نیچے کودنا
تا' میں انتظار کرتا رہا پھر رات کے تقریباً نو ساڑھے نو بجے کا وقت ہو گا میں اسی شاخ پر
بیٹھا ہوا اندر کا جائزہ لے رہا تھا یہاں تک کہ میں یہاں بیٹھے بیٹھے تھک گیا۔ میں نے سوچا
کہ کوئی جگہ تلاش کرنی چاہئے چنانچہ میں شاخ سے نیچے کود گیا۔ پیروں میں اچھی خاصی
چوٹ لگی تھی بدن میں بھی اب وہ جان نہیں رہی تھی جو پہلے کبھی تھی' بہرحال چند لمحات
اپنے پاؤں کی چوٹوں کو سہلاتا رہا اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ کر عمارت کے عقبی
حصے میں پہنچ گیا پھر مجھے ایک ایسی جگہ کی تلاش میں کوئی دقت نہیں ہوئی جہاں سے میں
عمارت میں داخل ہو سکتا.......... بغلی سمت ایک برآمدے جیسی جگہ تھی اس کے نیچے
سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں ان سیڑھیوں سے گزر کر میں برآمدے میں داخل ہوا اور وہاں سے
آگے بڑھ کر اس عمارت میں جو دھوما کی رہائش گاہ تھا' عمارت میں شاید بہت کم لوگ تھے'
دھوما یہاں عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا' بال بچوں والا تو وہ تھا نہیں بس یونہی عیاشی
کی زندگی میں گزر بسر کر رہا تھا' کالے جادو کا یہ ماہر کس طرح انسانوں پر اپنا وقار قائم کئے

ہوئے ہے۔ لیکن میں سب کچھ ختم کر دوں گا سب کچھ ختم کر دوں گا' سب کچھ ختم کر دوں گا' آگے بڑھ کر میں راہداری میں آگیا اور پھر مختلف کمروں میں جھانکنے لگا بڑے سے کمرے میں' میں نے مدھم روشنی کی جھلک دیکھی۔ یہاں شاندار بستر پڑا ہوا تھا' اور ایسی بہت سی چیزیں تھیں' جنہیں دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ دھوما کی خواب گاہ ہو گی' واہ رے تیری یہ شان .... میں نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر دروازہ کھول کر اس کمرے میں اندر داخل ہو گیا' میں نے ادھر ادھر دیکھا اور کمرے کا پوری طرح جائزہ لے لیا' شراب کی بوتلیں اور ایسی دوسری بہت سی چیزیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ دھوما ایک عیاش آدمی ہے۔ پھر مجھے باہر کی آہٹیں سنائی دیں اور میں فوراً اس عظیم الشان مسہری کے نیچے رینگ گیا یہاں سے میں باہر کا جائزہ لے رہا تھا' دروازہ کھلا اور جو قدم مجھے نظر آئے انہیں دیکھ کر میں نے اندازہ لگا لیا کہ دھوما کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا' دھوما اندر آگیا تھا' پورا دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا تھا اور پھر اس کے بعد ایک الماری کے پاس پہنچ کر اس نے شاید اپنا رات کے پہننے کا لباس نکالا۔ وہ تنہا ہی تھا اس کا مطلب ہے کہ کمل دتی کو چھوڑ آیا ہے۔ یہ اچھی بات تھی اس وقت کسی غیر کی موجودگی' میرے اور اس کے درمیان مشکل کا باعث بن سکتی تھی' میں خاموشی سے اپنی جگہ سانس روکے لیٹا انتظار کرتا رہا' دھوما نے ایک جگہ سے شراب کے برتن نکال کر ٹیبل پر رکھے' یہ سینٹر ٹیبل میری نگاہوں کے سامنے ہی تھی وہ صوفے پر بیٹھ گیا اس کے بعد اس نے اپنے لئے گلاس میں شراب انڈیل لی' شراب کا پہلا گھونٹ پینے کے بعد اس نے گلاس نیچے رکھا اور اس کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک دم ساکت ہو گیا ہو۔ کچھ لمحے وہ ساکت رہا میں سوچ رہا تھا کہ جب وہ مسہری پر لیٹ جائے گا تب میں یہاں سے باہر نکل کر اس سے اپنا حساب کتاب طے کروں گا' لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

"جو کوئی بھی ہو مسہری کے نیچے سے باہر نکل آؤ۔" میں سمجھ گیا تھا کہ یہ الفاظ مجھ سے مخاطب ہو کر کہے گئے ہیں' اس کے چونکنے کے انداز کو دیکھتے ہی مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے کوئی شبہ ہو گیا ہے' میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے سانس روکے لیٹا رہا تو دھوما نے پھر کہا۔

"جو کوئی بھی ہو مسہری کے نیچے سے باہر نکل آؤ' سمجھ رہے ہو نا میری بات' ورنہ اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔" میں دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر

میں نے آہستہ آہستہ اپنی جگہ چھوڑی اور مسہری کے نیچے سے نکل کر سیدھا کھڑا ہو گیا' دھوما مجھے تعجب بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"تمہاری شکل اتنی جانی پہچانی لگتی ہے' چور تو نہیں ہو سکتے تم۔" اگر چور ہو تو اس مسہری کے نیچے چھپے ہوئے کیا کر رہے تھے؟" میں خاموش کھڑا رہا تب دھوما نے پھر کہا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیوں آئے تھے؟" میں اب بھی ساکت رہا تو اچانک ہی وہ اچھل پڑا۔"

"اوہو پہچان لیا......... پہچان لیا میں نے تمہیں' ارے تو وہی مسلا ہے نا جو اس باؤلے راج بنسی سے میرے لئے موٹھ پڑھوا کر لایا تھا' ارے......... ارے تو.........! تو دیکھ کیا تقدیر ہے میری' مجھے تیری تلاش تھی......... سمجھا تیری تلاش تھی مجھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کس طرح تجھے ڈھونڈوں' کہاں ملے گا تو......... مگر' مگر........." وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا پھر اس نے کہا۔

"آجا آ......... آجا آجا بیٹھ جا......... بیٹھ میرے ساتھ لے یہ پی مگر تیرا یہ حال کیا ہو گیا ہے۔ تو نے تو بالکل فقیروں جیسا حلیہ بنا رکھا ہے! آجا بیٹھ جا تو بھی کیا یاد کرے گا کہ دھوما سیٹھ سے واسطہ پڑا تھا جو دشمنوں کے ساتھ بھی دوستوں جیسا سلوک کرتا ہے۔ بیٹھ جا......... سامنے بیٹھ جا......... سنتا نہیں ہے میں کہتا ہوں بیٹھ جا.........!"

"دھوما' میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"ارے باؤلے کیا کہہ رہا ہے تو' دیوانہ ہوا ہے......... بیٹھ جا دیکھ بیٹھ جا......... ہم اچھے موڈ میں ہیں ہمارا موڈ خراب مت کر تو۔ تو نہ پدی ہے نہ پدی کا شوربہ' کیا کرے گا بول ہمارا......... کیا کرنا چاہتا ہے۔"

"قتل کر دوں گا تجھے دھوما!"

"ہوں......... اچھا تو کر دے بھائی قتل' اگر تو اتنا ہی شکتی مان ہے تو مار دے ہمیں' اصل میں تو سمجھتا نہیں ہے بات کو......... کیا ہیں ہم یہ تیری سمجھ میں نہیں آسکتا' سمجھ رہا ہے تو......... اسی جگہ کھڑے کھڑے راکھ کا ڈھیر بن کر زمین پر اکٹھا ہو جائے گا سمجھا' دیکھ لے اپنے چاروں طرف دیکھ لے کیا ان لوگوں کی موجودگی میں تو ہمیں مار سکتا ہے۔" اس کے ان الفاظ پر میں نے چونک کر پیچھے دیکھا اور دفعتاً ہی میرے رونگٹے دہشت

سے کھڑے ہو گئے' وہ پانچ آدمی تھے لیکن آدمی تھے بھی یا نہیں' ان کی گردنیں پیچھے کو مڑی ہوئی تھی' یعنی پشت سامنے تھی اور اس کے اوپر ان کے چہرے کے نقوش تھے' ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے اور عجیب انداز کے تھے' ہر ہاتھ کی دس دس انگلیاں تھیں اور ان کے چہرے اس قدر بھیانک تھے کہ دیکھ کر انسان کا سانس بند ہونے لگے' ان کی آنکھیں بالکل گول اور عام آنکھوں سے کافی مختلف تھیں' حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ آنکھیں ان کی پیشانی پر لگی ہوئی تھیں ان کے ہونٹ اس طرح سرخ تھے جیسے انسانی خون پی کر آرہے ہوں' وہ سب اس طرح منتظر کھڑے ہوئے تھے جیسے دھوما انہیں اشارہ کرے گا تو مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے' انہیں دیکھ کر میری حالت خراب ہو گئی' دھوما کا قہقہہ سن کر میں اس کی جانب پلٹا تو اس نے کہا۔

"بیٹھ جا........ بیٹھ جا چلے جائیں گے یہ' ہم تو صرف تجھے یہی دکھا رہے تھے کہ ہمیں مارنے کا تصور کتنا مضحکہ خیز ہے' چل یہ سامنے جو کرسی پڑی ہوئی ہے اس پر بیٹھ جا۔" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پیروں کی جان نکل رہی ہو' بمشکل تمام چند قدم آگے بڑھا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے تم جاؤ۔" دھوما نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور ایک لمحے میں وہ پانچوں کے پانچوں میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ میں دل میں یہ تسلیم کیے نہیں رہ سکا کہ دھوما سچ مچ ایک بدکار جادوگر ہے' اس نے ایک گلاس میں شراب انڈیلی اور میری طرف بڑھاتا ہوا بولا۔"

"لے........ پی لے' سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا پی لے۔ پی لے۔"

"نہیں........"

"ارے ہاں........ حرام ہے نا یہ تو' مسلا ہے نہ تو' مسلا ہے........ حرام چیز کیوں کھائے گا یا پیئے گا' چل تیری مرضی بیٹھ جا بیٹھ جا........ دیکھیں گے تیرا دین دھرم بھی۔ ہیں۔ آدھا مسلمان آدھا کچھ نہیں۔ بات کرتا ہے شراب نہ پینے کی اور حرکتیں جو کرتا ہے وہ الگ........ چل تیری مرضی بھائی' اچھا یہ بتا ہمارے پاس کیوں آکر مرا ہے ہم نے کیا بگاڑا تھا تیرا........ بات کر........ بات کر' اطمینان سے بات کر کچھ نہیں کہیں گے ہم تجھے' ارے مرے ہوئے کو کیا ماریں گے ہم' ہماری شکتی کے آگے تیری حیثیت ہی کیا ہے' ہیں........ تو نے جو کچھ کیا تھا پتہ نہیں کیوں کیا تھا ہم نے تو سوچا بھی نہیں تیرے جانے

ے بعد' ہاں........ اس راج بنسی کو ہم نے ٹھیک کر دیا تھا' مر گیا سسرا........ مر گیا........ راکھ کا ڈھیر ہو گیا' بڑا شکتی مان بنا پھرتا تھا' سادھو مہاراج' سنت راج بنسی۔" س نے طنزیہ انداز میں کہا' اس کا ایک ایک لفظ میرے کانوں میں زہر بن کر ٹپک رہا تھا ہر اس نے کہا۔

"دیکھ اب آرام سے بیٹھ ہم سے بات کر کچھ لے' کچھ دے' سنسار میں سارا کام ی لین دین سے چلتا ہے' پر ایک بات کہے دیتے ہیں تجھ سے کہ تیرے من میں ہمارے لئے کوئی بھی کھوٹ آئی تو اب اس کا ذمے دار تو خود ہوگا' جو ہوگا وہ تیری سمجھ سے باہر وگا اس لئے اطمینان سے بیٹھ کر ہم سے بات کر۔" میں گہری گہری سانس لینے لگا تھا۔

"بیٹھے گا نہیں؟" اس نے کہا اور میں بیٹھ گیا۔ "کیا خیال ہے اب بھی تیرے من ں ہمارے لئے کرودھ ہے؟"

"مجھ سے یہ سوال مت کرو۔"

"اس کا مطلب یہ کہ کرودھ ہے' یہ تجھ سے ایک سوال کرتے ہیں ہم جواب ے گا ہمیں؟"

"کیا سوال ہے؟"

"ہمیں بتائے گا تو کہ تیری ہماری کیا دشمنی ہے؟"

عجیب ٹیڑھا سوال تھا' میرے پاس واقعی اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا' میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا' دھوما سے واقعی میری کیا دشمنی ہے' مونگا نے مجھے اس کی ثاندہی کی تھی' وہ مونگا کو قبضے میں کرنا چاہتا تھا' پھر راج بنسی کا معاملہ بھی بیچ میں آیا تھا' ں نے تو اس عمل کی تکمیل کے لئے اس دشمنی کا آغاز کیا تھا' براہ راست دھوما سے میری وئی دشمنی نہیں تھی' وہ طاقتور ثابت ہوا' اس کے دشمن نے اسے ہلاک کرنے کی وشش کی تھی' دشمن ناکام رہا اور وہ کامیاب ہو گیا۔ یہ تو ہونا تھا۔ دونوں میں سے ایک و ناکام ہونا تھا' لیکن میری اس سے دشمنی کا کیا جواز بنتا ہے........ میرے پاس اس سوال ا کوئی جواب نہیں تھا........ بیچ بغلیں جھانکنے لگا۔ تو اس نے کہا۔

"جواب نہیں دیا تم نے؟"

"میری تم سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔"

"مگر تو نے دشمنی کی!"

"ہاں کی۔"

"اس کی وجہ کیا تھی!"

"مونگا.......... تم مونگا کو قبضے میں کرنا چاہتے تھے۔"

"سن جب تو نے مونگا کو قبضے میں کرنے کی کوشش کی تھی تو کیا میں تیرے راستے میں آیا تھا؟"

"نہیں۔"

"نہ ہی میں تجھے جانتا تھا!"

"ہاں تو نہیں جانتا تھا۔"

"اور تو مجھے نہیں جانتا تھا!"

"میں مانتا ہوں اس بات کو۔"

"میں نے تیرا کوئی راستہ نہیں روکا.......... تو میرا راستہ روکنے کے لئے آیا۔ میں نے اپنا بچاؤ کیا۔ بول میں جھوٹ بول رہا ہوں۔"

"نہیں۔"

"تو پھر میری تیری تو کوئی ذاتی دشمنی تھی ہی نہیں۔ اس کے باوجود تو نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی!"

"ہاں ایسا ہوا ہے۔"

"تو پھر میرا تو اس میں کوئی دوش نہیں ہے۔ اب بول کیا کہتا ہے اس بارے میں!"

"میرا خیال ہے تم ٹھیک کہتے ہو!"

"ٹھیک کہتا ہوں نا.......... تو پھر ایک بے کار دشمنی کو کیوں نہ ختم کر لیا جائے؟"

"ہاں ختم ہونا چاہئے اس دشمنی کو۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تیرے من میں یہ خیال پیدا ہوا' اس لئے میں کہہ رہا تھا کہ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ مجھ سے بات کر' کچھ سوچ کچھ عقل کی باتیں بھی کر لے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو دھوما!" میں نے کہا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے تیرا!"

"نہیں میرا خیال ہے میں تمہارے پیچھے غلط پڑا ہوا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں.......... تو تو وار کر چکا ہے اور اب میری باری ہے تیرا کیا خیال ہے تو نے مجھے نقصان پہنچانے کی جو کوشش کی ہے اس کے بعد کیا میں تجھے چھوڑ دوں گا؟"

"یہ تمہاری مرضی ہے دھوما' میں تجھ سے رحم کی بھیک نہیں مانگتا۔"

"ٹھیک ہے بھیک نہ مانگ.......... پر میں تیرے ساتھ رحم کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا کرو گے تم میرے ساتھ؟"

"یہ جیون جو تو گزار رہا ہے' کیا آئینے میں شکل دیکھی ہے اپنی' ہڈیوں کی مالا بن کر رہ گیا ہے' کیا تیرا من نہیں چاہتا کہ تو آرام سے جیون بسر کرے؟"

"چاہتا ہے۔"

"وہ سب پالے جس کی تیرے من میں آرزو ہے؟"

"کیا تم جانتے ہو میرے من میں کیا آرزو ہے؟"

"ارے نہیں رے اب اتنے شکتی مان نہیں ہیں ہم کہ من کی باتیں جان لیں۔"

"بہرحال' میرے دل میں جو کچھ ہے اس کا حصول یوں سمجھ لو میری زندگی ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے' تو اب تو یوں کر کہ ہمارے ساتھ رہنا شروع کر دے۔"

"تمہارے ساتھ؟"

"ہاں!"

"ایک سوال کرنا چاہتا ہوں تم سے!"

"کر کر۔ جب ہم نے تجھ سے سوالات کئے ہیں تو اس کا ادھیکار تجھے بھی ہے کہ تو ہم سے سوال کر۔"

"دھوما' مونگا کا کیا ہوا؟" میں نے سوال کیا اور دھوما چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"اب بھی تجھ پر مونگا سوار ہے؟"

"نہیں میں اسے اپنے سر سے اتارنا چاہتا ہو۔"

"سچ کہتا ہے؟"

"ہاں مجھے اس کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے اور شاید تمہیں اس بات کا علم

بھی ہو کہ میں اسے حاصل نہیں کرنا چاہتا تھا بس ایک زبردستی کا جاپ مجھے دے دیا گیا تھا' جو میری آرزو نہیں تھی' بس یوں سمجھ لو کہ میں تو اس چکر میں پھنس گیا تھا۔"

"بہت اچھی اچھی باتیں کر رہا ہے رے!"

"اور اس کے بعد وہ جاپ ادھورا رہ گیا۔"

"ہاں وہ جاپ ادھورا رہ گیا' لیکن مونگا کی مصیبت ہی آ گئی' وہ آسانی سے پورا نہیں ہو سکتا' اس کا باقی جاپ تو ہی پورا کر سکتا ہے' یہ الگ بات ہے کہ وہ جاپ پورا کرنے کے بعد تو مونگا کو اپنے جاپ سے آزاد کر دے۔ پھر کوئی بھی مونگا کو اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کر سکتا ہے یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مونگا خود ہی فرار ہو جائے۔ مگر جاپ تجھے ہی کرنا ہو گا۔"

"گویا تم مجھے وہ جاپ بتاؤ گے!"

"پاگل میں نہیں بتا سکتا تجھے وہ جاپ۔"

"تو پھر؟"

"اس کے لئے میں تجھے بتا دوں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے.......... بڑی عجیب کہانی ہے اور یہ معمولی بات نہیں ہے۔ وہ جاپ تجھے وہی بتائے گا جس نے تجھے جاپ کے دو حصے بتائے تھے۔"

"لیکن.......... لیکن.........."

"ہاں تو یہی کہے گا نا کہ وہ مر چکا ہے!"

"ہاں۔"

"کوئی چنتا کی بات نہیں ہے' میں تجھے بتاؤں گا کہ تو یہ جاپ کیسے معلوم کرے گا' لیکن ابھی نہیں۔ پہلے تجھے میرے اور بھی بہت سے کام کرنے ہوں گے۔ ایسے کام جو میں نہیں کر سکتا۔"

"کیسے کام؟"

"کچھ دشمنیاں ہیں میری۔ ایسی دشمنیاں ہیں جو بڑی عجیب و غریب ہیں۔ اور کچھ ایسے لوگوں سے ہیں جنہیں میں ہلاک کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اپنے ہاتھوں سے نہیں۔"

"تو پھر؟"

"تو انہیں ہلاک کرے گا۔"

"میں؟"

"ہاں تو!"

"نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"میں کسی کو نہیں مار سکتا۔"

"کیوں بکواس کرتا ہے رے' دیکھ تو نے دو انسان مارے ہیں' یہ الگ بات ہے کہ اس وقت تیرے سر پر مونگا سوار تھا۔ لیکن اب تیرے اوپر کوئی سواری نہیں ہو گی۔ تو جتنے عیش کرے گا اس کا تجھے اندازہ نہیں ہو سکتا اب ان دو قتل کے بعد تو قاتل تو ہے' کسی بھی وقت تیری نشاندہی پولیس کو کی جا سکتی ہے' اور پولیس تجھے گرفتار کر لے گی۔ قاتل تو تو بن چکا ہے۔ دو قتل کر دیئے ہیں تو نے۔ اب اگر چار چھ قتل اور کر دے گا تو تیرا کیا چلا جائے گا؟"

"لیکن میں قاتل نہیں بننا چاہتا۔"

"قاتل تو تو بن چکا ہے رے۔ اب اس سے بھاگنے سے کیا فائدہ۔ میں کل تجھے پولیس کے ہاتھوں میں دے سکتا ہوں اور پولیس تجھے مقدمہ چلا کر پھانسی دے دے گی۔ سیدھی سی بات ہے۔ تو پھانسی سے بچنے کے لئے اچھا طریقہ یہ ہے کہ میرے ساتھ کام کر۔"

"دھوما.........."

"دیکھ مان لے میری بات' میں نے تجھے دھوکے میں نہیں رکھا۔ اگر میں چاہتا تو تجھے دھوکے میں رکھ کر تجھ سے بہت سے کام لے سکتا تھا لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ تجھے دھوکے میں نہیں رکھوں گا۔"

"تو پھر اب مجھے بتا میں کیا کروں؟"

"میرا داس بن جا۔"

"دھوما.........."

"ہاں میرا داس بن جا.......... اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ تجھے میری یہ بات ماننی ہی پڑے گی۔"

"کیا یہ ضروری ہے دھوما؟"

"ہاں یہ ضروری ہے ورنہ اس کے سوا سنسار میں تجھے کوئی اور اچھا جیون مل سکتا ہے تو جا اپنے آپ کو تلاش کر۔ اچھا جیون مل جائے تو اچھے جیون کے ساتھ رہنا' میں تیرا راستہ نہیں کاٹوں گا اور اگر نہ ملے تو پھر میرے پاس آجانا میں تجھ سے یہی بات کہوں گا۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دے سکتے ہو؟"

"ایک رات صرف ایک رات۔"

"ٹھیک ہے۔ تب پھر میں کل صبح تمہیں اپنے ارادے سے آگاہ کر دوں گا۔"

"جا آرام کر۔" اس نے کہا اور زور سے تالی بجائی' نہ جانے کہاں سے دو آدمی باہر نکل آئے اور انہوں نے دھوما کے سامنے گردن جھکا دی۔

"جاؤ انہیں بڑے کمرے میں لے جاؤ' آرام سے رکھنا اور کوئی پریشانی نہ ہونے دینا' خوب کھلانا پلانا' جو ان کا من چاہے انہیں دینا۔ اور سنو نادر کل دوپہر کو ایک بجے میرے پاس اسی کمرے میں آجانا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

میں نے گردن ہلا دی اور اس کے بعد میں دھوما کے پاس سے اٹھ گیا' وہ دونوں مجھے لے کر ایک کمرے میں آ گئے۔ کمرہ واقعی شاندار طریقے سے سجا ہوا تھا لیکن میرا دماغ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا' وہ لوگ تو مجھے یہاں چھوڑ کر چلے گئے اور میں اس آرام دہ اور قیمتی بستر پر لیٹ کر یہ سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

ایک طرف برائی پھولوں کے ہار لئے ہوئے کھڑی تھی اور دوسری طرف.........

دوسری طرف نہ جانے کیا تھا۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ کیا کروں کیا نہ کروں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کیا برائی کی یہ چادر اوڑھ لوں' کیا ایک پیشہ ور قاتل بن جاؤں' کیا اس طرح اپنی زندگی کی تمام مرادیں پالوں' لیکن اس کے بعد میرا ضمیر مجھے کیا کہے گا کہ ایک قاتل بننے کے بعد میں نے اپنے لئے خوشیاں تلاش کیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی گوہر کا تصور بھی میرے ذہن میں ابھرا' گوہر تو اب ایک ایسا قصہ بن چکی تھی جسے صرف دہرایا جا سکتا ہے' یاد کیا جا سکتا ہے جسے' سنایا جا سکتا ہے' البتہ پایا نہیں جا سکتا' ہوں گوہر میری تقدیر میں نہیں ہے' وہ میری زندگی میں شامل نہیں ہو سکتی' اسے بھلانا ہو گا مجھے۔ اسے بھول جانا ہو گا مجھے۔ وہ واقعی میری تقدیر میں نہیں ہے۔

نہ جانے کب تک ان ساری باتوں کو سوچتا رہا تھا دل و دماغ کی کیفیت عجیب ہو گئی تھی' کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ جیون کی اس گردش نے ذہن و دل ہلا ڈالے تھے۔ عجیب

تھی میری زندگی' جس کا کوئی سرا ہی میرے اپنے ہاتھ میں نہیں تھا۔ حتیٰ کہ میری اپنی زندگی میری نہیں تھی۔ اس پر حکمرانی دوسروں کی تھی۔ اور میں تو ایک ایسا کھلونا بن چکا تھا' جس کی چابی میرے بجائے دوسروں کے پاس تھی۔

دھوما کی باتوں نے میرے دل و دماغ کو ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا برائی۔ اپناؤں یا اچھائی' کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا' اسے کل تک اپنے ارادے سے آگاہ بھی کرنا تھا۔ نہ جانے میری قسمت مجھے کہاں لے جانے والی تھی' اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

نہ جانے رات کا کون سا پہر تھا' مجھے اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا' میں ان ہی ساری باتوں کو سوچتا رہا تھا۔ اور اس کے بعد مجھے گہری نیند آگئی تھی۔

O---------------O

دوسرے دن بھی میرے پاس وقت تھا۔ اس دوران میں ضمیر سے جنگ لڑتا رہا تھا۔ جینے کی آرزو ہر دل میں ہوتی ہے۔ طاقتور کے آگے ایک کمزور انسان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اس دوران یہی سوچتا رہا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ بالآخر فیصلہ کر لیا کہ فی الحال اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ میں دھوما چمار سے تعاون کروں۔ یہ فیصلہ میں نے انتہائی مجبوری کے عالم میں کیا تھا اور میرے پاس اس کے سوا اور کوئی حل نہیں تھا۔

الغرض دوپہر کو جب دھوما کے سامنے پہنچا تو دل و دماغ کو جس طرح بھی ممکن ہو سکا تھا آنے والے وقت کے لئے تیار کر چکا تھا۔ دھوما نے میرا چہرہ دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھگوان کی سوگند' کتنا سندر جوان ہے تو کہ اگر تیرا حلیہ درست کر دیا جائے' تیری تراش خراش کر دی جائے تو دیکھنے والے ایک نظر دیکھ کر تجھے دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔ پر کیا بنا رکھا ہے خود کو۔ ارے پاپی اس سنسار میں شکتی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ جس کے پاس شکتی ہے وہ عیش کرتا ہے اور جس کے پاس شکتی نہیں ہے سمجھ لے وہ زمین پر راکھ بن کر بچھا رہتا ہے صرف اس لئے کہ دوسروں کے قدم اسے روندتے ہوئے گزر جائیں۔ کہاں موقع ملتا ہے انسانوں کو شکتی حاصل کرنے کا۔ اور جسے موقع ملتا ہے وہ سمجھ نہیں پاتا' کیسے سمجھائیں تجھے کہ تیرے لئے کیا اچھا ہے کیا برا!؟"

"دھوما مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"سب سے پہلے اگر تو میری بات ماننے کو تیار ہے تو دھوما کہنے کی بجائے مجھے گرو جی کہا کر۔"

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولا۔ "ٹھیک ہے گرو جی میں آپ کی بات ماننے کو تیار ہوں۔"

"دھوکا دے رہا ہے مجھے!" دھوما نے ناقابل یقین نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا اور میری آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"دیکھو گرو جی دوسری بار تمہیں گرو جی کہہ رہا ہوں تمہارے حکم کے مطابق جب میں اپنے آپ کو اس کام کے لئے تیار کر چکا ہوں تو تم مجھ پر شک کی نظر مت ڈالو' ایسا کرنے سے میرا ذہن پھر خراب ہو جائے گا۔"

"مگر ٹھہر ایک منٹ رک جا' ابھی پتہ چل جائے گا" اس نے کہا اور پھر اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا' پھر سیاہ رنگ کے ایک پتھر کا ٹکڑا لے کر وہ میرے سامنے پہنچا اور اسے نیچے رکھتے ہوئے بولا۔

"سن لے پہلے' یہ نہ کہنا کہ میں نے دھوکے سے تجھے مار دیا۔"

"نہیں کہوں گا بتاؤ!"

"اس پتھر پر ہاتھ رکھ کر تو مجھے تیسری بار گرو جی کہے گا' اگر تیرے من میں کھوٹ ہوگا تو اس ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گا' یہ سوکھ کر گر جائے گا ایک منٹ کے اندر اندر۔ سمجھ رہا ہے اور اگر تیرے من میں کوئی کھوٹ نہیں ہے تو نے من سے یہ بات مان لی ہے کہ اب میرے لئے کام کرے گا تو پھر یہ سمجھ لے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بول ہاتھ رکھنے کو تیار ہے۔!"

"دیکھو جو فیصلے میں نے کئے ہیں اور جن فیصلوں کے تحت میں اس بات پر آمادہ ہو ہوں کہ تمہاری ہر بات مانوں ان میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ باقی اگر مستقبل میں میرے دل میں کوئی کھوٹ پیدا ہو جائے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"مستقبل کی بات چھوڑ دے اب کی بات کر۔"

"لاؤ.........." اور اس نے پتھر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے اس پر ہاتھ رکھ کر اسے گرو جی کہا لیکن میرا ہاتھ صحیح سلامت رہا.......... کیونکہ اس وقت میں واقعی بد دل ہو

کر دھوما کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو گیا تھا۔

"بس ہٹا لے ہاتھ۔" دھوما نے مطمئن ہو کر کہا۔ اور میں نے ہاتھ ہٹا لیا۔ تب اس نے اپنا ہاتھ بلند کر کے میرے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہم نے تجھے اپنا چیلا سوئیکار کیا۔ یہ بات تو یہاں ہو گئی ختم۔ اب ایسا ہوگا اور کہ بعد میں بہت سے ایسے کام آئیں گے جن میں تیرا من تجھے روکے گا۔ پر من کی بات مت سنا ہماری بات سننا جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ سننا۔ سمجھ رہا ہے نا۔ ٹھیک ہے نا!"

"ہوں ٹھیک ہے' اب سب کچھ ٹھیک ہے۔"

"ہوں تو پھر اپنا حلیہ درست کر لے۔ بلاتا ہوں میں.......... اور اس سنسار کی ساری بے وقوفیوں سے دور ہو جانا۔ ارے جوانی ہوتی کس لئے ہے۔ چند روز کے لئے ملتی ہے چند روز کی اس جوانی میں منش کھل کھیلے' اپنے اوپر کوئی پابندی نہ رکھے.......... اچھا ٹھیک ہے' چھوڑ اب ان باتوں کو.......... یہاں سے جا.......... اور جو کچھ دوسرے کہیں مان لینا' میں اس دوران تجھے ملوں گا نہیں۔ ٹھیک ہے!"

"ٹھیک ہے گرو جی۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا لگتا ہے تیرے منہ سے بہت اچھا لگتا ہے گرو جی کہنا' چل ہٹ' بھاگ یہاں سے۔" اس نے پیار بھرے انداز میں کہا۔ اور اس وقت ایک شخص اندر داخل ہو گیا جسے اس نے بلایا نہیں تھا۔

"لے جاؤ اسے' لے جاؤ۔ راج کراؤ' سمجھے راج کراؤ' جب ہم چاہیں گے اس سے مل لیں گے۔"

پھر میں وہاں سے نکل آیا.......... وہ شخص مجھے وہاں سے لئے ہوئے آگے بڑھا اور پھر ایک کار کے قریب پہنچ گیا۔

"آیئے مہاراج۔" اس نے کہا اور میں بغیر سوچے ہوئے کار میں بیٹھ گیا' اس شخص نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا تھا۔

کار جس علاقے میں رکی وہ بہت ہی خوبصورت علاقہ تھا' ساتھ ہی بے کراں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا' اور تھوڑے فاصلے پر یہ خوبصورت مکان تھا جس کی شان و شوکت دیکھنے کے قابل تھی۔ پتہ نہیں کس طرح دھوما نے یہاں موجود لوگوں کو میری آمد کی اطلاع دے دی تھی۔

جن لوگوں نے میرا استقبال کیا ان میں تین مرد تھے اور دو لڑکیاں۔ نرم و نازک گداز جسموں کی مالک' چہروں پر شوخی بکھری ہوئی تھی بڑی چاہت سے ان لوگوں نے میرا استقبال کیا اور مجھے اندر لے گئے......... اندر ایک کمرے میں لے جانے کے بعد لڑکیوں میں سے ایک نے کہا۔

"میرا نام سرن ہے اور یہ سیکا ہے۔"

"ٹھیک۔"

"ہم آپ کو چرن دیو کہیں گے آپ برا تو نہیں مانیں گے؟"

"نہیں مانوں گا۔" میں نے اندر سے کسمساتے ہوئے کہا۔

"چرن دیو جی اب آپ سب سے پہلے اپنا چولا بدل لیجئے۔"

مجھے جو لباس پیش کیا گیا وہ جدید تراش کا لباس تھا اور میں نے اسے پہن کر دیکھا تو وہ میرے بدن پر بالکل فٹ تھا' درحقیقت اس کے بعد سے ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا تھا۔ دھوما مجھے نہ جانے کیا سے کیا بنا رہا تھا۔ اس وقت میری حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ اعلیٰ ترین کھانا' صبح کو مجھے ورزش کرائی جاتی تھی۔ ساحل سمندر پر دور تک دوڑتا تھا اور دو انسٹرکٹر میرا ساتھ دیتے تھے۔

پھر شاندار قسم کا گھوڑا میرے لئے لایا گیا اور اس کے بعد میں گھڑ سواری کرنے لگا۔ سمندر میں تیرنا' گھڑ سواری کرنا' ورزش کرنا' بہترین غذا' بہترین لباس اس کے بعد سیر و سیاحت۔ درحقیقت انسان کو یہ سب کچھ مل جائے تو شکل بدل ہی جاتی ہے' اور میری شکل جس طرح بدلی تھی' میں خود اس پر حیران رہ گیا تھا چہرہ پر گوشت ہو گیا تھا۔ رنگ اس طرح نکھر آیا تھا جیسے چندن میں ڈبو کر نکال دیا گیا ہو......... جیسے بچپن ہی میں مجھے خوب صورت لڑکا کہا جاتا تھا لیکن بچپن جس طرح گزرا تھا اس میں تمام خوب صورتی جل کر خاکستر ہو گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار صحیح معنوں میں مجھے عیش کی زندگی گزارنے کا موقع ملا تھا تو میری کیفیت ہی بدلتی جا رہی تھی۔

تقریباً چار یا پانچ ماہ مجھے اسی طرح گزارنے پڑے اور ان چار یا پانچ ماہ میں ایک دن بھی کوفت کا دن نہیں گزرا تھا......... وہ دونوں لڑکیاں ہر طرح سے میری دیکھ بھال کرتی تھیں......... اور اس سے آگے میں آپ کو اپنی زبان سے کچھ بتانا نہیں چاہتا۔ لیکن جب انسان برائی کو قبول کر لیتا ہے تو اسے ہر برائی ہیچ محسوس ہونے لگتی ہے اور ایسا ہی ہو رہا

.... چنانچہ میں نے اپنے ضمیر کو تو سلا ہی دیا تھا' اس لئے اس کے بعد کوئی دقت نہیں رہ جاتی تھی۔ آئینے میں خود کو دیکھتا تو حیران رہ جاتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی مصنوعی تصویر کھڑی کر دی گئی ہے جو میری شکل کی ہے لیکن یہ میں نہیں ہو سکتا۔ اب میں اس عیش و عشرت کا عادی ہو گیا تھا۔

باہر کی دنیا میں بھی میری شناخت کرائی جا رہی تھی اور اب بہت بڑے بڑے لوگ میرے دوست بن گئے تھے......... میں انہیں اپنی اس کوٹھی پر دعوت دیتا تھا اور کوٹھی میں اچھا خاصا جشن برپا ہو جاتا تھا۔

چرن دیو کی حیثیت سے میں بہت مشہور ہو گیا تھا اور اپنا نام ہی بھولتا جا رہا تھا۔

عیش و عشرت کی زندگی نجانے کیا کیا کچھ بھلا دیتی ہے' میں بھی بہت کچھ بھولتا جا رہا تھا اب دنیا مجھے اتنی بری نہیں لگ رہی تھی' سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ میں کسی کے ...انے پر بیٹھ کر زندگی گزار رہا ہوں' اس دوران میرے بہت سے دوست بن گئے تھے' ان میں مختلف قسم کے لوگ تھے کچھ ایسے عیاش طبع نوجوان جو اپنے ماں باپ کی دولت پر عیش کر رہے تھے گووند بھی انہی میں سے ایک تھا اچھی شکل و صورت کا مالک ایک انتہائی دولت مند شخص کا بیٹا' جس کی بہت سی ملیں' فیکٹریاں اور نہ جانے کیا کیا کچھ تھا' اصل میں لوگ میری وجاہت سے مرعوب ہو جاتے تھے اور میری قربت کے خواہشمند ہوتے تھے۔ اس دوران ایسے بھی بیشمار واقعات ہو چکے تھے جو میرے ذہن میں غرور بیدار کر دیتے تھے' گووند اس دن مجھے اپنے ساتھ لے کر چل پڑا راستے میں اس نے کہا۔

"چرن جی مہاراج آج میں آپ کو ایک ایسی جگہ لے جا رہا ہوں جہاں جا کر آپ کو خوشی ہو گی' بڑی مشکل سے یہ راستہ نکالا ہے۔"

"کہاں لے جا رہے ہو؟"

"چلیں گے تو پتہ چل جائے گا۔" اس نے کہا' پھر ہم ایک حسین کوٹھی میں پہنچ گئے اور یہاں ہمارا استقبال جن چند ہستیوں نے کیا ان میں ایک ایسی شناسا صورت بھی تھی جسے دیکھا تو میں نے ایک آدھ بار ہی تھا لیکن وہ مجھے یاد تھی' چوکیدار نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ وہ لڑکی جو دھوما سیٹھ کی کار لے کر گئی ہے ایک عظیم اداکارہ ہے اور اس کا بڑا نام ہے' کمل وتی نام بتایا تھا اس نے' اس وقت کمل وتی بھی میرے سامنے تھی' کچھ عمر رسیدہ افراد اس کے قریب موجود تھے۔ ان سب نے ہمارا پرتپاک خیر مقدم کیا' ایک عمر رسیدہ

شخص نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام ویر جی ہے اور میں فلم ڈائریکٹر ہوں.......... بہت سی فلمیں بنا چکا ہوں، کمل وتی جی کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے اور گووند جی نے آپ کی کچھ ایسی تعریفیں کی تھیں کہ ہم سب آپ سے ملنے کے لئے بے چین ہو گئے' ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گووند نے جو کچھ کہا تھا غلط نہیں کہا تھا' آپ تو واقعی بڑے سندر ہیں' تعجب کی بات ہے کہ اب تک کسی کی نظر آپ پر کیوں نہیں پڑی؟" میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا' میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟ نظر پڑنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"آپ کو تو فلم میں بہت پہلے آنا چاہئے تھا۔"

"فلم میں۔"

"ہاں۔"

"مجھے فلموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں.......... بہت سے بڑے آدمی جب کسی جگہ تک نہیں پہنچتے تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ انہیں اس سے دلچسپی نہیں ہوتی' لیکن چرن جی آپ نے بہت ظلم کیا ہے۔ بہت سے لوگوں پر۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"وہ اب میں بتاتا ہوں تمہیں۔ کمل جی آپ کچھ نہیں بتا رہیں!"

اس بار گووند نے کمل وتی کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ سحر زدہ سی مجھے دیکھ رہی تھی اور اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں حیرت کے نقوش تھے' اچانک وہ چونکی اور اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

"واقعی چرن جی آپ.......... آپ کہاں چھپے ہوئے تھے؟"

""آپ لوگ پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ارے اب تم سب لوگ یہیں کھڑے رہو گے یا اندر بھی چلو گے؟" جس ڈرائنگ روم میں ہمیں لے جایا گیا وہ خوبصورت طریقے سے سجا ہوا تھا' میری اتنی پذیرائی کی جا رہی تھی کہ میں حیران تھا' وہ لوگ میرے حسن و جمال کی تعریفیں کر رہے تھے اور سب سے بڑی تعریف کمل وتی کی آنکھوں میں میرے لئے تھی۔

"ہاں تو جناب چرن دیو جی' اصل میں گووند جی نے آپ سے تعارف کرایا تھا' ہم لوگوں کو ایک نئی فلم کے لئے بہت خوبصورت ہیرو کی تلاش تھی' گووند جی سے ہمارا تعلق ہے انہوں نے کہا کہ ایک ایسی شخصیت کہ وہ ہم سے ملا سکتے ہیں جسے دیکھ کر ہم حیران رہ جائیں گے' ویسے تو ہم ہنسے تھے گووند جی کی بات پر لیکن اب ہم کو اپنی ہنسی پر شرمندگی ہو رہی ہے' آپ واقعی ایک ایسی ہی شخصیت کے مالک ہیں کہ آپ کو ایک بار دیکھ کر بار بار دیکھنے کو دل چاہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ویر جی آپ ایک تجربے کار ڈائریکٹر ہیں لیکن آپ جس انداز میں میری تعریف کر رہے ہیں' لاکھ کوشش کے باوجود مجھے اس پر شرم آتی جا رہی ہے۔" وہ لوگ ہنسنے لگے کمل وتی بھی ہنسی تھی لیکن وہ کچھ کھوئی کھوئی سی تھی' بہت سی باتیں ہوتی رہیں مجھے بعد میں ویر جی کا مقصد معلوم ہوا وہ اپنی فلم میں مجھے لینا چاہتے تھے۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ویر جی میں اس لائن کا آدمی نہیں ہوں' آپ کو مجھے اپنی فلم میں لا کر مایوسی ہوگی۔"

"نہیں ہرگز نہیں.......... بلکہ اگر آپ اس پر آمادہ ہو جائیں تو یوں سمجھ لیجئے ہماری تقدیر چمک جائے گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں فلم میں کام کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گا.......... پہلی بات یہ کہ مجھے اداکاری نہیں آتی' دوسری بات یہ کہ میں نے کبھی اس بارے میں سوچا بھی نہیں۔"

"یہ دونوں کام کمل وتی جی آپ سے لیں گی۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب معاملات کمل وتی جی کے ہاتھوں میں ہیں آپ جیسا پسند کریں کمل جی۔"

"نہیں.......... چرن دیو جی کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور تو نہیں کیا جا سکتا' ہاں میں انہیں آمادہ کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"آپ یقین کریں کمل وتی جی میں اداکاری جانتا ہی نہیں ہوں۔"

"اداکاری تو خود بخود آجاتی ہے' بلکہ کبھی کبھی اداکاری' اداکاری نہیں ہوتی' حقیقت ہوتی ہے۔" کمل وتی نے کہا۔ اس لڑکی یا عورت کے بارے میں صحیح طور پر یہ

اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس کی عمر کتنی ہے' میں اسے دھوما کے ساتھ دیکھ چکا تھا اور چوکیدار نے مجھے اس کے بارے میں تمام تفصیلات بتائیں تھیں' لیکن آج اسے قریب سے دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ عمر کھائی ہوئی عورت ہے لیکن بے حد حسین' بے حد چالاک' چالاکی اس کی آنکھوں سے ٹپکتی تھی.......... بہرحال یہ ملاقات ہوئی' واپسی میں گووند نے مجھ سے کہا۔

"تم نے ایک ایسی شخصیت کی توجہ پالی ہے جس کی توجہ پانے کے لئے ملک بھر میں نہ جانے کتنے نوجوان اپنا سر دھنتے ہوں گے۔"

"مگر گووند مجھے ان تمام باتوں سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"یار بس بات ہوئی تھی ایک بار تو میں نے تمہارا تذکرہ کر دیا تھا' ویری بی بت بڑے ڈائریکٹر ہیں' کسی کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں تو سمجھ لو اس کے سر پر ہما بیٹھ جاتی ہے۔"

"لعنت بھیجو یار کس چکر میں ڈال دیا تم نے مجھے۔"

لیکن جس چکر میں گووند نے مجھے ڈالا تھا وہ ایک بہت ہی لمبا چکر تھا اور اس کے پیچھے نہ جانے کون کون سے عوامل کار فرما تھے' میں اب اسی زندگی کا عادی ہوتا جا رہا تھا' عیش و عشرت دولت سب کچھ مجھے میسر تھا' ماضی میرے ذہن سے محو ہوتا جا رہا تھا' پھر ایک دن بادل آسمان پر چھائے ہوئے تھے اور موسم کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا کہ دل میں خود بخود جولانی پیدا ہو جائے' ایسے وقت میں ایک خوبصورت کار میری رہائش گاہ پر آ کر رکی' میں برآمدے ہی میں کھڑا ہوا موسم کی کجلاہٹیں دیکھ رہا تھا۔ کار کو دیکھ کر میں چونک پڑا' اجنبی کار تھی لیکن اس کار سے کمل وتی نیچے اتری تھی سفید سلک کی حسین ساڑھی میں ملبوس جس کے کناروں پر کالی ڈوری لگی ہوئی تھی' بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بادلوں کی کجلاہٹیں یکجا ہو کر ایک انسانی شکل اختیار کر گئی ہوں' آج میں نے اس کی چال کی دلکشی پر بھی غور کیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اور مسکراتی ہوئی میری جانب آ رہی تھی۔

"ہیلو!" اس نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔

"ہیلو کمل وتی!"

"شکر ہے آپ کو میرا نام یاد ہے۔"

"ارے ہماری ملاقات کو ابھی دن ہی کتنے گزرے ہیں۔"

"پھر بھی مجھے تو یوں لگا ہے جیسے آپ بھلا دینے کے ماہر ہوں۔"

"نہیں آپ آیئے۔" میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"چھت کے نیچے بیٹھنا تو کچھ عجیب سا لگتا ہے اور سمندر آپ سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ کیا آپ سمندر کو نظرانداز کر دیں گے؟"

"مطلب۔"

"مطلب میں آپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر آپ تیار ہو گئے تو آپ کو لے کر ساحل پر چلوں گی۔"

"بارش ہو گئی تو آپ کا لباس خراب ہو جائے گا۔"

"لباس!" اس نے اپنی ساڑھی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں کیوں؟"

"کیا لباس اتنی ہی قیمتی چیز ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے انسان موسم کے حسن کو نظرانداز کر دے؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"تو پھر آیئے پلیز!"

"مگر آپ یہاں آئی ہیں بیٹھیئے کچھ کھائیں پئیں تو سہی میرے ساتھ۔"

"دیکھئے میں ذرا عجیب و غریب فطرت کی مالک ہوں' حالانکہ آپ نے مجھے ذرا بھی گھاس نہیں ڈالی تھی لیکن آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں گھاس کھانے کی شوقین ہوں۔" اس نے کہا اور خود ہی اپنے الفاظ پر ہنس پڑی۔

"ارے نہیں.......... نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے' گھاس نہ ڈالنے کا کیا سوال ہے بس ہماری پہلی ہی تو ملاقات ہوئی تھی۔"

"اسی لئے میں نے سوچا کہ دوسری ملاقات بھی کر لی جائے' تو بات گھاس کی ہو رہی تھی۔"

"جی!"

"کچھ کھلائیں گے پلائیں گے ضرور آپ مجھے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"اور آپ کے یہاں ملازم بھی ہیں؟"

"ہاں ہیں۔"

"تو پھر ایسا کیوں نہ کریں کہ آپ ان ملازموں سے کہیں کہ جو کچھ بھی مجھے کھلانا پلانا ہو وہ لے کر ساحل سمندر پر آجائیں' فاصلہ زیادہ تو نہیں ہے۔"

"پروگرام تو دلچسپ ہے۔"

"تو پھر آیئے نہ انتظار کس بات کا!"

"ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔"

"آیئے میری گاڑی' میں چلیں' آپ ملازموں کو ہدایت کر دیں۔"

"کیا کھانا پسند کریں گی آپ۔"

"دیکھئے اب یہ غلط بات ہے' گھاس کیسی ہی ہو گھاس ہی ہوتی ہے۔" وہ بولی اور میں ہنسنے لگا پھر میں نے واقعی ملازموں کو بلا کر کہا کہ ساحل سمندر پر کھانے کی کچھ عمدہ سی چیزیں' میزیں' کرسیاں وغیرہ لے کر آجائیں۔

"ٹھیک ہے سرکار۔" میرے ملازم نے جواب دیا پھر میں کمل وتی کے ساتھ کار میں جا بیٹھا' کمل وتی نے کار آگے بڑھانے کا حکم دیا تھا اور اس کے ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی.......... کمل وتی خاموش بیٹھی ہوئی تھی' غالباً ڈرائیور کی وجہ سے وہ کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی' تھوڑی دیر کے بعد کار ساحل پر پہنچ گئی' درحقیقت ہمارے اس مکان سے ساحل کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا بلکہ مکان کی ایک گیلری سے تو سمندر بالکل کھلا اور صاف نظر آتا تھا لیکن بہرحال اس کی خواہش تھی اور حقیقتاً اس وقت مجھے خود بھی یہاں آکر بہت اچھا لگ رہا تھا' نجانے کیوں اس وقت کمل وتی کا ساتھ بھی مجھے برا نہیں لگ رہا تھا اس نے ایک جگہ پہنچنے کے بعد پاؤں سے جوتے اتار دیئے اور اس کے سفید پاؤں نمایاں ہو گئے۔

"ہر چیز کو اس کی حیثیت کے مطابق ہی توجہ دینی چاہئے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یہ نم ریت اس وقت اتنی فرحت دے گی کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے.........." میں نے بھی ہنس کر اپنے جوتے اتار دیئے اور پتلون کے پائنچے اوپر چڑھا لیے۔"

"یہ ہوئی نا بات۔"

"میں تو بس آپ کے لباس کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔"

"بار بار لباس.......... بار بار لباس' یہ لباس کوئی حیثیت نہیں رکھتے چرن جی!"

"ہاں۔"

پھر ہم ساحل کی ریت پر چہل قدمی کرنے لگے۔ اس کے بال ہوا میں اڑ رہے تھے اور چہرے پر بکھر گئے تھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قدرت نے عورت کو ایک ایسا حسن بخشا ہے کہ نگاہ کتنی ہی ہٹانے کی کوشش کی جائے لیکن ذہن بار بار اسی جانب منتقل ہوتا ہے اس سے پہلے کمل وتی مجھے اتنی اچھی نہیں لگی تھی' غالباً یہ موسم کا اثر تھا' وہ بھی خاموش تھی' چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"حقیقت یہ ہے کہ گووند نے آپ کی بڑی تعریفیں کی تھیں۔"

"وہ بہت اچھا دوست ہے میرا۔"

"نہیں یہ اس کی اچھائی نہیں ہے۔"

"تو پھر؟"

"یہ بس آپ کی خوبی ہے۔"

"آپ نے مجھے بلاوجہ اتنی اہمیت دی ہے۔"

"بلاوجہ نہیں دی چرن جی!"

"مطلب۔"

"مطلب یہ ہے کہ آپ واقعی اتنی تعریفوں کے قابل ہیں' دیکھئے میری بات کو خوشامد نہ سمجھئے اگر ویرجی آپ کو اپنی فلم میں میرے مقابل ہیرو لانا چاہتے ہیں تو اس سے ویرجی کو فائدہ ہوگا مجھے کوئی خاص فائدہ نہیں' لیکن میرے دل میں یہ خواہش ہے کہ آپ ویرجی کی پیشکش قبول کر لیں۔"

"لیکن آپ میری بات تو سنیں' مجھے اس سلسلے میں کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"میں جو ہوں نا۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا وہ پھر بولی۔

"ہاں.......... میں ہوں نا۔"

"مگر کمل جی!"

"دیکھئے انسان کا انسان پر تھوڑا سا حق ہمیشہ ہوتا ہے' مجھے آپ کے بارے میں

تمام تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں' بھگوان نے آپ کو ہر طرح کی دولت سے نوازا ہے اور اس میں سب سے بڑی دولت آپ کے پاس حسن کی دولت ہے' اگر کسی کے من میں کوئی آرزو پیدا ہو جائے تو اسے پوری کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ اپنی ذات پر کوئی فرق نہ پڑتا ہو!"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن آپ یقین کیجئے مجھے یہ سب کچھ نہیں آتا۔"

"آپ اس کی بالکل چنتا نہ کریں' میں آپ سے پھر یہ کہہ رہی ہوں کہ میں ہوں۔"

"تو پھر مجھے کرنا کیا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں.......... آپ کچھ نہیں کریں گے۔ سیٹ پر جائیں گے' شوٹنگ ہوگی۔ آپ کو ڈائیلاگ بتائے جائیں گے۔ آپ یقین کریں میں آپ کی پوری مدد کروں گی.........." کمل وتی نے کہا۔

"آپ نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"بالکل الجھن میں نہ پڑیں.......... اور ایک بات اور بھی کہوں اگر آپ واقعی اس پیشکش کو قبول نہیں کریں گے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا' ویر جی جائیں اور آپ۔ لیکن۔ لیکن میں آپ سے کچھ چاہتی ہوں۔"

"کیا؟"

"آپ کی قربت۔"

"جی!"

"ہاں.......... میں یہ چاہتی ہوں کہ میرا آپ کا ساتھ رہے اور سچی بات یہ ہے کہ اسی لئے میں آپ کو اس کے لئے مجبور بھی کر رہی ہوں۔"

"اس کے بغیر بھی ہم ملاقات کر سکتے ہیں کمل جی۔"

"ہاں کر تو سکتے ہیں لیکن ایک ذریعہ بن جائے تو کیا حرج ہے؟"

"خیر میں اس بارے میں سوچوں گا۔"

"اور میرے بارے میں؟"

"مم.......... میرا مطلب ہے.........." میں نے ہکلاتے ہوئے کہا اور وہ ہنس پڑی۔"

"کیا لڑکیوں کی طرح شرماتے ہیں آپ!"

"آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں!"

"ارے بھگوان کی سوگند نہیں.......... آپ کی یہ شرمائی ہوئی ادا دل میں اترتی ہے۔" کمل وتی نے مسکرا کر کہا۔

"توبہ ہے کمل جی۔"

"نہیں توبہ نہیں ہے' آپ توبہ شکن ہیں۔" اس نے مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا فاصلے سے ملازم آتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ نجانے کیا کیا ساز و سامان اٹھائے ہوئے تھے۔ بہرحال یہ بھی ایک عجیب سلسلہ تھا جس ساحل پر ہم لوگ تھے وہاں ہمارے علاوہ اس وقت اور کوئی نہیں تھا۔ اول تو یہ کہ عام دن تھا اور لوگ اپنی ملازمتوں پر گئے ہوئے تھے' دوسری بات یہ کہ یہ ساحل کافی الگ تھلگ اور رہائشی علاقے میں تھا اس لئے ادھر عام لوگ نہیں آتے تھے' ملازموں نے ایک جگہ کرسیاں ڈال دیں اور پھر کھانے پینے کا سامان اس پر سیٹ کرنے لگے' میں نے کہا۔

"آیئے۔"

"چلئے.........." پھر ہم کرسیوں پر جا کر بیٹھ گئے۔ بادلوں کی سیاہی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور اس نے ماحول کو اور حسین کر دیا تھا کمل نے کہا۔

"آپ نے تو اچھا خاصا تکلف کر ڈالا۔"

"جی ہاں!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟"

"بس' میرا جو دل چاہا میں نے کیا۔"

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔"

"بری بات بھی نہیں ہے۔"

"میرا مطلب ہے کسی اور کا دل کچھ چاہے تو آپ اسے ماننے پر تیار بھی نہیں ہوتے۔"

"نہیں کمل جی' آپ مجھے حکم دیجئے۔"

"میں حکم دینے کی پوزیشن میں نجانے کب آؤں گی!" اس نے کہا۔

"آپ ہیں۔"

"نہیں ہوں۔"

"میں عرض کر رہا ہوں نا کہ آپ ہیں۔"

"مان لیں گے آپ میری بات؟"

"جی مان لوں گا۔"

"تو پھر......... پھر' مجھ سے ملتے رہیں......... میرے گھر آئیں۔"

"آؤں گا۔" میں نے جواب دیا' ہم ایسی ہی بے تکی باتیں کرتے رہے اور جب وہ چلی گئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے دل پر اپنا ایک نقش چھوڑ گئی ہے پھر اس کے بعد کمل سے میری ملاقاتیں ہوتی رہیں' یہ بھی زندگی کا ایک انوکھا تجربہ تھا' دیریجی اور دوسرے تمام لوگ بھی مجھ سے ملا کرتے تھے' لیکن بہرحال میں نے ان سے کسی فلم میں کام کرنے کی حامی نہیں بھری البتہ کمل سے میری گہری دوستی ہو گئی تھی' یہاں تک کہ ایک دن وہ میرے پاس آئی تو اس کا کچھ عجیب سا انداز ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک بوجھل پن تھا اور کمل اتنی خوش نظر آ رہی تھی جیسے اس نے دنیا کی کوئی بہت بڑی دولت پالی ہو' وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کا اظہار کرتی رہی' اس نے اس بات پر خدشے کا اظہار کیا کہ اگر کبھی میں نے اس کی طرف سے نگاہیں پھیر لیں تو وہ کیا کرے گی' اس نے کہا کہ وہ زندہ نہیں رہے گی......... بہرحال میں بھی اب اس کی جانب پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا' ہمارے درمیان ملاقاتیں جاری رہیں اور لوگ ہمارے بارے میں چرچے کرنے لگے پھر ایک شام اچانک ہی دھوما میرے پاس آ گیا تھا' چہرے پر خوشیاں رقص کر رہی تھیں بہت عرصے کے بعد مجھے ملا لیکن میں نے بہرحال اس کا احترام سے استقبال کیا تھا اس کی وجہ سے میں نے زندگی کے وہ لطف حاصل کئے تھے جن کا میں کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا' دھوما معمول کے مطابق شاندار لباس میں ملبوس تھا' میں نے گروجی کہہ کر اسے مخاطب کیا تو اس نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں......... اب میں تیرے ان الفاظ پر پورا پورا بھروسہ کر سکتا ہوں کیسی گزری یہ بتا؟"

"بس گروجی بہت اچھی گزری۔"

"مانتا ہے نا؟"

"ہاں!"

"ارے یہ تو کچھ بھی نہیں ہے سنسار کا بادشاہ بنا دوں گا تجھے بادشاہ!"

"گروجی بس آپ کی مہربانی چاہئے۔"

"مگر مہربانیاں یکطرفہ نہیں ہوتیں۔" اس نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں گروجی!"

"اب تو گرو دکشنا دے دے۔"

"گرو دکشنا؟"

"ہاں۔"

"گروجی میں آپ کو اپنا سب کچھ دینے کو تیار ہوں۔"

"سوچ لے!"

"میرا خیال ہے آپ نے اب تک میرے لئے جو کچھ کیا ہے اس کے بعد اس کی گنجائش نہیں ہے کہ میں آپ کی کسی بات سے انکار کر سکوں۔"

"سوچ لیا ہے تو نے؟"

"ہاں گروجی!"

"تو پھر سن......... جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سن۔"

"جی گروجی بتائیے!"

"آج رات کو وہ پھر تیرے پاس آئے گی۔"

"کون؟"

"کمل وتی!"

"جی!" میں چونک کر بولا' مجھے حیرت ہوئی تھی کہ دھوما اس بارے میں سب کچھ جانتا ہے' بہرحال میں نے گردن جھکا کر کہا۔

"جی گروجی!"

"اور آج رات تجھے ایک اور کام کرنا ہے۔"

"کیا گروجی؟"

"آ میرے ساتھ........." اس نے کہا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس کی کوٹھی کے عقبی حصے میں ایک ایسا بڑا سا کمرہ تھا جس میں کاٹھ کباڑ پڑا رہتا تھا' وہ چیزیں جو ضائع ہو جاتی تھیں وہاں موجود رہتی تھیں' دھوما مجھے وہاں لے گیا' لیکن وہ اجنبی جگہ میں

نے آج پہلی ہی بار دیکھی تھی' جو دھوما نے مجھے دکھائی۔ اسی کاٹھ کباڑ والے کمرے کی ایک دیوار میں ایک دروازہ ایسے نمودار ہوا کہ جو اس سے پہلے میں نے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اس دروازے کے قریب پہنچ کر اسے کھولا اور میں حیرانی سے اسے دیکھنے لگا' دھوما مسکرا کر بولا۔

"پہلے تو یہ دروازہ نہیں دیکھا ہوگا؟"

"نہیں گرو جی!"

"تو آج دیکھ لے' آ میرے ساتھ۔" اور اس کے بعد وہ دروازے سے اندر داخل ہوگیا.......... دروازے سے اندر قدم رکھنے کے بعد اس نے کہا۔

"اندھیرا ہے اور سیڑھیاں ہیں احتیاط سے قدم رکھنا۔"

"سیڑھیاں؟"

"ہاں!"

"کیا یہ کوئی تہہ خانہ ہے؟"

"ہاں۔"

"مجھے اس کے بارے میں پہلے نہیں معلوم تھا۔"

"کسی کو بھی نہیں معلوم تھا۔" اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگیا۔ تقریباً سولہ سترہ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد جس جگہ میں پہنچا وہاں ایک عجیب سی ٹھنڈک بکھری ہوئی تھی' مجھے بالکل نظر نہیں آرہا تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ تہہ خانے میں کیا ہے لیکن تھوڑی دیر کے بعد دھوما نے ایک ماچس کی تیلی روشنی کی اور پھر ماچس کی تیلی دیوار میں لگی ہوئی ایک مشعل میں لگا دی' مشعل کی مدہم روشنی تہہ خانے میں پھیلی تو میں نے حیران نگاہوں سے دیکھا کہ وہ تہہ خانہ تو بہت وسیع و عریض ہے اور زمین کے نیچے نیچے دور تک پھیلا ہوا ہے' دھوما وہاں سے آگے بڑھا اور پھر اس نے چار پانچ مشعلیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر روشن کر دیں' تب ان مشعلوں کی روشنی میں' میں نے وہ ہیبت ناک مجسمہ دیکھا جو کالے رنگ کا تھا' اس میں ایک عجیب سی چمک تھی' وہ اس عظیم الشان ہال کے بیچوں بیچ ایستادہ تھا اور اس کے قدموں کے پاس ایک بڑا سا پیالہ بنا ہوا تھا اس کے ساتھ ہی ایک اور عجیب سی ایسی جگہ جو میری سمجھ میں نہیں آئی کہ کیا تھی لیکن وہاں ایک اور چیز بھی نظر آئی' یہ ایک تیز دھار ہتھیار تھا جسے تیشہ کہا جا سکتا ہے' وہ اس جگہ

رکھا ہوا تھا' میں حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا' دھوما نے کہا۔

"آج تو پہلی گرو دکشنا دے رہا ہے' اور یہ گرو دکشنا دینے کے بعد تجھے میں اور بھی بہت سی شکتیاں پیدا ہو جائیں گی۔ سمجھ رہا ہے نا!"

"مم مم.......... مگر.......... میں.......... میں آپ کو کیا دے رہا ہوں؟"

"وہ میں تجھے بتاتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہاں جلدی بتایئے۔"

"کمل وتی آج رات تیرے پاس آئے گی!"

"ہاں۔" میں نے اپنے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس کئے تھے' دھوما کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"آئے گی نا؟"

"ہاں گرو جی!"

"بڑے عیش کر لئے تو نے اس کے ساتھ۔"

"ہاں گرو جی!"

"اور اس نے بھی!"

"ہاں!"

"اور تجھے معلوم ہے وہ اس سے پہلے میرے پریم کا دم بھرتی تھی؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"تو نے دیکھا ہے اسے میرے ساتھ؟"

"ہاں میں نے دیکھا ہے اسے آپ کے ساتھ گرو جی!"

"وہ کہتی تھی کہ سنسار میں میرے سوا اس کے لئے اور کوئی ایسا نہیں ہے جو اسے سویکار ہو۔"

"مجھے یہ بات نہیں معلوم۔"

"میں بتا رہا ہوں تجھے۔"

"جی گرو جی!"

"وہ ایسا ہی کہتی تھی۔"

"ضرور کہتی ہوگی گرو جی!"

"دھوکا دیتی تھی وہ مجھے۔"

"شاید۔"

"اب تو ہے نا جو اس کی اس بات کی تردید کر سکتا ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں گرو جی!"

"میرے سامنے جھوٹ بولے گا!"

"بالکل نہیں۔"

"تو بتا کیا اس نے اپنے آپ کو تیری پریمیکا نہیں کہا؟"

"کہا ہے۔"

"اور اپنا شریر تجھے نہیں دے دیا؟" اس نے سوال کیا اور میں نے پھر گردن جھکا لی۔

"بول جواب دے!"

"ہاں گرو جی!"

"تو پھر اس کے بعد کیا میرا یہ حق نہیں بنتا کہ میں اس سے بدلہ لوں؟"

"جی؟"

"بدلہ.......... بدلہ۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"گرو جی.......... میں کیا کہہ سکتا ہوں!"

"تو کہہ نہیں سکتا کر سکتا ہے۔"

"کیا کرنا ہوگا مجھے؟"

"آج رات اسے اس تہہ خانے میں لے آ۔" اس نے کہا اور میرا بدن لرز کر رہ گیا۔ میں پہلے ہی سمجھ رہا تھا کہ اس کی آواز میں کوئی ایسی بات ہے جو میرے دل و دماغ کو متاثر کر رہی ہے۔

"پھر؟"

"اور اس کے بعد مجھے اس کی بلی دے دے۔"

"جی!"

"بلی.......... قربانی۔"

"مم.......... مگر کیسے؟"

"بس تو اسے یہاں لے آ.......... اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ تو دیکھتا رہنا لیکن اس کی گردن تیرے اپنے ہاتھوں سے کٹے گی۔"

"گرو جی!"

"بالک جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، سمجھ میں آ رہا ہے نہ تیرے!"

"جی گرو جی!"

"پہلی ہی مانگ پر تیری آواز میں لرزش پیدا ہو گئی، میں نے تجھے کیا کچھ نہیں دے دیا۔"

"مم.......... مگر گرو جی۔"

"جو لفظ مگر ہے نا اس سے بڑا دھوکے کا لفظ اور کوئی نہیں ہوتا۔ کوئی اگر مگر نہیں، تجھے یہ کرنا ہے بول کرے گا؟"

"مجھے کیا کرنا ہوگا گرو جی؟"

"یہاں لانا اسے، یہ بہت بڑی طاقت کا بت ہے اس بت کے چرنوں میں دی جانے والی بلی بہت بڑی اہمیت کی مالک ہوتی ہے۔ اب یہ بلی تو اپنے ہاتھوں سے دے گا، یہ پہلا کام ہے تیرا تجھے کرنا ہوگا، اس کے بعد میں تجھے آگے کے کام بتاؤں گا۔"

میں دل ہی دل میں لرزتا رہا نجانے کیوں میرا دل خون ہو کر رہ گیا تھا، کمل وتی سے اس دوران میرے اچھے خاصے تعلقات بن چکے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ میرے دل و دماغ پر حاوی ہوتی جا رہی تھی اور میں بہت سی پرانی باتیں بھولتا جا رہا تھا۔ لیکن اب مجھے یہ کرنا ہوگا۔

"کیا کہتا ہے تو؟"

"نہیں گرو جی آپ کے حکم سے انحراف تو نہیں کر سکتا۔"

"تو بس پھر جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ہونا چاہئے.......... چل اب واپس چلتے ہیں۔"

"لیکن گرو جی میں اسے یہ سب کچھ کیسے سمجھاؤں گا!"

"وہ میں سمجھا دوں گا تو چنتا مت کر۔" اس نے کہا اور پھر واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے پھر وہ مجھے واپس لئے ہوئے اسی جگہ آ گیا اس نے کہا۔

"دیکھ یہ دروازہ اس طرح کھلتا ہے۔" اس نے مجھے دروازہ کھولنے کا طریقہ بتایا۔

"مگر گرو جی وہ یہاں تک کیسے آئے گی؟"

"کیا مطلب؟"

"میں اسے کیا کہہ کر یہاں لاؤں گا؟"

"یہ بھی مجھے بتانے کی ضرورت ہے..........؟ تو اپنے دماغ سے کام لے گا اور سن جس انداز میں تو نے مجھ سے بات کی ہے وہ مجھے پسند نہیں آیا' تجھے تو خوشی خوشی میرے اس کام کے لئے تیار ہو جانا چاہئے تھا۔"

"نہیں گرو جی آپ ٹھیک کہتے ہیں میرے دل میں کشمکش بیشک تھی لیکن اب ختم ہو گئی ہے۔"

"تو پھر میں چلتا ہوں جو کچھ میں نے کہا ہے اسے پوری ہمت اور ذمے داری کے ساتھ پورا کرنا' تو نہیں جانتا کہ اس کے بعد تجھے کیا کیا مل جائے گا.........." کچھ دیر کے بعد وہ چلا گیا تھا لیکن میرے دل میں لاکھوں وسوسے چھوڑ گیا تھا۔

O-----------------O

اس کے جانے کے بعد میں اپنے کمرے میں آیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا جو فرمائش اس کم بخت نے مجھ سے کی تھی اس نے میرے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مونگا نے میرے وجود میں داخل ہو کر مجھ سے دو قتل کروائے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ اس کے بعد میرے دل و دماغ کی کیفیت بے حد بدل گئی تھی۔ جن دو شخصیتوں کو مجھ سے قتل کروایا گیا تھا مجھے ان سے عقیدت تھی۔ میری اس عقیدت کو مجروح کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے بابا سفیدے اور رادھن لال کو میں نے قتل کیا تھا لیکن وہ ایک نیک مقصد تھا۔ اب اس کے بعد یہ پانچواں قتل میرے لئے عذاب بن رہا تھا' کمل وتی جیسی حسین عورت جو بہرحال انسانی رشتوں سے منسلک ہو کر میری زندگی میں ایک مقام حاصل کر چکی تھی میرے ہاتھوں ماری جائے گی۔ ایک بت کے سامنے میں ایک انسانی زندگی کی قربانی دوں گا۔ میں جو ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوا تھا بت پرستی کا مخالف اور ان تمام غلاظتوں سے روگرداں لیکن میں مسلسل غلاظتوں میں ڈوبتا جا رہا تھا اور اب یہ بھی کرنا پڑے گا مجھے۔ کمل وتی کا حسین وجود میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ وہ جس قدر محبت کا اظہار مجھ سے کر چکی تھی اس میں کہیں بھی مجھے کھوٹ نظر نہیں آئی تھی۔ کیسے ماروں گا میں اسے اور یہ وحشی جادوگر کالے علم کا پجاری مجھے اپنا آلہ کار بنائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں

ہے کہ یہ چند ماہ میں نے جس انداز میں بسر کئے تھے یہ میری پوری زندگی کا حاصل تھے اس کے باوجود ان کے معاوضے کے طور پر جو کام وہ مجھ سے لینا چاہتا تھا میں اسے انجام دے سکوں گا؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا جانے کہاں سے ایک بار پھر ضمیر کے لاغر وجود میں کچھ کروٹیں بیدار ہونے لگیں اور ایک مدھم سی آواز ایک زخمی زخمی آواز میرے کانوں میں ابھری۔ نادر تو چرن دیو نہیں ہے نادر ہے۔ کیا یہ کام تو کر لے گا؟ ایک ایسے مخلص دوست کو جان بوجھ کر قتل کر دے گا جس نے اپنی زندگی کے حسین لمحات تجھے بخش دیئے ہیں۔ مشکل نہیں ہو گا یہ تیرے لئے؟ کیا میرے زخمی بدن کو کچھ اور زخم لگائے گا تو۔ ضمیر کی اس آواز نے مجھے بے چین کر دیا۔ میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا میں نے بہت سوچا اور دل میں ایک ہی بات رہی زندگی میں عیش و عشرت بڑی اہمیت رکھتے ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ اور ہے۔ اور اس کچھ اور کو بالکل نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ یہ عمر کے ان لمحات میں اتنا بے چین کرے گا جب زندگی کی آخری سانسوں کی گنتی ہو رہی ہو گی اور تجھے خود ہی یہ احساس ہو جائے گا کہ دنیا کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر اب تو ایک ایسی دنیا کی جانب جا رہا ہے جس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ وہاں حساب کا طریقہ کیا ہے۔ نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس لمحاتی زندگی کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لینا ٹھیک نہیں ہے۔ سب کچھ ہی تو بتا چکا ہوں' کچھ نہ کچھ تو رہنا چاہئے میرے پاس۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر خود اپنے وجود سے ہی شرمندہ ہونے لگوں۔ دل میں یہ جذبات اس قدر جڑ پکڑ گئے کہ اس کے بعد سوچنے سمجھنے کی قوتیں مفلوج ہونے لگیں۔ یہ تو مناسب نہیں ہے بالکل مناسب نہیں ہے۔ مجھے یہ عیش و عشرت کی زندگی نہیں چاہئے۔ انکار کر دوں گا دھوما کو۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایک ایسی ہستی کو قتل کرنے کا جو اب تک مجھ سے محبت کا اظہار کرتی رہی ہے۔ دھوما تو بے دین ہے۔ شیطان ہے وہ۔ مجھے آخر کب تک ان شیطانوں کے جال میں پھنسے رہنا پڑے گا۔ کیا کرے گا وہ زیادہ سے زیادہ ختم کر دے گا مجھے زندہ جلا دے گا۔ زندہ قبر میں دفن کر دے گا۔ مرنا تو ہے کیا ضروری ہے کہ جینے کے لئے موت کا مذاق اڑایا جائے۔ بس ان خیالات نے دماغ پر اس قدر شدید غلبہ پایا کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وقت دیکھنے کی بالکل ضرورت نہیں تھی جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو وقت اس کا راستہ نہیں روک سکتا۔ جانا ہے مجھے' جانا ہے اور کچھ دیر کے بعد میں اس عمارت سے باہر نکل آیا۔ ایک نئے عزم' نئے حوصلے' نئی امید کے ساتھ۔ دیکھا جائے گا

اب جو کچھ بھی ہو گا۔ کسی سے نہیں ڈروں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے ہاں بس احتیاط لازم ہے۔ سو وہ اس وقت تک کرتا رہوں گا جب تک میرے لئے ممکن ہو گی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ کافی دور آنے کے بعد میں نے کمل وتی کے بارے میں سوچا۔ کمل وتی کو بھی کم از کم اور کچھ نہیں تو اس شخص کی نسبت سے تو آگاہ کر دوں جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ اگر وہ میرا مذاق اڑاتی ہے یا میری بات کو تسلیم نہیں کر سکتی تو پھر وہ جانے اور اس کا کام۔ کم از کم ضمیر کی اس چبھن کو ختم تو کر دوں۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد بالآخر میں کمل وتی کی خوبصورت رہائش گاہ پہنچ گیا۔ پہلے بھی یہاں آچکا تھا۔ چوکیدار مجھے پہچانتا تھا۔ بڑی عزت اور احترام ہوتا تھا یہاں میرا۔ ہر شخص میری پذیرائی کے لئے تیار رہتا تھا۔ رات کی ڈیوٹی پر متعین چوکیدار اونگھ رہا تھا۔ میری دستک پر وہ جاگ گیا اس نے مشتبہ نگاہوں سے مجھے دیکھا لیکن پھر مجھے پہچان گیا اور پھر ہوشیار ہو گیا۔

"صاحب آپ اس وقت؟"

"کمل جی سے ضروری ملنا ہے۔"

"صاحب اس وقت تو وہ سو رہی ہوں گی۔"

"تو کیا تم مجھے روکو گے؟" میں نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"نہیں صاحب بالکل نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"ہٹو راستے سے۔" میں نے کہا۔

وہ راستے سے ہٹ گیا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ البتہ وہ میرے پیچھے کچھ قدم کا فاصلہ رکھ کر آ رہا تھا اس کی اپنی ذمہ داریاں اسے اس بات پر مجبور کر رہی تھیں۔ کمل وتی کی خواب گاہ کا مجھے علم تھا' کوریڈور سے گزرنے کے بعد میں کمل وتی کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچا۔ دستک دینا ضروری تھا۔ دنیا تو نہیں جانتی تھی کہ میرے اور اس کے درمیان دستک کا رشتہ ختم ہو گیا ہے لیکن پھر بھی احتیاط اور اصول ضروری ہوتے ہیں۔ وہ جاگ گئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو اس کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں کمل۔"

"میں کون؟"

"کہو تو اندر آجاؤں؟"

"کون ہو آؤ۔"

وہ میری آواز نہیں پہچان سکی تھی۔ اس نے جلدی سے سائیڈ لیمپ روشن کر دیا اور کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔ تب اس نے مجھے دیکھا اور اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل گئے۔

"تم۔ چرن دیو تم!"

"میں ہی ہوں کمل!"

"آؤ۔ آؤ ارے توبہ' تم اس وقت یہاں! کیا یہ میرے لئے سخت حیرت والی بات نہیں ہے؟" میں آگے بڑھا اور اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہوں میں محبت اُمڈ آئی تھی۔

"کمل!"

"چرن مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ تم آخر اس وقت کیسے آ گئے۔ نہ مجھے ٹیلی فون کیا پتہ نہیں کیوں میرا من ڈر رہا ہے۔ اور شاید تم یقین نہ کرو کہ میں نے ابھی ابھی ایک سپنا دیکھا ہے۔ سپنا دیکھ ہی رہی تھی میں کہ زور زور سے دروازہ بجنے کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔"

"ہاں۔ میرے لئے یہاں آنا بہت ضروری تھا اور وہ بھی بغیر کسی اطلاع کے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا بات ہے؟ مجھے بتاؤ تو سہی۔"

"کمل جو کچھ میں تم سے کہنے والا ہوں وہ تمہارے لئے واقعی پریشانی کا باعث ہو گا لیکن میں بھی مجبور ہوں۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے لیکن میں تمہیں جو تفصیل بتا رہا ہوں چاہو تو اسے جھوٹ سمجھ لینا یہ تمہاری مرضی ہے۔ میں اپنا فرض پورا کرنے کا خواہش مند ہوں۔

"بھگوان کے لئے جو کہنا ہے جلدی کہو' میرا جی الٹ رہا ہے۔"

"کمل پہلے مجھے میرے سوال کا جواب دو۔"

"پوچھو؟"

"سیٹھ دھوما کو تم کب سے جانتی ہو؟" میں نے پوچھا اور وہ نہ سمجھنے والے انداز کا میری صورت دیکھنے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

"بہت دن سے............"

"کیسے ملاقات ہوئی تھی تم سے؟"

"بس سیٹھ جی مجھے ملے تھے انہوں نے میری بہت مدد کی بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ آج میں جس مقام پر بیٹھی ہوئی ہوں دھوما سیٹھ نے مجھ اس مقام پر پہنچانے کے لئے میری بڑی مدد کی ہے۔"

"دوسرا سوال کمل وتی یہ ہے کہ کیا دھوما تمہارے لئے ایک مرد کی حیثیت رکھتا ہے۔ مجھے معاف کرنا میرا خیال ہے اس سوال کو مجھے دوبارہ دہرانے کا موقع نہ دو۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جاسکتا۔"

کمل کی گردن جھک گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں!"

"بس یہ بات یہاں ختم ہوئی۔ چھوڑو اسے میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ دوسری بات یہ کہ کیا دھوما نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ وہ مجھے تمہاری جانب راغب کر رہا ہے۔"

"دھوما سیٹھ نے!"

"ہاں۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ میری اور تمہاری ملاقات تو............"

"ہاں وہ میں جانتا ہوں۔ مجھے یاد ہے۔"

"دھوما نے تو اس بارے میں کبھی کچھ نہیں کہا۔"

"تو پھر تھوڑی سی تفصیل میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ہاں ایک سوال اور' کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ دھوما سیٹھ اصل میں کالے جادو کا ماہر ہے۔ سفلی علم کرتا ہے وہ اور............اور بہت پہلے وہ دھوما سیٹھ کی بجائے دھوما چمار تھا!"

"نہیں مجھے یہ بات نہیں معلوم۔" وہ کسی قدر دہشت بھرے لہجے میں بولی۔

"تو پھر اب سن لو۔ ایسا ہے۔ کمل وتی ایسا ہی ہے۔ میں اس کا بہت پرانا شکار ہوں۔ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ اس کی تفصیل شاید اتنی جلدی میں تمہیں نہ بتا سکوں۔ بہرحال یہ سمجھ لو کہ دھوما نے مجھے بھی یہ مقام دیا ہے ورنہ میں سڑکوں پر ایک بھکاری کی حیثیت سے گھومتا پھر رہا تھا' اور ناجانے کیا کیا واقعات میری زندگی سے وابستہ ہیں۔ اس

نے مجھے یہ کوٹھی دی جس میں سرن اور سیکا نامی دو لڑکیاں رہتی ہیں باقی گووند بھی بعد میں مجھے ملا۔ یہ مقام دینے کے بعد دھوما نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے ملاقات کروں اور باقی سب کچھ جو ہوا وہ دھوما ہی کے اشارے پر ہوا اور تم جانتی ہو کہ اس نے مجھے نیا حکم کیا دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ بہت ضروری ہے اور جو حکم اس نے دیا ہے کمل وتی میں تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں۔"

کمل وتی کا چہرہ آہستہ آہستہ تاریک ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے چہرے پر کسی اور احساس کے سائے لرز رہے ہوں۔ میں اسے آہستہ آہستہ ساری تفصیل بتانے لگا اور میں نے اس سے کہہ دیا کہ دھوما اب اس کی قربانی چاہتا ہے اور اس طرح اس کی رہائش گاہ میں ایک تہہ خانہ ہے اور اس تہہ خانے میں ایک عجیب و غریب مجسمہ نصب ہے۔ جس کے قدموں میں ایک پیالہ رکھا ہوا ہے اور وہاں پر گردن اتارنے والا ایک ہتھیار بھی موجود ہے۔ میں ساری تفصیل اسے بتانے لگا اور کمل وتی کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا۔ اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ پھر اس کے منہ سے نکلا۔

"ہے بھگوان' ہے بھگوان۔"

میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ کمل وتی کا دہشت زدہ چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کم از کم میں نے اسے حقیقت سے آگاہ کر کے اپنے ضمیر کی مانگ کا ایک حصہ پورا کر دیا ہے۔

O----------------O

"کیا واقعی؟"

"ہاں تم نے ایک ایک لفظ وہ بتایا ہے جو میں سپنے میں دیکھتی رہی ہوں لیکن اب میں تمہیں ایک اور بات بتانا چاہتی ہوں' چرن دیو ایک اور بات۔"

"کیا؟"

"کافی دن پہلے کی بات ہے کوئی سال کے قریب ہو گیا مجھے سوامی ویریندر ناتھ ملے تھے۔"

"یہ سوامی ویریندر ناتھ کون ہیں؟"

"نہیں جانتی تھی میں انہیں۔ بس سال بھر پہلے ایک فلم کی شوٹنگ کے لئے میں ایک پہاڑی مقام جام گڑھ گئی تھی۔ جام گڑھ کی پہاڑیوں کے دامن میں ایک ٹوٹا پھوٹا سا

مندر ہے۔ ہم لوگ مندر سے کچھ فاصلے پر آؤٹ ڈور شوٹنگ کر رہے تھے۔ میں شوٹنگ سے فارغ ہو کر ٹہلتے ہوئے اس مندر کی جانب چلی گئی جہاں مجھے سوامی ویریندر ناتھ ملے۔ بڑی آؤ بھگت کی انہوں نے میری۔ بٹھایا پھر میرا چہرہ دیکھتے رہے پھر ان کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔ تب انہوں نے مجھ سے ایک بات کہی تھی۔"

"کیا؟"

"انہوں نے کہا تھا کہ سندری تیری پیشانی کی لکیروں میں ایک ایسا کشٹ چھپا ہوا ہے جس کے بارے میں میں نہیں جانتا۔ تو شاید کبھی کالے جادو کی شکار ہوگی اور جب کالا جادو تمہیں پریشان کرے تو میرے پاس چلی آنا۔ ہو سکتا ہے کہ میں تیری کچھ مدد کر سکوں۔ میں اس سے تو ہنس کر رہ گئی تھی لیکن اب اچانک مجھے سوامی ویریندر ناتھ یاد آگئے ہیں۔"

"تو انہوں نے تمہیں بلایا تھا؟"

"جو انہوں نے کہا تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ اس نے کہا پھر چونک کر بولی۔

"لیکن ایک بات تو بتاؤ چرن دیو!"

"کیا؟"

"جیسا کہ تم نے کہا کہ دھوما سیٹھ تم سے یہ چاہتا ہے تو تم اس کی مرضی کو پورا کرنے کی بجائے میرے پاس کیوں آگئے؟"

"اس لئے کہ میں تمہارے خلاف کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"میں تمہاری شکر گزار ہوں چرن دیو۔ شکر گزار ہوں میں تمہاری۔ اب یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

"میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے کمل وتی۔ میں تو خیر اب واپس نہیں جاؤں گا اس جگہ۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ دھوما میرا دشمن ہو جائے گا۔ زندہ نہیں چھوڑے گا مجھے لیکن مجھے زندگی سے اتنی دلچسپی بھی نہیں ہے۔ میری ایک عجیب کہانی ہے کمل وتی اور تمہیں وہ کہانی سنانا بے کار ہے۔ اب اپنی حفاظت کا تم خود بندوبست کر لو۔"

"سنو' میری ایک بات مانو گے؟" اس نے کہا۔

"کیا؟" میں اسے دیکھتا ہوا بولا۔

"میری مدد کرو گے۔ جب تم نے اس طرح میرا جیون بچایا ہے تو تم کیا سمجھتے ہو

پاپی اگر مجھے مارنا ہی چاہتا ہے تو وہ کوئی اور طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہے۔"

"ہاں ضروری ہے۔"

"میرا جیون بچانے کی کوشش نہیں کرو گے؟" اس نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

"کیوں' ہنس کیوں رہے ہو؟"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ میرا اپنا جیون محفوظ ہے؟"

"نہیں' ایسا بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر ایسا کیوں نہ کریں کہ ہم دونوں اپنا جیون بچانے کی کوشش کریں۔"

"لیکن کس طرح؟"

"سوامی ویریندر ناتھ کے پاس چل کر۔"

"کیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ میں تمہیں وہاں لے جا سکتی ہوں۔"

"لیکن کیسے؟"

"گاڑی سے چلیں گے۔ تمہیں کار چلانی آتی ہے؟"

"ہاں۔"

"مجھے بھی آتی ہے اور میں جام گڑھ کا راستہ اچھی طرح جانتی ہوں۔"

میں سوچ میں ڈوب گیا پھر میں بولا۔

"اگر سوامی ہم دونوں کی مدد نہ کر سکا تو؟"

"چلنے میں کیا حرج ہے۔ جب وہ اتنا بڑا گیانی تھا کہ اس نے اس کشٹ کے بارے میں بتا دیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری مدد بھی کر سکے۔"

"سوچ لو!"

"میں نے سوچ لیا۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے۔"

"تم اگر جانے سے کترا رہے ہو تو دوسری بات ہے ورنہ میں تو ابھی اور اسی سے چلنے کو تیار ہوں۔"

"میں نے تھوڑی دیر تک غور کیا پھر اس کے بعد میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم تیار ہو تو میں بھی تیار ہوں۔"

"بھگوان کی سوگند' میرا جو حال ہے میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ ہم چلیں گے۔ ہمیں چلنا چاہئے۔ خطرے کو نظرانداز کرنا اچھی بات نہیں ہوتی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے تیاریاں کر لو۔"

"میں ابھی تیاریاں کرتی ہوں۔" اس نے کہا۔

پھر تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ نہ جانے کیا کیا کرتی رہی تھی۔ بعد میں وہ میرے پاس آئی۔ میں اس کے کمرے میں ہی بیٹھا حالات پر غور کرتا رہا تھا۔ جب وہ میرے پاس آئی تو اس نے جینز پہنی ہوئی تھی اور پوری طرح ہوشیار نظر آ رہی تھی۔

"یہ کپڑے پہن کر چلوگی سوامی ویریندر ناتھ کے پاس!"

"نہیں کپڑے میں نے رکھ لئے ہیں اور دوسری چیزیں بھی۔ پیسے بھی اچھے خاصے رکھ لئے ہیں پتہ نہیں ہمیں کب تک روپوش رہنا پڑے۔"

"ٹھیک ہے چلو۔" میں نے کہا۔

پھر ہم دونوں باہر نکل آئے وہ گاڑی وغیرہ بھی تیار کر کے نکلی تھی اور اس نے گاڑی کی چابی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں راستہ بتاتی جاؤں گی۔ ڈرائیو تم کرو گے۔ راستے سے ہمیں پٹرول بھی لینا ہے۔"

میں نے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم کوٹھی کے گیٹ سے باہر نکل آئے۔ وہ میرے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ صورت حال سے اسے آگاہ کر کے میں نے بہرطور ایک بہتر کام کیا ہے اور اس بہتر کام نے میرے دل میں کچھ سکون کا احساس بیدار کیا ہے۔ میں کار ڈرائیو کرتا رہا۔ ہم شہر سے باہر نکل آئے۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ میں نے اس سے کہا۔

"تم نے میرا خیال ہے خاصا انتظام کر لیا ہے۔ میں کار کی پچھلی سیٹ پر کچھ چیزیں دیکھ رہا ہوں۔"

"ہاں۔ جلدی میں جو کچھ ہو سکا کر لیا ہے میں نے۔" اس نے جواب دیا۔

"تم خوف زدہ ہو؟" میں نے سوال کیا تو وہ مجھے دیکھ کر بولی۔

"اور تم نہیں ہو کیا؟"

"ہاں میں ہوں۔"

"پتہ نہیں یہ پاپی آخر ہم سے کیا چاہتا ہے؟ ویسے تم یقین کرو چرن دیو کہ تم سے ملنے کے بعد میرے من میں بڑی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے۔ کیا بتاؤں تمہیں اپنے بارے ں۔ ایک ماضی ہے میرا۔ میں کہاں کہاں سے گزر کر کمل وتی تک پہنچی۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جسے شاید میں اپنی زبان سے کبھی بیان نہ کر پاؤں۔"

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی پھر آہستہ سے کہا۔

"ہر شخص کی زندگی میں ایک کہانی ہوتی ہے کمل وتی۔ اور وہ کہانی کبھی کبھی ایسی وتی ہے کہ واقعی وہ اسے اپنی زبان سے بیان نہیں کر پاتا۔"

"ہاں۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

رات کی تاریکیوں میں ہماری کار نامعلوم منزلوں کی جانب سفر کر رہی تھی۔ میں نے یہ راستے کبھی نہیں دیکھے تھے اور کئی بار میں بھٹک جاتا تھا لیکن پھر بھی احتیاط سے کار ڈرائیو کر رہا تھا میں نے اس سے پوچھا۔

"فاصلہ کتنا ہے؟"

"ابھی تو کافی دور چلنا ہے ہمیں۔ آگے تھوڑا سا سفر اور کر لو۔ اور اس کے بعد بں ڈرائیونگ کروں گی۔ اصل میں میں خود ہی کار چلاتی اس وقت ڈرائیور کو بھی ساتھ نہیں لیا جا سکتا تھا۔ لیکن میرے اعصاب میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ اب میں آہستہ آہستہ پُرسکون ہوتی جا رہی ہوں۔"

"نہیں ابھی تم مجھے راستہ بتاتی رہو۔ جب میں تھک جاؤں تو ڈرائیونگ تم سنبھال لینا۔" میں نے کہا۔ پھر کئی گھنٹے کا سفر طے ہو گیا اور اس کے بعد ہمارے اطراف یں پہاڑی ٹیلے نظر آنے لگے۔ وہ کہنے لگی۔

"جام گڑھ اب زیادہ فاصلے پر نہیں رہ گیا ہے۔ لیکن ہم بستی میں داخل ہونے کی بجائے بستی سے گھوم کر اس طرف چلیں گے جہاں بابا ویریندر ناتھ کی کٹیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

تھوڑا سا فاصلہ مزید طے کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"بس اب گاڑی روک دو۔ اصل میں آگے سے راستہ باقاعدہ نہیں ہے ہمیں پہاڑی سڑکوں سے گزرنا ہوگا۔ یعنی ایسی پگڈنڈیوں سے جنہیں بس راستے میں آنے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔"

"ڈرائیونگ خطرناک نہیں ہوگی؟"

"اسی لئے میں تمہیں ڈرائیونگ سیٹ سے ہٹا رہی ہوں۔ میرا مطلب نہیں سمجھے تم۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ میں وہ راستہ دیکھ چکی ہوں اور تم اسے نہیں جانتے۔ اس لئے تھوڑی سی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔

"نہیں کوئی بات نہیں۔" میں نے کہا اور گاڑی روک دی۔ پھر اس نے اسٹیرنگ سنبھال لیا اور کار آگے بڑھا دی۔ تقریباً تین کلو میٹر فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے کار کی رفتار سست کی اور پھر اسے ایک کچی پگڈنڈی پر اتار دیا۔ تھوڑا سا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ پگڈنڈی واقعی خطرناک ہے لیکن بہرحال وہ سنبھل کر ڈرائیونگ کر رہی تھی اور مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک اچھی ڈرائیور ہے۔ صبح کا اجالا آہستہ آہستہ پھوٹنے لگا تھا۔ زندگی میں ایسی راتیں بھی آتی ہیں جو انتہائی بے سکون ہوں۔ گزری ہوئی رات ایسی ہی بے سکونیوں سے بھرپور تھی اس رات میں جو جو ہنگامے ہوئے تھے۔ ان پر غور کرتا تو اپنے آپ پر بھی یقین نہ آتا۔ بہرحال ہوتا ہے ایسا بھی ہوا ہے۔ کئی جگہ کمل وتی نے کار روکی۔ راستہ دیکھا اور اس کے بعد آگے بڑھنے لگی۔ پھر وہ ایک ایسے راستے سے گزرنے لگی جس کے دونوں طرف گہری کھائیاں نظر آ رہی تھیں۔ یہاں وہ بہت سست رفتاری سے کار چلا رہی تھی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا اچانک ہی اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کمل وتی کیا ہے' کیا بات ہے؟"

"اوہ.......... وہ.......... وہ دیکھو" اس نے کار کو بریک لگاتے ہوئے کہا۔ اور میں گردن اٹھا کر ونڈ شیلڈ سے باہر دیکھنے لگا لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آیا تھا جبکہ اب دن کی روشنی بھی پھیل گئی تھی۔

"کیا ہے کمل وتی؟"

"آگے سڑک ٹوٹی ہوئی ہے۔ گڑھا ہے۔

کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"تمہیں وہ گڑھا نظر نہیں آ رہا؟"

"نہیں۔ سڑک بالکل سیدھی اور ہموار ہے۔ ٹھہرو میں نیچے اتر کر دیکھتا ہوں۔" میں نے کہا اور میں کار سے نیچے اتر آیا پھر خاصی دور تک میں پیدل چلتا رہا اور دور دور

تک دیکھ آیا جہاں تک کمل وتی دیکھ سکتی تھی۔ سڑک یا وہ پگڈنڈی کہیں سے بھی ٹوٹی ہوئی نہیں تھی۔ میں واپس اس کے پاس پہنچا۔ میں نے کہا۔

"نہیں کمل وتی۔ یہ پگڈنڈی تو بالکل سیدھی اور ہموار ہے۔"

"پھر.......... پھر.......... پھر..........؟"

"میرا خیال ہے تم ہٹ جاؤ۔ میں گاڑی چلاتا ہوں۔"

"سڑک ٹوٹی ہوئی نہیں ہے۔ مجھے یہ دھوکہ پھر کیوں ہوا؟"

"ہو سکتا ہے رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے تمہارے ذہن پر برے اثرات پڑے ہوں۔"

"پتہ نہیں آؤ بیٹھو۔ میں چلاتی ہوں۔"

"تم ہٹ جاؤ۔ میں چلاتا ہوں گاڑی۔"

"نہیں ضد مت کرو۔ تمہیں ان راستوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہے۔" اس نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ اور کار آگے بڑھا دی۔ پھر اچانک ہی اس نے کار کی رفتار تیز کر دی۔ میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر ہیجان کے اثرات پیدا ہو رہے تھے۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کمل وتی کار کی رفتار سست کرو۔ کمل وتی' کمل وتی۔" لیکن میرے منہ سے دو تین بار ہی الفاظ نکلے تھے کہ کمل وتی کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور اس کے بعد میں نے کار کا رخ نشیب کی جانب ہوتے دیکھا۔ راستے میں کار بہت زور زور سے اچھلی۔ سیٹیں اچھل اچھل کر میرے اوپر گریں۔ اور پھر اس کے بعد کئی دھماکے ہوئے اور ان دھماکوں کے بعد کچھ ہوش نہ رہا تھا۔

O----------O

بے ہوشی کی یہ کیفیت نہ جانے کتنے وقت تک طاری رہی۔ اور پھر ہوش تو آنا ہی تھا کیونکہ زندگی قائم تھی۔ ہوش آیا تو میں نے خود کو نیم مردہ حالت میں پتھریلی زمین پر پڑے ہوئے پایا میرے پورے بدن کی ہڈیاں اس طرح تکلیف دے رہی تھیں جیسے سارا بدن سڑ گیا ہو اور زخموں میں پیپ بھری ہو۔ دماغ بری طرح دکھ رہا تھا۔ قرب و جوار میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کچھ لمحے تک تو مجھے یہ احساس رہا کہ کہیں میری بینائی تو نہیں جاتی رہی لیکن پھر مدہم مدہم سی روشنیاں دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ بینائی نہیں گئی ہے بلکہ رات

کا منظر ہے۔ میں گزرے ہوئے واقعات یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ آہستہ آہستہ ہر واقعہ میرے ذہن میں اجاگر ہو گیا اور مجھے یاد آگیا کہ کمل وتی کے ساتھ کار میں سفر کر رہا تھا اور کار حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔ پھر اس کے بعد شاید میں پورا دن ہی بے ہوش رہا ہوں۔ یہ کوئی پتھریلی چٹان ہے جس پر میں لیٹا ہوا تھا لیکن چٹان کسی کھلے علاقے میں نہیں تھی بلکہ اوپر چھت بھی نظر آرہی تھی۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہے؟ بھوک اور پیاس کی شدت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ پیاس سے میرے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ کانوں سے آگ نکل رہی تھی اور آنکھیں بھی جل رہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے بخار میں میرا بدن پھنک رہا ہے۔ میرے دماغ میں متضاد خیالات آرہے تھے۔ کیا میں مر چکا ہوں۔ موت کے احساس سے عجیب سی گھٹن محسوس ہوئی اور میں نے خوف زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا پھر میرے حلق سے ایک دہشت ناک آواز ابھری۔

"کوئی ہے۔ یہاں پر کوئی ہے۔" میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنا چاہا لیکن توازن برقرار نہ رہ سکا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نشیب کی طرف جا رہا ہوں۔ ایک پتھر سے ٹکرایا۔ اور ایک بار پھر ذہن پر غنودگی طاری ہو گئی۔ دوسری بار کتنی دیر بے ہوش رہا تھا اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ ہوش آیا تو میں نے روشنی دیکھی اور اس روشنی میں ایک شخص میرے سامنے موجود تھا۔ دبلے پتلے بدن کا مالک' لمبے لمبے بال' جسم پر ایک ایسا لبادہ پہنے ہوئے تھا جیسے سادھو وغیرہ پہنتے ہوں۔ مجھے اس کے خدوخال صاف نظر آرہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں محبت کے آثار تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ مجھے رحم اور محبت کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہو۔ میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری تو اس نے آہستہ سے کہا۔

"پیاس لگ رہی ہے؟"

"ہاں' ہاں' ہاں۔" نہ جانے کیسے میرے منہ سے ایک نحیف سے آواز ابھری۔

"ٹھہرو۔ میں تمہارے لئے دودھ لاتا ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور میں اسے دیکھتا رہا۔ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ کون سی جگہ ہے یہ اور کہاں آگیا ہوں میں۔ ہوش و حواس میں تو کچھ نہیں تھا۔ بس ایک احساس ایک انوکھا احساس۔ دل میں ایک ہوک سی اٹھ رہی تھی پھر اس ہوک نے الفاظ کا روپ دھار لیا شاید کمل وتی یاد آئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد سادھو واپس آیا اور اس نے دودھ کا وہ گلاس میری گردن کو سہارا دے کر

میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ میں نے جلدی جلدی دودھ پی لیا تھا۔ یہ دودھ پی کے بدن میں ہلکی سی توانائی کا احساس ہوا۔ میں نے ایک گہری سانس لی پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سادھو نے کہا۔

"کیسے ہو اب؟"

"ٹھیک ہوں' لیکن آپ کون ہیں؟"

"دماغ پر زور مت دو۔ یہ دشمنوں کا گھر نہیں ہے۔ اگر ہو سکے تو سو جاؤ۔ نیند سے جاگو گے تو حالت کافی بہتر ہو گی۔ میں نے دودھ میں ایک ایسی بوٹی ملا دی ہے جو تمہارے جسم کی کھوئی ہوئی قوتوں کو بحال کرے گی۔ بدن سے خون بہت بہہ گیا ہے۔ پورا جسم زخموں سے چور ہے۔"

"ایک بات پوچھ سکتا ہوں بابا جی!"

"ہاں پوچھو۔"

"میرے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔"

"کمل وتی کی بات کر رہے ہو؟" بوڑھے نے مغموم لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔"

"اب وہ اس سنسار میں نہیں ہے۔ وہ سنسار چھوڑ کر جا چکی ہے۔"

"کیا؟" جیسے میرا پورا بدن جھنجلا گیا۔

"ہاں کار کے حادثے میں وہ جیون کھو بیٹھی۔" بوڑھے نے جواب دیا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ کمل وتی کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ تقدیر نے مجھے تو زندگی دے دی تھی لیکن وہ جو میرے ساتھ زندگی بچانے نکلی تھی اپنی زندگی محفوظ نہ رکھ سکی تھی۔ نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں نمی ابھری آئی اور تھوڑی دیر کے بعد آنسو آنکھوں سے بہہ کر رخساروں تک چلے گئے۔ بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔

"میرا نام دیریندر ناتھ ہے۔ وہ میرے ہی پاس آرہی تھی۔"

"سوامی ویریندر ناتھ!"

"ہاں۔"

"آہ۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں سوامی جی۔ ہم آپ ہی کے پاس آرہے تھے۔"

"مگر بھگوان کو یہ منظور نہیں تھا۔ دشمن پیچھے لگا ہوا تھا اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ پاپی

تم سے بے خبر تھا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ وہ جن قوتوں کا مالک ہے وہ معمولی قوتیں نہیں ہیں۔ گندے اور کالے علم کی قوتیں۔ بہت پہلے میں نے کمل وتی کو بتا دیا تھا کہ دشمن اس کی تاک میں ہے۔ وہ تجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن وہ کامیاب ہو گیا' آہ وہ کامیاب ہو گیا۔ بہرحال بھگوان کی مرضی' ہم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے۔ اس کے بھاگ میں موت ہی تھی۔"

"اور یہ موت مجھ سے کیوں بھاگ رہی ہے سوامی جی؟"

"بس بھگوان کی مرضی۔ وہ جس طرح چاہے اسے طرح ہوتا ہے۔ منش کی ہمت کہاں کہ بھگوان کے کام میں دخل دے۔"

"تو میں کیا کروں۔ مجھے بتاؤ۔ اب میں کیا کروں!؟"

"جتنا جیون آکاش سے تمہیں دیا گیا ہے وہ تو تمہیں گزارنا ہی ہو گا۔"

"سوامی جی میں تھک گیا ہوں۔ بہت جدوجہد کی ہے میں نے۔ تھک گیا ہوں میں۔"

"نہیں تمہیں تھکنا نہیں چاہئے۔"

"تو پھر کیا کروں۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"برائی کی قوتوں سے جنگ کرو۔" سوامی ویریندرناتھ نے کہا۔

"میں کمزور ہوں۔"

"تو خود کو بھگوان بناؤ۔"

"کیسے؟"

"سمے کا انتظار کرو سمجھے۔ سمے کا انتظار۔"

"اور اس تھکن کا کیا کروں جو میرے دل و دماغ پر حاوی ہے۔"

"اپنے آپ کو اس تھکن کے تسلط سے آزاد کراؤ۔ ابھی ایسا کرو اپنے زخم ٹھیک ہونے تک آرام سے رہو۔ بھگوان نے چاہا تو تمہارا دشمن تمہیں یہاں نہیں جھانک سکے گا۔ میں بھگوان کے نام پر تمہاری سہائتا کروں گا۔"

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ وہ وہاں سے باہر نکل گیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ پہاڑیوں کے دامن کی وہی کٹیا ہے جس کا تذکرہ کمل وتی نے مجھ سے کیا تھا۔ بہرحال جو ٹوٹ پھوٹ میرے وجود میں ہوئی تھی اب وہ مجھے بری طرح بے چین

کر رہی تھی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سوامی ویریندرناتھ میرے لئے فرشتہ ثابت ہوا تھا۔ وہ مجھے جڑی بوٹیاں پلاتا تھا۔ میرے زخموں پر نہ جانے کیسے کیسے مرہم بنا کر لگاتا تھا۔ دودھ بھی پلاتا رہتا تھا مجھے۔ اور اس دوران میرا گزارہ دودھ اور پھلوں ہی پر ہوتا رہا تھا۔ چنانچہ میں تیزی سے صحت یاب ہونے لگا اور چند ہی روز کے بعد اس قابل ہو گیا کہ اٹھ کر چل پھر سکوں۔ اس جگہ پڑے پڑے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ساری زندگی گزر گئی ہو۔ بڑا عجیب سا لگتا تھا پھر ایک دن میں کٹیا سے باہر نکل آیا اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ تھوڑا سا چل پھر کر قرب و جوار کا ماحول دیکھوں۔ چاروں طرف اونچے نیچے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر دور تک نظر دوڑائی کافی فاصلے پر ایک آبادی نظر آئی۔ چھوٹے چھوٹے مکانات بنے ہوئے تھے اور ان کا انداز خاص طرح کا تھا۔ میں وہیں کھڑا رہا اور ان مکانات کو دیکھتا رہا۔ سوامی جی نہ جانے کدھر نکل گئے تھے۔ میں نے اپنے آپ کو کچھ اور آزمایا اور آگے بڑھ کر اس بستی کی جانب چل پڑا۔ بس انسانوں کو دیکھنے کو جی چاہ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک طویل عرصے سے میں نے انسانوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہو۔ کافی فاصلے پر نکل آیا تھا اور بستی اب زیادہ دور نظر نہیں آ رہی تھی۔ دفعتاً ہی میرے کانوں میں اذان کی آواز ابھری اور میرے قدم ٹھٹھک گئے۔ میری روح میں سکون اتر رہا تھا۔ آہ اس آواز سے میں کتنا دور ہو گیا تھا۔ یہ آواز مجھ سے کتنی دور چلی گئی تھی۔ آج نہ جانے کتنے عرصے کے بعد میرے کانوں میں یہ آواز پڑی تھی۔ دل بے اختیار کھنچتا چلا گیا اور میں وہ فاصلے طے کر کے بستی میں داخل ہو گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک مسجد نظر آ رہی تھی۔ میرے قدم خود بخود مسجد کی جانب اٹھ گئے لیکن ابھی میں مسجد کی سیڑھیوں ہی پر پہنچا تھا کہ یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے زور سے مجھے دھکا دیا ہو۔ میں بری طرح لڑھک کر کافی دور جا گرا تھا۔ مولوی وصال الدین کے الفاظ مجھے یاد آ گئے اور میرا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ میں اللہ کے پاک گھر میں داخل ہونے کے قابل نہیں تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک درخت نظر آ رہا تھا۔ میں اس درخت کے نیچے جا بیٹھا اور میرے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس دوران نہ جانے کیا کیا کچھ حاصل کر لیا تھا زندگی کے عیش و عشرت وہ سب کچھ جو انسانی دل میں خواہش کی شکل میں پیدا ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی طلب نہیں ہوئی تھی تو وہ اپنے دین کی' اپنے مذہب کی ان تمام چیزوں کی جن کا تعلق دین دھرم سے ہوتا ہے۔ آج یہ سب کچھ میرے ذہن میں ابھرتا آ رہا تھا۔

میں بیٹھا آنسو بہانے لگا کہ اپنی گندگی اپنی غلاظت کو کس طرح اپنے وجود سے دور کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ پھر اچانک ہی مجھے ایک چھن چھن کی سی آواز سنائی دی‘ میں نے دیکھا تو وہ ایک درویش ٹائپ کا شخص تھا‘ ہاتھ میں لوہے کا چمٹا تھا‘ جسے وہ بجاتا ہوا اسی طرف آرہا تھا‘ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ اچانک رک گیا اور گھورتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا‘ اس کی سفید داڑھی اور لباس بکھرے ہوئے تھے۔ بدن پر پورا لباس بھی تھا‘ تب اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”یہ گندگی چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ یہ گندگی ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں.......... پتہ نہیں.......... پاک لوگوں کو بھی تم لوگ ناپاک کر دیتے ہو‘ کمینے کہیں کے۔“ وہ واپسی کے لئے مڑا اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا‘ لیکن نہ جانے کیوں میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے‘ میں اس کے الفاظ پر غور کر رہا تھا‘ پھر میرے اندر ایک عجیب سی خواہش بیدار ہوئی‘ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس بوڑھے شخص کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ بس یونہی ذہن میں سنک سوار ہو گئی تھی‘ ویسے بھی دنیا سے بیزار تھا‘ زندگی کے لئے کوئی راستہ نہیں تھا‘ اب جو کچھ بھی ہو‘ بوڑھا تھوڑی دور تک چلتا رہا اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا‘ لیکن ایک بار گردن گھما کر اس نے مجھے دیکھا اور پھر عجیب سے انداز میں مجھے گھور کر تیزی سے آگے بڑھا‘ میں نے بھی اسی تیزی سے اس کا پیچھا کیا تو وہ دوڑنے لگا میں نے بھی دوڑنے کا انداز اختیار کر لیا تھا‘ اچانک وہ رک گیا اور اس نے زمین سے ایک پتھر اٹھا لیا۔

”او کتے کیوں میرے پیچھے لگا ہوا ہے‘ بھاگ ادھر سے.......... بھاگ۔“ اس نے پتھر مجھ پر کھینچ مارا‘ میں پتھر سے بچنے کے لئے بیٹھ گیا۔ اور پتھر ایک زناٹے کے ساتھ میرے سر پر سے گزر گیا‘ بوڑھے نے پھر بھاگنا شروع کر دیا تھا میں نے بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور اس کے پیچھے دوڑتا رہا‘ بوڑھا رک رک کر مجھے پتھر مارتا جا رہا تھا اور کافی دور تک میں نے اسی طرح اس کا پیچھا کیا‘ میں ان پتھروں سے بچتا ہوا دوڑ رہا تھا‘ اچانک ہی بوڑھا رک گیا اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک اور پتھر اٹھا لیا۔

”دیکھ دفع ہو جا‘ لفنگے‘ کتے‘ کمینے کیوں میرا پیچھا کر رہا ہے تیرا ستیاناس۔“

”تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

”ارے جاتا ہے کہ نہیں‘ ہش ہش۔“ اس نے پھر ایک پتھر مجھ پر کھینچ مارا۔

”اور اس کے بعد جو تم پتھر مارو گے وہ میں اپنے جسم پر سہہ لوں گا اور اس وقت تک تمہارا پیچھا کرتا رہوں گا‘ جب تک کہ تم میری بات نہیں سنو گے۔“

”کمال ہے.......... کمال ہے‘ جان کے پیچھے پڑا ہوا ہے خدا تیرا بیڑا غرق کرے‘ میں کہتا ہوں‘ دفع ہو جا‘ تجھے احساس نہیں ہے اپنا‘ ایسی بدبو آرہی ہے کہ برداشت نہیں ہوتی‘ دم گھٹا جا رہا ہے اور تو میرے پیچھے لگ گیا ہے‘ ارے بھئی چلا جا تیرے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں ہم‘ کیوں ہماری جان کھا رہا ہے؟“

”میں تم سے کہہ چکا ہوں۔“

”کیا کہہ چکا ہے‘ باپ کے نوکر ہیں تیرے‘ کتے کے پلے‘ پیچھے لگا ہوا ہے‘ جا دفع ہو جا‘ نہیں کریں گے تجھ سے کوئی بات۔“ وہ بولا اور میں ایک قدم اور آگے بڑھا اس نے پھر پتھر اٹھا لیا تھا میں نے طے کر لیا تھا کہ اب اس کا پتھر میں اپنے بدن پر سہہ لوں گا اور یہی ہوا.......... پتھر میرے شانے پر لگا‘ میرا تو سارا وجود زخمی تھا ایک اور زخم اگر بڑھ جائے تو میرا کیا لے لے گا‘ پتھر نوک دار تھا اس قدر تکلیف ہوئی کہ حلق سے کراہیں نکل گئیں‘ خون بہنے لگا‘ قمیض داغ دار ہو گئی‘ بوڑھے نے پھر ایک پتھر اٹھا لیا تھا‘ میں ایک قدم اور آگے بڑھا تو اس نے وہ پتھر بھی میرے سینے میں دے مارا‘ میں اور آگے بڑھا تو وہ پھر وہاں سے دوڑ لیا اور اس کے بعد دوڑتا ہی رہا۔

”تمہارا پیچھا کرتا رہوں گا اس وقت تک جب تک تم رک کر میرا حال نہیں پوچھو گے۔“

”دیکھ.......... دیکھ ایک بات بتا دوں تجھے قریب مت آنا میرے.......... قریب مت آنا‘ میں.......... میں.......... میں تیرے قابل نہیں ہوں‘ سن لیا تو نے‘ میں تیرے قابل نہیں ہوں۔“

”کچھ بھی ہو‘ میں تم سے باتیں کئے بغیر نہیں رہوں گا۔“ بوڑھا رک گیا‘ پھر اس نے کہا۔

”وہیں رکا رہ.......... وہیں رکا رہ‘ ٹھہر میں تجھے ایک بات بتاتا ہوں۔“

”بتاؤ۔“ بوڑھے نے ایک پتھر اٹھایا‘ میں یہی سمجھا تھا کہ وہ قریب سے اب یہ پتھر میرے سر کا نشانہ لے کر مارے گا‘ مارتا ہے تو مارے‘ مرجاؤں گا نہ زیادہ سے زیادہ۔ مرنا ہی چاہتا ہوں‘ میں نے دل میں سوچا‘ لیکن بوڑھے نے زمین پر پتھر کی نوک سے ایک لکیر

کھینچی اور کہنے لگا۔

"دیکھ اب میرے اور تیرے درمیان شرافت کی یہ لکیر قائم ہے' اسے عبور کرے گا تو سمجھ لے کہ ہر بات کا ذمہ دار تو خود ہوگا۔"

"میں اسے عبور نہیں کروں گا لیکن اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں اسے بھی پھلانگ کر تمہارے پاس آجاؤں گا۔"

"پاگل کا بچہ ہے.......... پاگل کا بچہ' کتے کا پلا' بک کیا بک رہا ہے؟" اس نے کہا اور زمین پر پالتی مار کر بیٹھ گیا' گویا اب وہ مجھے یہ احساس دلانا چاہ رہا تھا کہ اب وہ نہیں بھاگ رہا ہے' میں رک کر اسے دیکھنے لگا' پھر میں نے کہا۔

"میری زندگی میرے لئے ایک زخم بن گئی ہے.......... زخم بن گئی ہے میری زندگی.......... میں خودکشی نہیں کرنا چاہتا' کیونکہ خودکشی حرام ہوتی ہے' ویسے ساری زندگی حرام کاریوں میں گزاری ہے لیکن اب اور حرام نہیں کرنا چاہتا' خودکشی نہیں کرنا چاہتا میں' مجھے زندگی کا راستہ دکھاؤ۔"

"خودکشی نہیں کرنا چاہتا اور خودکشی تیرے باپ نے کی تھی کیا' کیا وہ خودکشی نہیں تھی' جب عقل کو پرے رکھ کر تو نے گندگی کی جانب قدم بڑھائے تھے ارے کہنے والے تو کیا کیا کہتے ہیں' اللہ نے عقل بھی تو دی ہے۔"

"مجھ سے بے عقلی ہوئی۔"

"ہوئی تو میں کیا کروں' ہیں! جو کیا اس کی سزا بھگتو' چل جا اب تو سن لی میں نے تیری بات۔"

"دیکھو بابا جی مان لو میری بات' میں کسی پہاڑی' چٹان پر چڑھ کر نیچے کود جاؤں گا اور اس کے بعد میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔"

"ہیں' او پاگل او پاگل اب میری گردن پر کیوں ہوگا' میں نے کہا تھا بیٹا کہ جا دنیا کے رنگ دیکھ عیش کر' آسیب قبضے میں کر۔ لے اس کے بعد حکومت کر لوگوں کو بے وقوف بنا' آسیب سے کام لے' ہاتھ پاؤں مت ہلا' وہ کون ہیں جو سر پر منوں بوجھ اٹھا کر زندگی کی گاڑی گھسیٹتے ہیں؟ وہ کون ہیں جو زمین کے سینے میں ہل چلا کر اناج اگاتے ہیں؟ وہ کون ہیں جو زمین کھود کر دریاؤں کا رخ موڑ دیتے ہیں؟ وہ کون ہیں؟ جو بند بناتے ہیں' وہ کون ہیں؟ جو سرحدوں کی زمینوں پر گولی کھاتے ہیں' دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہیں' پاگل ہیں نا وہ

سب' ایک تو عقل مند تھا' دولت حاصل کرنے کے لئے تو نے آسیب قبضے میں کرنے کے بارے میں سوچا تھا' لے! لے دولت' لے.......... لے.......... لے.......... لے تو نے عیش تو کر لئے گندی کمائی کھا کر اپنی ساری رگوں کو داغ دار تو کر لیا' اب کیا دوڑ رہا ہے تیری رگوں میں دیکھ.......... ذرا غور سے دیکھ.......... دیکھ ذرا غور سے اپنے سینے پر دیکھ۔" اس نے کہا اور میں نے اپنے سینے پر نظر ڈالی' میں نے جو کچھ دیکھا وہ ناقابل یقین تھا' میرا سینہ خون سے داغ دار ہوا تھا' پتھر لگنے سے خون نکلا تھا' لیکن کیا یہ خون تھا' یہ پیلے رنگ کا خون' یہ خون نہیں گندگی تھی جس سے ہلکا ہلکا اتنا خون اٹھ رہا تھا میں حیرت سے اس گندگی کو دیکھنے لگا' یہ میرے خون کا رنگ کیسا ہو گیا۔ ہے پھر میں نے نگاہیں اٹھا کر سامنے دیکھا اور دوسرے لمحے میں بری طرح اچھل پڑا' فقیر اب اپنی جگہ موجود نہیں تھا' وہ غائب ہو گیا تھا' نگاہوں کی حد تک کہیں بھی اس کا پتہ نہیں چل رہا تھا وہ چلا گیا تھا' آہ وہ مجھے بتا گیا تھا کہ میرا وجود اب کیا ہے اب کیا کروں' کیا کرنا چاہئے' چلا گیا تھا' کسی پہنچے ہوئے بزرگ کا اس طرح نگاہوں سے غائب ہو جانا کوئی ایسی اجنبی بات نہیں تھی' جس پر یقین نہ کیا جا سکے' ہاں اس نے جو کچھ دکھایا تھا وہ واقعی میرے ہوش و حواس درست کرنے کے لئے کافی تھا' فقیر کے غائب ہو جانے کے بعد میں تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے زمین پر بیٹھ گیا اور اپنے اوپر غور کرنے لگا' اس غلاظت کو اپنے بدن سے بہتے دیکھ کر مجھے یہ احساس ہو گیا تھا کہ میں نے کہاں تک اپنی منزل پالی ہے' برائیوں کی آغوش میں ڈوب کر کہاں تک نکل گیا ہوں اس کے بعد.......... اس کے بعد اگر میں اپنے آپ کو بہتر سمجھوں یا اس کوشش میں رہوں کہ میرے حالات بالکل درست ہو جائیں گے تو اسے اپنی حماقت کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا تھا' اب کچھ نہیں ہو سکتا.......... کچھ بھی نہیں ہو سکتا' رگوں میں بہنے والا یہ غلاظت کا سمندر کیسے صاف ہو سکتا ہے بہرحال اس کے بعد میں گھومتا پھرتا رہا' نہ جانے کہاں کہاں گلیاں کوچے بدلتا رہا' حلیہ بری طرح خراب ہو گیا تھا' داڑھی بڑھ گئی تھی' لباس شکستہ ہو گیا تھا نہ جانے کتنے عرصے سے غسل نہیں کیا تھا' بال خاک دھول میں اٹے ہوئے تھے' کھانے پینے کا بھی کوئی ہوش نہیں تھا اگر کوئی ہاتھ بڑھا کر بھی کچھ دیتا تو اسے معدے میں اتار لیتا' بس نجانے کیا زندگی ہو رہی تھی' عقل و ہوش سے بے گانہ بھی نہیں تھا' اپنی حالت کا احساس تھا لوگ مجھے دیکھ کر گھن کھاتے تھے میرے پورے بدن پر کالے کالے دھبے پڑتے جا رہے تھے' پتہ نہیں یہ سب کچھ کیا تھا

لیکن بہرحال اب میں کسی ایک جگہ رک نہیں سکتا تھا' میرے دل میں بس ایک تصور تھا میری رگوں کی یہ غلاظت دور ہو جائے جس طرح بھی ہو سکے............ میری رگوں کی یہ غلاظت دور ہو جائے اور اس وقت میں ایک بستی سے گزر رہا تھا کہ بستی والوں نے مجھے دیکھا اور نہ جانے آپس میں کیا چہ میگوئیاں کرنے لگے' بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

وہ میری طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہے تھے۔ پھر میں نے انہیں خود سے دور ہٹتے ہوئے دیکھا۔ ان کے انداز میں نفرت تھی۔ ویسے تو مجھ سے نفرت کی جاتی تھی لیکن یہ تو عام لوگ تھے۔

میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں ان سے اس کی وجہ پوچھوں۔ میں آگے بڑھا تو وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گئے۔

"سنو............ میری بات سنو............ میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ پوچھنا چاہتا ہوں تم سے۔ میں تم جیسا انسان ہوں۔ میں تم سے الگ نہیں ہوں۔ مجھ سے کیوں خوف کھا رہے ہو؟"

"اپنی جگہ رک جاؤ۔ آگے نہ بڑھو............" ایک شخص چیخ کر بولا۔

"کیوں۔ آخر کیوں............؟"

"اس لئے کہ تم کوڑھی ہو۔ اس بستی پر رحم کرو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ ہماری بستی میں کوڑھ پھیل جائے گا۔"

"کوڑھ؟" میں نے حیران نگاہوں سے اپنے بدن کے سیاہ دھبوں کو دیکھا۔ یہ کوڑھ تو نہیں ہے' کیا کہہ رہے ہیں یہ لوگ۔ میں نے چیخ کر کہا "میں کوڑھی نہیں ہوں جھوٹ بول رہے ہیں آپ لوگ۔"

ایک شخص نے رخ بدل کر کہا "حکیم صاحب' اسے بتائیں' یہ کوڑھ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔"

بوڑھا آدمی چند قدم آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

"تمہارے جسم پر کوڑھ نمودار ہو رہا ہے۔ بہت جلد تمہارے پورے جسم پر کوڑھ پھیل جائے گا میں حکیم ہوں۔ میرا تجربہ غلط نہیں ہے۔ اپنے بدن کے ان سیاہ دھبوں کو دیکھو یہ کوڑھ کے نشانات ہیں۔ تم مکمل طور پر کوڑھی ہو۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ ورنہ تمہارے ساتھ سختی کی جائے گی ہم یہ نہیں چاہتے۔"

"تم پاگل ہو بالکل پاگل۔ یہ سیاہ دھبے کوڑھ کے نہیں ہیں۔ یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"چلو اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ ہم اسے تشدد کے ساتھ اپنی بستی سے ھگائیں۔"

ان لوگوں نے چھوٹے چھوٹے پتھر اٹھا لئے پھر انہوں نے مجھے پتھر مارنا شروع کر یئے' پاگلوں کی بستی تھی۔ یہاں رکنا واقعی میرے لئے خطرناک تھا۔ میں وہاں سے آگے ھ گیا لیکن بستی کو چھوڑنے کے بعد ایک کھیت کے کنارے بیٹھ کر میں نے اپنے بدن کے ن دھبوں کو دیکھا۔ عجیب سے دھبے تھے جو میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ لیکن کہیں ہیں ان دھبوں سے ہلکا ہلکا خون رسنے لگا تھا اور یہ خون اپنے اندر پیلاہٹ لئے ہوئے ا۔ میرے حواس جواب دینے لگے' آہ! کیا واقعی میرے بدن پر کوڑھ نمودار ہو رہا ہے مال ہے واقعی کمال ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ دل بے بسی سے رو دیا اور دل کے آنسو نکھوں کے راستے بہہ نکلے۔ میں بلک بلک کر رویا اتنا رویا کہ اپنے آپ پر رحم آنے لگا۔ ں ایک ہی بات کی گردان کر رہا تھا۔

"میرا کیا قصور ہے؟ جواب دو میرا کیا قصور ہے؟ میں نے کیا کیا ہے؟ میں تو ایک صوم سا بچہ تھا اپنی بستی میں رہتا تھا باپ چھن گیا میرا غلطی ماں نے کی سزا مجھے ملی' میرا یا قصور ہے۔ اور اس کے بعد میں صرف معصومیت کا شکار ہوا۔ آہ! مجھے نہیں معلوم تھا ہ جو کچھ چچی جان کہہ رہی ہے اس کا نتیجہ یہاں تک مجھے بھگتنا پڑے گا۔ میں تو بس ایک صوم بچے کی مانند ہر شخص کے احکامات پر چلتا رہا ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے' یہ نہیں ہو تا۔

پھر میں وہاں سے اٹھا اور آگے بڑھ گیا پھر دیوانگی مجھے سرگرداں کئے رہی۔ کہیں بھی وئی مزار نظر آتا۔ عقیدت مند منتیں مرادیں مانگتے نظر آتے میں بھی ان میں شامل ہونے ی کوشش کرتا لیکن واحد میں تھا جسے دھتکار کر دور بھگا دیا جاتا یہاں تک کہ مزاروں پر ے ہوئے ملنگ اور فقیر بھی مجھے دھکے دے کر بھگایا دیا کرتے تھے۔

"جا بابا جا' کہیں اور جا' تو تو سچ مچ کا کوڑھی ہے۔ جھوٹ موٹ کا ہوتا تو ہمارے میان رہ سکتا تھا۔ جا ہمارے درمیان کوڑھ نہ پھیلا۔"

ہر جگہ میرے ساتھ یہی سلوک ہوتا تھا اور اب میرے ذہن پر واقعی دیوانگی سی

طاری ہو گئی تھی۔ بستی والے غلط نہیں کہتے تھے۔ میرے بدن پر مکمل طور پر کوڑھ نمودار ہوتا جا رہا تھا۔ اس سے خون اور پیپ رسنے لگی تھی۔ مکروہ ہو چکا تھا میں۔ پورے بدن پر داغ پڑ گئے تھے۔ نہ جانے کیوں چہرہ ان داغوں سے محروم رہا تھا۔ ہاں! میرا چہرہ تقریباً ٹھیک ہی تھا۔ ابھی تک کوڑھ کے جراثیم چہرے کو داغدار نہیں کر پائے تھے لیکن ایسا بھی ہو جائے گا بھلا اس میں کتنا وقت لگے گا۔ نہ جانے کتنا عرصہ گزر گیا۔ بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ بال بکھر گئے تھے داڑھی بڑھ گئی تھی۔ آنکھوں میں وحشت رقصاں تھی۔ کچھ مل جاتا تو کھا لیتا ورنہ فاقہ کشی کرتا پھر وہ بھی ایک آبادی ہی تھی ایک ریلوے سٹیشن تھا غالباً اطراف میں کوئلے کی کانیں تھیں اور ان ریلوے کی ویگنوں سے کوئلہ بار کیا جاتا تھا۔ سٹیشن پر کوئلے کے پہاڑ بنے ہوئے تھے اور مزدور وہاں پر کام کیا کرتے تھے۔ میں جانتا تھا کہ یہ لوگ بھی مجھے وہاں سے بھگا دیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ایک ایسی جگہ میں نے منتخب کی جہاں سے انسانوں کا گزر کم ہی ہوتا تھا۔ یہ ایک باقاعدہ ریلوے سٹیشن تھا۔ بے شک یہاں کوئلے کا کاروبار ہوتا تھا لیکن پھر بھی گاڑیاں وغیرہ آکر رکتی تھیں۔ مسافر اترتے تھے۔ چڑھتے تھے۔ علاقہ بہت خوبصورت تھا۔ پہاڑی علاقہ تھا۔ قرب و جوار میں سرسبز گھاس اور درخت بھی نظر آتے تھے لیکن کوئلے کی گرد بھی اڑتی رہتی تھی جس کی وجہ سے لوگوں کے رنگ خراب ہو جایا کرتے تھے اور لباس وغیرہ بھی۔ میں یہاں پڑا رہا۔ لوگ باقاعدہ مجھے بھیک دینے لگے تھے۔ ریلوے سٹیشن کے کچھ قلی جو رحم دل تھے کھانے پینے کی چیزیں میرے پاس رکھ جایا کرتے تھے۔ میں چل پھر سکتا تھا معذور نہیں ہوا تھا لیکن ذہن کچھ عجیب سا ہوتا جا رہا تھا۔ دنیا کی پسماندہ ترین شخصیت جو نہ جانے کیسے کیسے لمحات گزار چکی تھی۔ جس کے دل میں بہت سی یادیں چھپی ہوئی تھیں۔ یہی یادیں میرا سرمایہ تھیں۔ کوئلے کے ٹکڑے سے زمین پر لکیریں بناتا رہتا تھا۔ کچھ ضعیف الاعتقاد میرے پاس سٹے کا نمبر پوچھنے آجاتے تھے کچھ اپنے گھریلو مسائل مجھے سنانے آجاتے تھے۔ اور مجھ سے کہتے تھے کہ بابا ہمارے لئے دعا کرو۔ سٹے کا نمبر پوچھنے والے بھی مجھے طرح طرح سے مجبور کرتے تھے۔ میں کوئلے سے جو لکیریں کھینچتا تھا وہ لکیریں میری تقدیر کی لکیریں تھیں جو میری کالی تقدیر کی نمائندگی کرتی تھیں لیکن وہ ان لکیروں سے بننے والے نمبروں کو نوٹ کر کے لے جاتے تھے اور پھر نہ جانے کیا کیا کرتے تھے۔

یہاں تقریباً ایک ماہ گزر چکا تھا۔ ریلوے سٹیشن کے بہت سے لوگ اب میرے

شناسا بن چکے تھے ان میں زیادہ قلی اور مزدور قسم کے لوگ تھے۔ جن کے دلوں میں خدا موجود تھا۔ وہ میری دیکھ بھال بھی کرتے تھے۔ کچھ نے میرے پاس برتن بھی لا کر رکھ دیئے تھے۔ سلور کا گلاس، پانی کا برتن کھانے پینے کی ایک آدھ چیز اور میں صبر و سکون کے ساتھ یہ وقت گزار رہا تھا۔ ٹھیک ہے میرے معبود اگر تو نے یہی میری تقدیر میں لکھا تھا تو بھلا میں کیا کر سکتا ہوں۔ پھر مجھے اس جگہ کے بارے میں خاصی معلومات ہو گئی یہ سٹیشن کا جو حصہ تھا یہ صرف مال برداری کے لئے تھا یہاں سے کوئلے کے انبار ڈھیر کئے جاتے تھے لیکن سٹیشن کا دوسرا حصہ باقاعدہ مسافر گاڑیوں کے لئے تھا لوگ یہاں آتے تھے۔ بل اسٹیشن شاید بہت ہی خوبصورت تھا، اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہاں کوئلے کی کانیں بھی تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہی علاقہ سرسبز و شاداب بھی تھا اس کا اظہار اس کے موسم سے ہوتا تھا کبھی کبھی میں اپنی جگہ سے اکتا کر ٹہلنے کے لئے دور نکل جایا کرتا تھا۔ ریلوں سے آنے والے مسافروں کو دیکھتا تھا، وہ اپنی اپنی دھن میں مست، مگن ہنستے بولتے مسکراتے، میرا دل یہاں سے کہیں جانے کو نہیں چاہتا تھا، اور میں بس یہیں وقت گزارتا رہتا تھا اس دن آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، موسم اتنا خوشگوار تھا کہ بے اختیار دل اپنی جگہ سے اٹھنے کو چاہا، میرے بدن کا لباس بھی بدل چکا تھا، ایک قلی نے اپنی شلوار قمیض لا کر دے دی تھی، لیکن بہرحال لباس خراب بھی ہو جاتا تھا، کیونکہ میرے بدن سے رسنے والا خون اور پیپ اس لباس کو گندہ کر دیا کرتا تھا، لاکھ کوشش کرتا تھا کہ بدن پر کھیاں نہ بھنکیں لیکن ان کو بھی کون روک سکتا تھا، بہرحال گزارے والی بات تھی، گزارا کر رہا تھا، میں ٹہلتا ہوا آگے بڑھ گیا اور پھر خاصی دور نکل آیا یہ وہ جگہ تھی جہاں نئے اسٹیشن سے اترنے والے اپنا راستہ بدلا کرتے تھے، اس دن بھی میں وہیں موجود تھا اور ادھر سے گزر کر اس جگہ جا کھڑا ہوا تھا جہاں سے لوگ اپنے راستے طے کیا کرتے تھے، تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک میری نظر ایک جوڑے پر پڑی اور نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا، یہ جوڑا۔ یہ عورت۔ یہ عورت۔ کیا ایک بار پھر میں دھوکا کھا رہا ہوں، کیا پھر مجھے دھوکا ہو رہا ہے۔ آہ۔ یہ تو۔ یہ تو گوہر ہے۔ پچھلی بار مونگا نے جو چکر چلایا تھا وہ میرے لئے بڑا دلدوز ثابت ہوا تھا، لیکن اب اس وقت میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا رہی تھیں، خوبصورت لباس میں ملبوس زندگی کی لطافتوں سے بھرپور چہرہ، وہ چہرہ جو میری آنکھوں میں آج بھی بسا ہوا تھا، لیکن اس کے ساتھ یہ نوجوان

سا شخص کون ہے۔ دفعتاً ہی میرے دل کو ایک دھکا سا لگا' گوہر نے مسکرا کر اس شخص سے کچھ کہا تھا اور وہ گردن ہلانے لگا تھا' وہ گوہر ہی ہے۔ ہاں کوئی دھوکہ نہیں ہے وہ' سو فیصدی گوہر ہی ہے' گوہر.......... گوہر.......... گوہر.......... اور پھر نہ جانے کیوں میں بے اختیار ہو گیا' میرے قدم بے اختیار اس کی جانب اٹھے' وہ لوگ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ رہے تھے۔ میں ان کے راستے میں جا کھڑا ہوا' نوجوان نے مجھے دیکھا' جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک نوٹ نکالا اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"معاف کرنا بابا ذرا دور ہی رہو۔" میں نے نوجوان کی جانب توجہ نہیں دی میں گوہر کو دیکھ رہا تھا پھر میں دو قدم آگے بڑھا اور میں نے آہستہ سے کہا۔

"گوہر.........." گوہر نے چونک کر مجھے دیکھا' آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی رہی' پھر ایک دم اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی' اس کے چہرے پر حیرت کے شدید نقوش تھے' پھر یہ حیرت نفرت کی لکیروں میں تبدیل ہو گئی' اس کا ساتھی نوجوان اس کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔

"کون ہے یہ گوہر!" تمہارا نام لے کر کیسے پکارا اس نے؟" اس نے سوال کیا لیکن گوہر کی آنکھیں اب خوفناک ہوتی جا رہی تھیں۔ ان آنکھوں سے نفرت اور قہر کی بجلیاں برس رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر ایسے سنگین تاثرات تھے کہ میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا' میں نے پھر کہا۔

"گوہر میں.......... میں نادر ہوں.......... شاید تم مجھے پہچان نہیں پا رہیں.......... میں حکمت کے ساتھ۔"

"پہچان رہی ہوں تجھے کمینے۔ ذلیل' پہچان رہی ہوں تجھے' بے غیرت' آہ۔ کتنے عرصے تجھے تلاش کرتی رہی ہوں میں' کہاں کہاں تجھے تلاش نہیں کیا میں نے' میں۔ میں۔ میں تجھے پانے میں ناکام رہی نادر۔ ذلیل انسان' کمبخت' نمک حرام۔ ضمیر فروش' تو میرے باپ کا قاتل ہے' میں نے پولیس کو بتا دیا تھا کہ قاتل کون ہے۔ پولیس تیری تلاش میں تھی لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ قدرت تجھے اپنے ہاتھوں سے سزا دینا چاہتی ہے۔ تو نے۔ تو نے میرے معصوم اور بے گناہ باپ کو قتل کیا ہے' میں۔ دل تو چاہتا ہے کہ پتھر مار مار کر تیرا سارا وجود سنگسار کر دوں' تو نے۔ تو نے مجھے' یتیم کر دیا بے سہارا کر دیا تو نے مجھے' خدا تجھے اس سے بھی بڑی سزا دے نادر۔ خدا تجھے اس سے بھی بڑی سزا دے۔"

میں نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور انہیں ہلا کر گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"نہیں گوہر غلط فہمی کا شکار نہ ہو میں نے.........."

"کمینے.......... کوڑھی.......... بدنما شخص' دور ہو جا میری نگاہوں سے' ورنہ میں یہ پتھر مار دوں گی' تیرے سر میں' چلا جا خدا نے تجھے سزا دے دی ہے' اب میں تجھے کیا سزا دوں' جا دور ہو جا میری نگاہوں سے' آج میرا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے تجھے دیکھ کر' میری بددعائیں رائیگاں نہیں گئیں۔ سزا ملی ہے تجھے' تجھے سزا مل گئی ہے.........." میں نے ایک گہری سانس لی اور چند قدم پیچھے ہٹ گیا' میں اب اسے پُرسکون نگاہوں سے دیکھ رہا تھا پھر میں نے پُرسکون لہجے میں ہی کہا۔

"ہاں گوہر.......... برا وقت ایسا ہی ہوتا ہے.......... ٹھیک کہہ رہی ہو تم.......... بہرحال تمہاری مرضی ہے۔ میری بات سنو یا نہ سنو لیکن کہوں گا ضرور۔ کہوں گا ضرور گوہر۔ مولوی وصال الدین کو میں نے نہیں قتل کیا' میں نے نہیں مارا انہیں' گوہر۔ وہ سب ایک آسیبی عمل تھا۔ ایک آسیب میرے وجود پر حاوی تھا' میں آسیب زدہ ہوں گوہر۔"

"جہنم میں جا' چلا جا تو یہاں سے۔"

"گوہر کیا یہ وہی"؟ اس بار نوجوان نے سوال کیا۔

"ہاں.......... یہ وہی ہے شیطان ہے یہ.........."

"مجھے صرف چند باتیں بتا دو گوہر.......... تم وہاں سے کہاں چلی گئی تھیں؟"

"جہنم میں اور تو بھی جہنم میں جا' بلکہ جا چکا ہے۔ یقین کر تو نادر آج تجھے دیکھ کر دل اتنا خوش ہوا ہے کہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی' یہ میرا شوہر ہے' سمجھ رہا ہے یہ میرے شوہر ہیں' میں ان کے ساتھ زندگی کے سفر پر روانہ ہو چکی ہوں' وہ سفر جو موت کی منزل پر جا کر ختم ہوتا ہے' محبت کرتی ہوں میں اس شخص سے' جمیل ہے اس کا نام۔ میرا شوہر' میری زندگی' میرا مالک' میری روح.........." گوہر مرد کے بازو سے لپٹ گئی۔

"مجھے بتاؤ تو سہی گوہر قصہ کیا ہے؟"

"جمیل یہی وہی شخص ہے جس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا۔"

"وہاں سے تم کہاں چلی گئی تھیں گوہر.......... کہاں چلی گئی تھیں تم..........؟"

میں نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں بتاؤں گی میں' تجھے' تو یہاں سے چلا جا بس۔"

"صاحب' آپ ہی مجھے میرے سوالات کا کچھ جواب دے دیجئے۔" اس بار میں نے مرد کو مخاطب کر کے کہا۔

"گوہر جو کچھ کہہ رہی ہے کیا یہ سچ ہے.......... تمہارا نام نادر ہی ہے ؟"

"ہاں میرا نام نادر ہے۔"

"تم نے مولوی وصال الدین کو کیوں قتل کیا تھا؟"

"میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہا' میری حالت دیکھئے جو کچھ میں ہو چکا ہوں' میرا خیال ہے اس پر اب صرف ترس کھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا' ارے میں تو لمحہ لمحہ مر رہا ہوں' میرے بدن کا ہر زخم میرے لئے ایک نئی موت کی طرح ہے' اس حالت میں میں کیا جھوٹ بولوں گا' آپ انہیں بتا دیجئے صاحب کہ میں مولوی وصال الدین کا قاتل نہیں ہوں.......... وہ ایک آسیب تھا جو مولوی وصال الدین کی زندگی نہیں چاہتا تھا اس نے میرے وجود میں داخل ہو کر مجھ سے وہ عمل کرایا۔ میں اس وقت کا عامل نہیں تھا' بہرحال گوہر یقین کریں یا نہ کریں اور اب میں انہیں یقین دلا کر کوئی فائدہ بھی نہیں حاصل کرنا چاہتا' صاحب آپ.......... ان کے شوہر ہیں؟"

"ہاں۔"

"آپ کی شادی کب ہوئی؟"

"زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔"

"صاحب آپ یہاں کہاں؟"

"میں مائن انجینئر ہوں اور یہاں ٹرانسفر ہو کر آیا ہوں۔"

"آپ کہاں رہیں گے صاحب؟"

"خاموش ہو جاؤ جمیل' خبردار اسے اپنے بارے میں کچھ بھی بتایا تو!"

"دیکھو بہرحال تم نے جو کچھ کیا وہ تم جانو اور خدا جانے لیکن ہماری زندگی کو کوئی ایسا داغ نہ لگاؤ جو کہ ہم نہیں چاہتے' تمہیں خود علم ہے' اس بات کا کہ تم ایک بدترین اور مہلک بیماری میں مبتلا ہو' اب عام انسانوں سے تمہارا رابطہ ٹوٹ چکا ہے جاؤ' بہتر تو یہ ہے کہ دوسرے انسانوں کو اپنے جیسے عذاب میں گرفتار کرنے کی کوشش مت کرو۔ یہ جگہ چھوڑ دو انسانوں کی آبادی سے دور چلے جاؤ' کسی جنگل میں جا کر بسیرا کرو اور اللہ سے اپنے

لئے آسانیاں مانگو' موت ہی تمہاری مشکل آسان کر سکتی ہے' سمجھ رہے ہو نا میری بات۔ جاؤ.......... براہ کرم جاؤ.........." اس کا لہجہ نرم تھا اس میں ہمدردی تھی' جو مشورہ اس نے مجھے دیا تھا وہ بس میری مشکل کے مطابق ہی تھا' ٹھیک کہتا ہے واقعی ٹھیک کہتا ہے' غلط تو نہیں کہتا یہ شخص۔ میں نے دل میں سوچا پھر طبیعت کچھ ایسی اچاٹ ہوئی کہ میں نے اپنا یہ ٹھکانہ چھوڑ دیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کیا کروں.......... دل چاہتا تھا کہ خودکشی کر لوں۔ یہ ریلوے اسٹیشن تھا' ویگنیں گزرتی رہتی ہیں' ویسے بھی میں جاں بہ لب تھا اور میرے جینے کا کوئی ایسا جواز نہیں تھا جس کی بناء پر لوگ میری موت پر افسوس کریں' بے سہارا بے حقیقت زندگی کی ان تمام نعمتوں سے محروم جو انسان کو حاصل ہوتی ہیں' اور کچھ نہ سہی فاقہ کشی سہی' سب کچھ سہی' غربت ناداری میں گزارا کر لیا جاتا ہے' لیکن انسانوں سے انسانوں کی نفرت برداشت کرنا میرے لئے اب بہت مشکل ہوتا جا رہا تھا' میں یہاں سے بھی چل پڑا اور پھر وہی ویرانے اور زمانے کی گرد' کوئی ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہو' کیا کروں.......... کیا نہ کروں.......... بستیاں نظر آتیں تو ان سے کترا کر گزر جاتا' کھیت کھلیان' ہوتے تو راتوں کو ان کے پاس رکتا کہ دن کی روشنی میں یہ سب کچھ میرے لئے ممکن نہیں تھا' وہ بھی ایک ویرانہ ہی تھا قرب و جوار میں دور تک کوئی آبادی نہیں تھی' ٹوٹی پھوٹی سیاہ عمارت میری توجہ کا مرکز بنی اور میں اس کی جانب چل پڑا' کاش یہاں زندگی کے بقیہ ایام گزارنے کا موقع مل جائے۔ میں عمارت کی جانب چلتا رہا' غالباً کوئی قدیم کھنڈر تھا' غور سے دیکھنے پر اندازہ ہوا کہ کوئی ایسی عمارت تھی جس کا تعلق زمانہ قدیم کی کسی شخصیت سے ہوگا' سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی اس عمارت میں جگہ جگہ ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے' بعض دیواریں سالم تھیں' ستون تھے ان پر چھتیں بھی ٹکی ہوئی تھیں' میں ایک ٹھنڈی سی جگہ جا کر زمین پر بیٹھ گیا اور عجیب سی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا' یہ ویرانہ میری اندر کی کیفیت سے ہم آہنگ تھا اور یہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا' میں نے دل میں یہ فیصلہ کر کے مطمئن ہو گیا کہ یہیں قیام کروں گا' جہاں تک رہا بھوک پیاس کا معاملہ تو اب بھوک تو مجھے کم ہی لگتی تھی بدن آہستہ آہستہ سوکھتا جا رہا تھا' ہاں پیاس کی شدت کم کرنے کے لئے ایک سہارا یہاں موجود تھا عمارت ہی کے اندر ایک کنواں جو غالباً مسافروں کے لئے بنایا گیا تھا اس کنویں پر رسی اور ڈول بھی تھا' میں نے پانی کھینچا اور پھر نہ جانے کتنے عرصے کے بعد کنویں کا پانی اپنے سر

سے پاؤں تک انڈیلنے لگا آہ۔ زخموں کی وہ تکلیف میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا جو اس وقت میرے جسم کو ہو رہی تھی۔ میں نے کافی دیر تک پانی کو اپنے اوپر انڈیلا کم از کم طبیعت ہلکی ہو گئی تھی' یہ الگ بات ہے کہ زخموں میں تکلیف ہو رہی تھی' اس طرح کا غسل کرنے کے بعد میں ایک ایسی جگہ آ بیٹھا جہاں میرے بدن کو ہوا لگنے لگی اور بدن آہستہ آہستہ خشک ہونے لگا' لیکن صرف بدن' وہ زخم جو میرے لئے خود باعث نفرت تھے بھلا کہاں خشک ہو سکتے تھے' بہت وقت اسی طرح گزر گیا' قرب و جوار میں کبھی کبھی پرندے اور چھوٹے چھوٹے جانور بھاگتے دوڑتے نظر آجاتے تھے۔ درحقیقت زندگی کی آخری سانسیں پوری کرنے کے لئے یہ جگہ بے حد مناسب تھی' میں نے خوب دیکھ بھال کر اپنے لئے ایک ایسی آرام گاہ منتخب کر لی جہاں رہ کر میں موت کا انتظار کر سکتا تھا' بہت وقت گزر گیا پھر رات ہو گئی اور میں وہیں زمین پر لیٹ کر سو گیا' میں نے ابھی آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ کچھ ایسی کھڑکھڑاہٹیں سنائی دیں جیسے کوئی چل پھر رہا ہوں' پھر میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں' وہ انسانی سائے ہی تھے' جو مجھ سے کچھ فاصلے سے گزر رہے تھے' میں نے چونک کر انہیں آواز دی۔

"سنو بھائی بات سنو.......... میری بات سنو..........." اور وہ ٹھٹھک کر رک گئے' حالانکہ رات تھی لیکن آسمان پر شفاف تارے نکلے ہوئے تھے' چاند بھی آہستہ آہستہ ابھر رہا تھا اور میں قرب و جوار میں خوب اچھی طرح دیکھ سکتا تھا' ٹھٹھکنے والے آہستہ آہستہ میرے قریب آ گئے' لمبے لمبے چغے پہنے ہوئے تھے' داڑھیاں سینے تک جھول رہی تھیں۔ بال لمبے لمبے تھے' درویش ٹائپ کے لوگ تھے' میں اٹھ کر بیٹھ گیا' وہ مجھے دیکھنے لگے' پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ لوگ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟"

"کسی اجنبی کو سوالوں کے جواب نہیں دیئے جا سکتے' تجھے اگر کوئی حاجت ہے تو تو بتا۔"

"ہاں مجھے حاجت ہے۔"

"کیا چاہتا ہے؟"

"اپنے سوالوں کے جواب.........." میں نے کہا۔

"پوچھ کیا سوال ہے؟" دوسرے درویش نے کہا۔

"مجھے جانتے ہو؟"

"ہاں جانتے ہیں۔"

"کون ہوں میں؟"

"ایک گنہگار۔"

"سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہو؟"

"کیا یہ سوال کرنا باقی رہ جاتا ہے؟"

"ہاں رہ جاتا ہے۔"

"کیوں؟"

"میری زندگی کی جو کہانی ہے کیا اس کہانی میں میرا اپنا کوئی دخل بھی ہے؟"

"سو فیصدی۔"

"کیسے؟"

"عقل کس چیز کو کہتے ہیں؟"

"ہوتی ہے' جانتا ہوں اس کے بارے میں۔"

"عقل فیصلہ کرنے کے لئے ہوتی ہے۔"

"فیصلے عمر کی پختگی کے تجزیئے میں کئے جاتے ہیں۔"

"نہیں.......... سامنے اگر کوئی گڑھا ہوتا ہے تو خود بخود اس گڑھے سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ معصوم سے بچے کے سامنے دو چیز رکھ دو۔ ایک کڑوی دوسری میٹھی' بچہ بیشک اپنی معصومیت میں ایک بار کڑوی چیز کو چکھے گا لیکن اس کے بعد اگر وہ دوبارہ اس کے سامنے پیش کی جائے گی تو وہ رخ بدل لے گا۔"

"مگر میرے سامنے جو پہلی کڑوی چیز پیش کی گئی تھی میں اس کے مزے سے ناآشنا تھا۔"

"یہ صرف تاویل ہے جو قبول نہیں کی جا سکتی۔"

"اس کا پتہ بتاؤ مجھے جو میری یہ تاویل قبول کر سکے۔"

"ہم نہیں جانتے۔"

"تو پھر اپنے آپ کو اس حلیئے میں کیوں رکھے ہوئے ہو؟"

"فضول باتیں کر رہا ہے تو۔"

"نہیں.......... دے سکتے ہو تو میرے سوالات کا جواب دو میں اپنے اندر جھانکتا ہوں تو اپنے گناہ کا کوئی جواز نہیں ملتا۔"

"جب تیری آنکھیں یہ دیکھنے کے قابل ہو جائیں گی کہ تو اپنا گناہ تلاش کر لے تو تیرے گناہ تجھے نظر آجائیں گے..........!"

"نہیں مانتا میں نہیں مانتا.........."

"تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"مدد کرو میری.......... میری مدد کرو۔"

"تو ناپاک ہے' تو اس قدر ناپاک ہے کہ ہم تیرے قریب بھی نہیں آسکتے' بس یہ جگہ جہاں سے ہم تجھے دیکھ رہے ہیں' ہمارے لئے آخری حد ہے' ہم اس سے آگے بھی تیری جانب نہیں بڑھ سکتے۔"

"اس لئے کہ تم پاک صاف ہو؟"

"یہ ہم نہیں کہہ سکتے لیکن تو بلاشبہ ناپاک ہے۔"

"دیکھو.......... ایک بات بتا دوں تمہیں' جو کچھ بھی ہوں لیکن اندر سے وہ نہیں ہوں جو اوپر سے نظر آتا ہوں' میں یہ نہیں کہتا کہ اب میری زندگی کے زیادہ دن باقی ہیں لیکن اگر مجھے سہارا نہ دیا گیا تو بھٹک جاؤں گا۔"

"بھٹک کر کیا کرے گا..........!"

"کسی ایسے شخص کی تلاش جو مجھے اس جاپ کا بقیہ حصہ بتا دے۔"

"تو پھر؟"

"اس کے بعد میں اس آسیب کو مکمل طور پر قابو میں کروں گا۔"

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد دنیا کے لئے مصیبت بن جاؤں گا.........." جواب میں وہ ہنسنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

"شیطان کس طرح انسان کی شخصیت پر حاوی ہو جاتا ہے' دیکھو یہ شیطان کی آواز میں بول رہا ہے۔"

"میں شیطان کی آواز میں نہیں بولنا چاہتا اور اس کے لئے میں تم سے خواہشمند

ہوں کہ مجھے روشنی دکھاؤ' راستہ دکھاؤ ورنہ میں بھٹک جاؤں گا پھر میں انہیں آواز دوں گا جو میرے قریب آسکتے ہیں' مجھے گناہوں اور غلاظت کی اس آخری منزل تک لے جانے کے لئے جہاں بیشک میری موت ایک بدکار' گنہگار کافر کی حیثیت سے ہو گی لیکن مجھے یہ کفر اپنانے پر مجبور کیا جا رہا ہے.........." ان میں سے ایک درویش جو بالکل خاموش رہا تھا کہنے لگا۔

"سنو.......... دیکھو انسان کی ایک حد ہوتی ہے' ہم مافوق البشر نہیں ہیں' بشر ہی ہیں اور بشر کی حد میں ہیں' تم کسی سے کوئی سوال نہ کرو' اپنا محاسب تو خود اپنے اندر بیٹھا ہوا ہوتا ہے وہ تمہاری راہنمائی کرے گا' جتنے بھی سوال کرنے ہیں اسی سے کرو اس کے علاوہ یہ فیصلہ مت کرو کہ تمہاری زندگی کے لمحات کتنے ہیں.......... سمجھ رہے ہو نا.......... تمہارا محاسب خود تمہیں ہر طرح کی راہنمائی پیش کرے گا۔ باقی سب کچھ حالات پر چھوڑ دو۔ اگر اندر سچائی کی کوئی روشنی باقی ہے۔ ہو تو چراغ جلے گا' سمجھ رہے ہو' جلے گا چراغ.......... اگر دنیاوی بات کرتے ہو تو تم برائیوں کی اس منزل تک نکل چکے ہو جہاں شاید اب تمہارے لئے کوئی برائی نہیں باقی رہ گئی ہے' کیا کچھ نہیں کیا تم نے؟ قتل سے تم نے اپنے گناہوں کی ابتدا کی تھی اور اس کی بعد آگے بڑھتے چلے گئے' ہیں.......... کیا کچھ نہیں کیا تم نے' کیا تمہیں اپنی وہ رنگین راتیں یاد نہیں ہیں جو تم نے حسن و جمال اور حسن و شباب کے درمیان بسر کیں..........؟ نیک کام تھے وہ..........؟ کیا عیش و عشرت کی وہ دنیا یاد نہیں ہے تمہیں جو تم نے برائی کے راستے اپنا کر حاصل کی تھی؟ دیکھو توبہ کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے' جب تک تمہاری سانس باقی ہے توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں' کوشش کرو کہ رحم کی کوئی بنیاد نکل آئے' سمجھ رہے ہو نا؟"

"سب سمجھ رہا ہوں.......... سب سمجھ رہا ہوں.......... اپنا فرض نہیں پورا کرنا چاہتے بس نصیحت کرتے ہو' جاؤ جاؤ.......... تم مجھے کیا دو گے۔"

وہ پانچوں مجھے دیکھنے لگے پھر ان میں سے ایک نے اپنے لباس میں سے کچھ نکال کر زمین پر رکھا اور آہستہ آہستہ وہاں سے آگے بڑھ گیا' باقی درویشوں نے بھی اس کی تقلید کی' اور اپنے لباس سے کچھ نکال کر وہاں رکھنے لگے' ایک عجیب سا انداز تھا ان کا' پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئے اور میں انہیں گھورتا رہا۔

ایک عجیب سی جلن دماغ میں ہو رہی تھی اس کے بعد اس جلن سے بچنے کے

لئے میں نے آنکھیں بند کیں اور وہیں زمین پر دراز ہو گیا .... نہ جانے کیسے کیسے خیالات میرے دل و دماغ میں آرہے تھے۔ گوہر کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ حقیقتاً زندگی کی تمام آسائشیں مجھ سے چھن گئی تھیں اور اب میں صرف ایک گنہگار کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ جس کے لئے شاید موت کو بھی منع کر دیا گیا تھا کہ وہ میرے قریب نہ آئے۔ دیکھا جائے گا جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ہمت سے کام لینا ہو گا اپنے آپ کو پست نہیں کرنا ہے۔ کیا بات ہے یہ۔ ہیں.......... اماں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ باپ ظالم تھا، ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی، پھر ایک اور گنہگار کے گناہ کا شکار ہوا۔ الیاس بھائی مجھے وہاں سے لے کر چلا آیا، میں نے کیا قصور کیا تھا، کہاں سے میرے قصور کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے بعد زندگی مجھے در در بھٹکاتی رہی۔ یہاں تک کہ فیض علی کے گھر پہنچا اور چچی جان نے نہ جانے کیوں مجھے بابا سفیدے کے پاس بھیج دیا۔ وہ دونوں جس طرح کے برے انسان تھے کیا میں اتنا برا انسان تھا۔ وہ تو دین دھرم کے نام کو مسخ کر رہے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میرے ہاتھوں کتے کی موت مارے گئے، لیکن.......... لیکن.......... پھر بھی کم از کم اتنا تو ہونا چاہئے تھا کہ میری داد رسی ہوتی۔ مجھے اختلاف ہے مجھے، مجھے اختلاف ہے۔ میں بے قصور ہوں۔ ہاں میں بے قصور ہوں، میں زور زور سے چیخنے لگا تھا۔ پتھروں سے میری آواز ابل رہی تھی۔ میں بے قصور ہوں۔ میں بے قصور ہوں۔ میں بے قصور ہوں۔ پھر یہ آواز آہستہ آہستہ سسکیوں میں تبدیل ہو گئی۔ میری بے بسی آنسو بہا رہی تھی۔ آنسو بہر طور دل کو سکون دیتے ہیں۔ میں کافی دیر تک روتا رہا اور پھر اس کے بعد پُرسکون ہو کر گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح سورج کی کرنوں نے زخموں کو کریدنا شروع کر دیا اور میں جاگ گیا۔ میں نے اپنے زخموں کی سوزش کو محسوس کیا اور پھر اس کے بعد میں اس طرف پہنچا جہاں رات کو آرام کیا تھا اور ان درویشوں کو وہاں دیکھا تھا۔ دفعتاً ہی مجھے کچھ چیزیں وہاں رکھی ہوئی نظر آئیں۔ یہ پھل، روٹیاں اور ایسی ہی کھانے پینے کی دوسری اشیاء تھیں۔ وہ ازراہ کرم مجھے یہ کھانا پینا دے گئے تھے۔ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا.......... اب کسی سے نفرت کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ تمام چیزیں سمیٹیں۔ انہیں محفوظ کیا۔ یہ تو ایک نعمت ہے میرے لئے کافی دن تک کام چل جائے گا۔ ایک ایک چیز بڑی احتیاط سے سنبھالی۔ روٹیوں کو لپیٹ کر ایسی مضبوطی سے باندھا کہ وہ زیادہ دیر تک ساتھ دے سکیں۔

اور اس کے بعد روٹی کا ایک ٹکڑا کھا لیا اور دو کیلے کھانے کے بعد شکم سیری کی۔ میں یہ سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ پہلے تو یہ فیصلہ کیا تھا دل میں کہ اسی جگہ گزر بسر کروں گا لیکن کم بخت انسان کس قدر مجبور ہے۔ ہر حالت میں وہ اپنے جیسوں کو دیکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ میں انسان سے کیسے دور رہ سکتا ہوں۔ آہ! کوئی ایسی جگہ ہو جہاں مجھے قبول کر لیا جائے۔ اپنے اس اثاثے کو مضبوطی سے اپنے ساتھ لے کر میں پھر وہاں سے چل پڑا۔ چلتے رہنا ہی زندگی کی علامت ہوتا ہے۔ کاش مجھے کوئی منزل مل جائے۔ کاش!

آرزو آخری سانس تک انسان کے ساتھ سفر کرتی ہے۔ میں بھی ایک آرزو لئے سفر کرتا رہا۔ بستیاں ویرانے' کھنڈرات' گزرے ہوئے لمحات کی یادیں' ناجانے کیا کیا۔ بس اس کے سوا کیا رہ گیا تھا میری زندگی میں۔ اب تو سوچوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا بلکہ سوچیں ہی مجھ سے دور ہو گئی تھیں۔ واقعات کسی نہ کسی شکل میں پیش آجاتے تھے۔ بہت سے عجیب و غریب واقعات پیش آئے تھے جن میں سے کچھ کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا.......... ایک ایسی جگہ پہنچا تھا جہاں ایک دریا بہہ رہا تھا۔ زیادہ چوڑا پاٹ نہیں تھا۔ دریا کا گنگناتا پانی زیادہ گہرائیوں میں بھی نہیں تھا۔ میں ایک بڑی سی چٹان کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ اب تو پانی سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ بس بدن کی نجاست دھل جاتی تھی لیکن زخموں کی تکلیف دیوانہ کر دیتی تھی۔ چٹان کی آڑ میں ایک سوراخ تھا۔ میں یونہی اس سوراخ کو ٹٹولنے لگا۔ اچانک ہی مجھے ایک سانپ کی پھنکار سنائی دی تھی۔ انسانی فطرت کے مطابق میں نے جلدی سے وہاں سے ہاتھ ہٹا لیا لیکن پھر دل میں ایک احساس ابھرا۔ ویسے تو خودکشی کرنا حرام ہے۔ میں کوشش تو یہی کر رہا تھا کہ مزید کسی ایسے گناہ سے بچوں جس کے بارے میں مجھے علم ہو لیکن کبھی کبھی دل چاہتا تھا کہ موت دھوکے سے ہی مجھ تک آ جائے۔ سانپ کی پھنکار سے میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اس سوراخ کے اندر سانپ موجود ہیں چنانچہ میں نے اپنا پاؤں وہاں پھیلا دیا۔ اور خواہش کرنے لگا کہ سانپ اپنے بل سے نکلے اور مجھے ڈس لے۔ کافی دیر ہو گئی میں سرسراہٹیں سن رہا تھا پھر نہ جانے بے خیالی کے عالم میں یا جان بوجھ کر میں نے پاؤں وہاں سے ہٹا لیا۔ اس کے بارے میں صحیح طور پر بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کالا ناگ پھن سکیڑے ہوئے بل سے نکل رہا ہے۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ سانپ بل سے باہر نکلا۔ اس کی ننھی ننھی آنکھیں میرا جائزہ لے رہی تھیں اور پھر اس طرح بھاگا کہ میرے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔ وہ مجھ سے خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اپنی فطرت کے مطابق ڈس لینے کی بجائے بھاگ جانا مناسب سمجھا تھا۔ ایک کوڑھی کو

بنا اس کے لئے عذاب ہی ہو سکتا تھا۔ میرے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اگر حشرات الارض مجھ سے اس طرح خوف زدہ رہتے ہیں تو میری تو ایک الگ حیثیت بن گئی' کیوں نہ اب ذرا زبردستی سے کام لوں۔ لوگ مجھے ماریں گے۔ ہلاک کر دیں گے۔ میں کم از کم حرام موت مرنے سے بچ جاؤں گا۔ کم از کم یہ الزام تو مجھ پر عائد نہیں ہوگا کہ خودکشی کو میں نے گناہ سمجھتے ہونے کے باوجود کیا۔ انسان اگر انسان پر ظلم کرنے لگے تو صورت حال تو مختلف ہو جاتی ہے نا' بس یہ خیال دل میں آیا تھا کہ طبیعت میں ایک جولانی سی پیدا ہو گئی۔ میں نے یہ سوچا کہ انسانوں کی کسی بستی کا رخ کیا جائے چنانچہ میں وہاں سے چل پڑا۔ میری نگاہیں اب کسی بستی کو تلاش کر رہی تھیں اور بستیاں جگہ جگہ آباد ہوتی ہیں۔ لوگوں کو گروہ بنا کر رہنے کی عادت ہے۔ چنانچہ ایک بستی مجھے نظر آگئی۔ بستی کے پہلے دروازے پر رک کر میں نے دستک دی اور ایک بزرگ' صورت شخص نے دروازہ کھولا' عمر رسیدہ آدمی تھا۔ پیشانی پر نماز کا نشان بنا ہوا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا لیکن مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں وحشت نہیں پیدا ہوئی بلکہ ایک نرم سی کیفیت نمودار ہوئی۔ اس نے کہا۔

"کہو بابا جی.......... کیا چاہئے؟"

"موت۔" میں نے جواب دیا۔

"جی!"

"کیا تم مجھے مارو گے نہیں۔ دیکھو مجھے' میں کوڑھی ہوں.........."

وہ شخص مجھے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تم پر رحم کرے۔"

"ایں..........؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ٹھہرو' میرے پاس کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن تمہارا یہ لباس بہت غلیظ ہو رہا ہے' کیا تم لباس لینا پسند کرو گے؟"

"کیا تم مجھے لباس دینا پسند کرو گے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں کیوں نہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے" میں نے مستانہ وار کیا۔

"وہ سامنے درخت ہے اس کے نیچے بیٹھ جاؤ۔" اس نے کہا اور پھر اندر چلا گیا۔

میں آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا اس درخت کے نزدیک جا پہنچا اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص ایک ڈھیلا ڈھالا لباس لئے ہوئے وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کہا۔

"یہاں کوئی نہیں ہے اس وقت سنسان جگہ ہے۔ سو یہ لباس بدل لو۔"

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اپنا متعفن اور بوسیدہ لباس اتار کر پھینک دیا۔ وہ بولا۔

"میں تمہارے کھانے پینے کو کچھ لاتا ہوں۔"

میں خاموشی سے بیٹھ کر اس مہربان شخص کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ برتنوں میں کھانا لے آیا۔

"تم مجھ سے گھن نہیں کھا رہے؟" میں نے سوال کیا۔

وہ مجھے دیکھنے لگا اور پھر بولا۔

"کھانا کھاؤ' اس کے بعد بات کریں گے۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"رحمت علی۔" اس نے جواب دیا۔

"ہوں' ٹھیک ہے۔ شکریہ رحمت علی' بہرحال تم سے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"اب یہ کھانا کھاؤ' میں نے تم سے کہا نا۔" وہ بولا۔

میں پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ اچھا اور تازہ کھانا تھا۔ سو سب کچھ صاف کر دیا۔ پھر اس نے کہا۔

"ہاں اب کہو۔ کیا کہہ رہے تھے؟"

"تمہیں مجھ سے گھن نہیں آتی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ انسانی شکل میں ہو اور انسان ہو۔"

"رحمت علی' انسان تو ہوں لیکن میرا بدن کوڑھ سے ڈھکا ہوا ہے۔"

"بہتر تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ بیماری یا کوئی بھی عذاب انسان کا اپنا حاصل کیا ہوتا نہیں ہوتا بس بیماری آجاتی ہے۔ ہر بیماری کی شفا بھی موجود ہے۔"

"رحمت علی کیا میری اس بیماری کا علاج موجود ہے؟"

"یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ میری معلومات اتنی نہیں۔"

"تم کیا کرتے ہو؟"

"کچھ نہیں کرتا بس یاد اللہ میں زندگی گزارتا ہوں۔"

"اور زندگی گزارنے کے لئے جو درکار ہوتا ہے وہ؟"

"اللہ کا دیا ہوا تھوڑا بہت موجود ہے' اسی پر گزارا کر رہا ہوں۔ اب تم اپنے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟"

"ہاں۔ میں اپنے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔"

"تو بتاؤ۔"

"سنو گے تم؟"

"ہاں کیوں نہیں سنوں گا۔ بیٹھا ہوا تو ہوں تمہارے پاس۔"

"بستی کے لوگوں نے اگر ایک کوڑھی کے پاس بیٹھا ہوا تمہیں دیکھ لیا تو کیا کہیں گے؟"

"بستی کے لوگ میرے پاس نہیں آئیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا۔ میرا قول و عمل میرا اپنا ہے۔ اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔"

"نہ جانے تم کیوں اتنے اچھے انسان ہو ورنہ بہت عرصے سے میں اچھے انسان سے باتیں کرنے کو ترس گیا ہوں۔ کوئی مجھ سے بات ہی نہیں کرتا۔"

"لوگ برا کرتے ہیں۔ اللہ کی ناشکری کرتے ہیں۔ جو مرض انہیں نہیں ہے' اس مرض کے انسانوں سے وہ کیوں گھن کھاتے ہیں۔ یہ مرض کل کو انہیں بھی لگ سکتا ہے۔"

"کیا اس انداز میں سوچنے والے موجود ہیں؟"

"اگر نہیں ہیں تو اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ کوئی کسی کا کچھ نہیں لیتا۔"

"تم واقعی بہت اچھے انسان ہو۔"

"کیا بات کرتے ہو تم۔ کسی کی چند باتیں سننے کے بعد اسے اچھا کہہ دینا' میں سمجھتا ہوں نادانی ہے۔ ویسے تمہاری عمر زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔ یہ موذی مرض تمہیں کیسے لگا؟"

"میں نہیں جانتا رحمت علی' میں نہیں جانتا۔"

"اپنے بارے میں تو جانتے ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"اپنی زندگی کے بارے میں تو جانتے ہو؟"

"کون نہیں جانتا اگر وہ ہوش مند ہو تو۔"

"تو مجھے بتاؤ۔"

"کیوں پوچھنا چاہتے ہو؟"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارے مرض کی تشخیص کر سکوں۔"

"کیا تم حکیم ہو؟"

"نہیں۔"

"تو پھر.........؟"

"بس ایسے ہی سوچنے والا ہوں۔ کچھ باتیں سوچنے پر دماغ میں آجاتی ہیں۔ بعض لوگوں کو ان کی پریشانیوں کا حل بتا دیتا ہوں۔ اپنی سمجھ کے مطابق کچھ کو فائدہ بھی پہنچ جاتا ہے۔ لیتا دیتا کچھ نہیں ہوں۔ بس یہ تو اللہ کا کام ہے کہ بیمار کو شفا عطا کرے۔ میرے چھوٹے سے دماغ میں جو کچھ آتا ہے وہ میں بیان کر دیتا ہوں۔"

"تو پھر میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں!"

"ہاں۔"

"ایک چھوٹی سی بستی کا رہنے والا ہوں۔ اب تو اس بستی کو اس طرح بھول چکا ہوں کہ اگر تلاش بھی کروں تو نہیں ملے گی۔"

"کیوں؟"

"بس نہیں ملے گی۔"

"خیر چھوڑو۔ یہ الگ بات ہے۔" اس نے کہا۔

پھر میں اسے اپنی کہانی سناتا چلا گیا۔ وہ میری داستان خاموشی سے سن رہا تھا۔ پھر میرے خاموش ہو جانے کے بعد بھی وہ کافی دیر خاموش ہی رہا آخر کافی دیر بعد بولا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے' نادر کہ تم ان برائیوں سے گزر چکے ہو جس کے نتیجے میں یہ سب کچھ تمہیں ملنا ہی تھا۔"

"ہاں میں نے اس سے کب انکار کیا۔ مگر تم کہتے ہو کہ تمہیں مشکلات کا حل معلوم ہے۔"

"جو شخص اس قدر برائیوں میں جکڑ چکا ہو۔ اس کے لئے کیا حل بتایا جا سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ تمہارے لئے دعا ہی کی جا سکتی ہے۔"

"کیا تم میرے لئے دعا کرو گے؟"

"میری دعائیں کاش قبول ہو جائیں۔"

"دعا تو دو مجھے کم از کم چاہے قبول ہو یا نہ ہو۔"

"تو میں تمہیں دعا دیتا ہوں کہ اللہ تمہاری مشکل دور کرے۔"

"آہ! کاش میں تمہیں تمہاری اس دین کا صلہ دے سکتا لیکن بہرطور میں تمہیں ایک اچھے انسان کے طور پر یاد رکھوں گا۔" میں نے کہا۔

"دیکھو میں زیادہ نہیں جانتا جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ جو چھوٹا موٹا تصور ذہن میں آتا ہے اسے الفاظ میں بیان کر دیتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جدوجہد آخری سانس تک کرنی چاہئے۔ اگر انسان کی جدوجہد مر جائے تو پھر سمجھ لو کہ اس نے اپنے لئے موت پسند کر لی۔ تم اپنا سلسلہ جاری رکھو اور یہ بھی میں تمہیں بتا دوں کہ جو کہانی میں نے تم سے سنی ہے اس کا کوئی بنیادی حل نہیں ہے۔ یہ حل اگر تمہیں مل سکتا ہے تو صرف روحانیت سے۔ مزارات پر جاؤ' دعا مانگو اپنے لئے۔ ایسے کسی درویش کو تلاش کرو جو تمہاری مشکلات کا حل ثابت ہو۔"

"سب سے پہلے ملنے والے مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ مجھ سے گھن کھاتے ہیں۔ کوڑھی جان کر مجھے دور سے ہی بھگا دیتے ہیں۔"

"تب یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہوتے کہ ان سے کچھ مانگا جائے۔"

"آہ! کاش' کوئی مجھے بھی کچھ دے دے۔" میں نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

"میں نے کہا نا کہ جدوجہد جاری رکھو' بہتر یہی ہوگا کہ ان سے دور رہو جو تمہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم بھی ان سے نفرت کرو۔ بہتر یہ ہے کہ ان کی بہتری کے لئے تم ان سے فاصلہ اختیار کرو۔"

"تو پھر سب سے پہلے تمہاری بستی کو چھوڑ دینا ہی مناسب ہے۔"

"ہاں' کاش میں تمہیں اپنا مہمان رکھ سکتا۔" اس نے کہا۔

کھانے پینے سے فراغت حاصل ہو چکی تھی۔ رحمت علی کی باتوں نے دل کو تسلی دی تھی۔ چنانچہ میں وہاں سے اٹھ گیا۔ پھر وہی صحرا گردی' وہی تلاش' تلاش' تلاش' مزارات پر جاتا لیکن انہی نفرتوں کا شکار ہوتا جو میری تقدیر میں لکھ دی گئی تھیں۔ ہر طرح کے لوگ مجھے خود سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ گویا اس کائنات میں میرے لئے تمام راستے تنگ ہو گئے تھے۔ لیکن اب نہ جانے کیوں دل میں ایک ٹھہراؤ سا پیدا ہوتا جا رہا تھا نفرت کو بھی اگر اپنا لیا جائے تو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ شاید مجھے اب ایسے ہی احساسات کا ادراک ہو رہا تھا۔ میں شاید اب اپنے ان زخموں سے بھی محبت کرنے لگا تھا جو مجھے بے پناہ تکلیف دیتے تھے۔ انسان کے پاس کچھ تو ہو جس کے لئے وہ جئے اور شاید میں آہستہ آہستہ ان زخموں کے لئے جینا سیکھتا جا رہا تھا۔ تکلیفیں قریباً ختم ہونے لگیں تھیں کیونکہ اب یہ تکلیف میری زندگی کا حصہ بن گئی تھی۔ مزارات پر جاتا تو خود ہی اپنے لئے دور کی جگہ منتخب کر لیتا اور وہاں بیٹھ جاتا۔ لوگ مجھ سے فاصلے اختیار کرتے۔ چیزیں اس طرح میری جانب پھینکتے جیسے قریب آئیں گے تو میرا کوڑھ انہیں لپٹ جائے گا۔ ٹھیک ہی تھا ان کا انداز میں اس سے انحراف کرنا چھوڑ چکا تھا۔ بہرحال یوں زندگی کی یہ ڈگر طے ہو رہی تھی اور اب تو میں نے موت کی آرزو بھی ختم کر دی تھی جب موت آئے گی تو دیکھا جائے گا۔ اور نہ جانے اس احساس نے کیوں مجھے غیر فانی سا سکون بخش دیا تھا۔

o-----------------o

بڑا خوب صورت اور سرسبز مقام تھا۔ بیچ در بیچ پہاڑی ٹیلے تا حد نظر بکھرے ہوئے تھے۔ غالباً یہاں کا موسم بھی خوشگوار ہی ہوتا ہوگا۔ کون سی جگہ تھی' اس بستی کا کیا نام تھا۔ جو پہاڑوں کی گہرائیوں میں آباد نظر آ رہی تھی۔ کھلونوں جیسے مکان بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ بلندیوں سے دیکھنے سے ان میں زندگی رواں دواں نظر آتی تھی۔ خوش و خرم' پریشان حال لوگ اپنی اپنی مصروفیات میں لگے ہوئے تھے۔ بہت فاصلے پر کچھ سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں جو ایک پہاڑی کی بلندی پر جا کر ختم ہو جاتی تھیں۔ اس بلندی پر سبز رنگ کی ایک عمارت بنی ہوئی تھی۔ جس پر کپڑے کے بہت سے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ قرب و جوار میں احاطے بکھرے ہوئے تھے' ان احاطوں میں لوگ آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ بلندی تک پہنچنے کا بس ایک ہی راستہ تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ کسی صاحب علم کا مزار ہے۔ میں خود بلندی پر کھڑا ہوا تھا اور یہاں سے یہ تمام مناظر دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کتنے دن کی مسلسل مسافت کے بعد اس طرف آیا تھا۔ پہاڑی کے دامن میں درختوں کی بہتات تھی۔ جگہ جگہ درخت لگے ہوئے تھے اور لوگوں نے ان کے نیچے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ چولہے روشن تھے۔ کھانے پک رہے تھے۔ کہیں لنگر بھی ہو رہا تھا۔ میں تمام مناظر دور سے ہی دیکھتا رہا۔ میرے لئے فاصلوں کی حد تھی اور میں فاصلے ہی اختیار رکھے رہنا چاہتا تھا۔ کیا فائدہ انسانوں کو تکلیف دینے سے۔ خواہ مخواہ مجھ سے نفرت کر کے گناہ مول لیں گے۔ مجھے دھکے دے کر وہاں سے ہٹا دیں گے۔ یہ تو ہونا ہے۔ میں انہیں یہ سب کچھ کرنے پر کیوں مجبور کروں۔ بہتر تو یہ ہے ناکہ خود ہی اپنی سمت متعین کر لوں۔ چنانچہ میں وہاں سے تھوڑا سا آگے ہٹ کر فروکش ہو گیا۔ یہاں بھی پہاڑی ٹیلوں کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ لوگ ان کے دامن میں بھی آ جا رہے تھے۔ حالانکہ فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ اور مزار کے قرب و جوار میں زائرین نے جو ڈیرے ڈال رکھے تھے وہ

یہاں سے کافی فاصلے پر تھے لیکن پھر بھی سیر و سیاحت کے رسیا ماحول کا لطف لینے کے لئے دور دور تک پہنچ جاتے تھے۔ میں تھکے تھکے سے انداز میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ مجھے اپنے بدن میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ طبیعت کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔ شاید بخار آ گیا تھا۔ آہی گیا ہوگا۔ ہوتا ہی رہتا ہے یہ سب کچھ۔ یہ تو بس موسم کے اثرات ہیں' وقت کی دین ہے۔ شدت کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ میں زمین پر لیٹ گیا اور اس کے بعد ایک بے خبری سی سارے وجود پر طاری ہو گئی۔ مجھے یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ مجھ پر کون انسان نواز وہ کمبل ڈال گیا تھا جس نے مجھے بڑا سکون بخشا تھا۔ بہت عرصے سے موسم کی شدتیں برداشت کرتا آرہا تھا۔ کہاں سے لاتا؟ کیا لاتا؟ اب تو جدوجہد ہی دم توڑ گئی تھی بس ایک انسانی وجود نہ جانے کیوں اپنے آپ کو گھسیٹ رہا تھا۔ مجھے خود بھی جینے کا مقصد معلوم نہیں تھا۔ نہ کوئی آرزو تھی نہ کوئی احساس۔ بس زندگی کے فریب میں گرفتار تھا اور زندگی مجھ سے مسلسل مذاق کئے جا رہی تھی۔ نہ جانے رات کا کونسا پہر تھا۔ مزار سے قوالیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ کوئی سریلا قوال بڑے اچھے انداز میں گا رہا تھا۔ کانوں کو اس کی آواز بے حد بھلی لگ رہی تھی۔ ساز و آواز کی ہم آہنگی ایک عجیب سا سماں باندھے ہوئے تھی۔ بے اختیار میرا دل مچل اٹھا۔ میں نے سوچا کہ اتنی دور چلا جاؤں جہاں سے یہ آواز میری کانوں میں صحیح مفہوم کے ساتھ پہنچ جائے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ طبیعت بے اختیار ہوتی جا رہی تھی۔ قوالی کے بول اور قوال کی حسین آواز نے ذہن میں ایک عجیب سا سرور طاری کر دیا تھا۔ میرے قدم آگے بڑھتے رہے اور شاید میں اپنی حدود کو عبور کر گیا۔ پتہ نہیں دوسرے لوگوں نے مجھ پر کوئی توجہ دی ہو یا نہ دی ہو۔ اب میں ان تمام چیزوں سے بیگانہ تھا۔ اور قوالی کے ان الفاظ میں الجھا ہوا تھا۔ خوش الحان قوال گا رہا تھا.........

تم ایک گورکھ دھندہ ہو
ہو بھی نہیں اور ہر جا ہو
تم اک گورکھ دھندہ ہو

میں نے دل میں سوچا اور میرا ذہن قوال کے ان اشعار میں الجھ گیا۔ ایک عجیب سی داستان تھی۔ ایک عجیب سا احساس دل میں جاگزین ہو رہا تھا۔ میرے قدم بے اختیار آگے بڑھ رہے تھے۔ پھر اچانک ہی کسی نے مجھے روک دیا۔ میں رک کر انہیں دیکھنے لگا۔

وہ باریش انسان تھے۔ سفید سفید لبادوں میں ملبوس' ایک عجیب سی کیفیت کے حامل' ان کے ڈھیلے ڈھالے لباس فضا میں اڑ رہے تھے اور وہ خشمگیں نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ناپاک۔ غلیظ انسان' تجھے پتہ ہے تو کس جانب بڑھ رہا ہے۔ تیرے قدم ادھر کیوں بڑھ رہے ہیں؟"

"مم......... میں......... میں........."

"پیچھے ہٹ۔ پیچھے ہٹ ورنہ تجھے دھکے دے کر ہٹاؤں گا۔"

"مگر کیوں' میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں۔"

"تو ہم جیسا انسان نہیں ہے گناہوں کی پوٹ ہے تو' سمجھ رہا ہے۔ چل یہاں سے آگے بڑھ' چل۔" وہ لوگ لکڑی کے ٹکڑوں سے مجھے دھکے دینے لگے اور بہت دور تک دھکیلتے ہوئے لے گئے۔ یہاں بھی ایک درخت تھا اور اس درخت کے نیچے ایک انسانی وجود نظر آرہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا اور میری آواز خود میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ "ناانصافی ہے۔ یہ بے رحمی ہے...... تم...... تم میرے ساتھ ظلم کر رہے ہو' میں...... میں انسان ہوں مجھے غور سے دیکھو۔ میں انسان ہوں۔"

"تو انسانیت کی حد سے بہت آگے نکل چکا ہے۔ ان میں سے ایک نے زور سے میرے سینے پر لکڑی چبھو کر دھکیلتے ہوئے کہا۔

میں نیچے گر پڑا تھا۔ میں نیچے گرا تو اس وجود نے جو درخت کے نیچے موجود تھا میرے سر کو اپنے ہاتھوں میں سنبھال لیا پھر میرے کانوں میں ایک لرزتی ہوئی نسوانی آواز ابھری۔

"ارے......... ارے بھائی کیا کر رہے ہو؟ کیا کر رہے ہو' انسان ہے بے چارہ' انسان ہے یہ' اس طرح کیوں کر رہے ہو؟"

"تو پھر تم اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لو' کوڑھ پھوٹ رہا ہے اس کے بدن سے' ظالم ہے یہ گنہگار ہے یہ سمجھی' گنہگار ہے۔" ایک درویش نما بزرگ نے کہا۔

"معاف کرو بھائی' میں دیکھ لوں گی۔ کون ہے؟ کسی ماں کا بیٹا تو ہوگا۔ اس کے ساتھ یہ بدسلوکی نہ کرو۔"

"دیکھو اس سے کہو کہ مزار کی حدود میں داخل نہ ہو۔ یہ غلیظ ہے' ناپاک ہے۔"

"ناپاک جسم تو شفاف پانی سے دھل کر صاف بھی ہو سکتے ہیں۔ کسی انسان کو غلیظ اور ناپاک کہہ کر اس طرح دھکے دے کر گرا دیا جاتا ہے؟"

"بڑی بی بے کار باتیں نہ کرو۔ تم نہیں جانتی یہ کیا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے بھائی' اچھا ٹھیک ہے' میں اسے دیکھ لوں گی' تم لوگ جاؤ۔"

وہ تمام درویش واپس چلے گئے۔ جو کوئی بھی تھی' اس نے مجھے دیکھا اور پھر ہمدرد لہجے میں بولی۔

"آہ! تمہیں تو شدید بخار ہے۔ کون ہو تم؟ کون ہو بیٹا؟ آرام سے لیٹ جاؤ' کیوں چلے گئے تھے ادھر۔ مت جاؤ ایسی جگہ جہاں تمہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔"

چاند نے بادلوں کی اوٹ سے سر ابھارا اور ماحول روشن ہو گیا۔ میری آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔ میں اس مہربان عورت کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کچھ دھندلاہٹیں آنکھوں پر طاری تھیں لیکن عورت نے غور سے مجھے دیکھا پھر دفعتاً ہی میں نے اس کے وجود میں لرزشیں محسوس کیں۔ اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"کون.......... نادر.......... کیا تو نادر ہے' اگر تو نادر نہیں ہے تو تیرے چہرے کے نقوش.......... میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں کیا وہ صرف ایک دھوکہ ہے' کون ہے بیٹا تو.......... کون ہے' بتائے گا نہیں مجھے.........." لیکن کسی کی زبان سے اپنا نام سن کر اس کے لہجے کی ہمدردی محسوس کر کے میں نے آنکھوں کی بینائی مجتمع کی اور غور سے اسے دیکھنے لگا' ذہن کے پردوں پر کچھ مٹے مٹے سے نقوش ابھرے' کچھ مناظر یاد آنے لگے' وہ مناظر جن کا تعلق زندگی کے کس دور سے تھا یہ چہرہ تو شناسا سا ہے' شاید اس وقت سے جب پہلی بار آنکھوں نے کسی کے نقش کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا تھا' وہ جس سے دنیا کا ہر لاڈ کیا تھا' وہ جس سے اپنی طلب پہلی بار مانگی تھی' ماں ہے یہ شاید ماں.......... ہاں یقیناً وہی ہے' وہ عورت جس کی آغوش سے زندگی کی نمود ہوئی تھی وہی تو ہے.......... وہی تو ہے جس کی وجہ سے میں چلا آیا تھا' وہی عورت جس نے فضل خان کو میرا باپ بنا دیا تھا اس شخص کو جو مجھ سے بالکل محبت نہیں کرتا تھا' وہی ہے' یقیناً یہ وہی ہے پتہ نہیں یہ آواز ہونٹوں سے نکلی تھی یا دل سے' میں نے اسے پکارا۔

"ماں.........." اور وہ بے اختیار ہو گئی۔

"ہاں نادر ماں ہوں' حسینہ ہوں میں' تیری ماں ہوں نادر' ماں ہوں تیری۔" اس

نے کچھ اس انداز سے کہا کہ میرا سینہ پھٹنے لگا' زخموں کی تکلیف اپنے آپ سے بیگانگی کا احساس' وہ سب کچھ جو اپنے آپ کو اپنے وجود سے منکر کرتا تھا ختم ہو گیا نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوا کہ کائنات میں بسنے والا ہر وجود مجھے ٹھکرا دے گا لیکن یہ عورت..... یہ عورت میرے زخموں سے گھن نہیں کھائے گی' پتہ نہیں کیوں یہ یقین دل میں بیدار ہوا اور طویل عرصے کے بعد ایک آرزو ابھری' کسی سے چمٹ جانے کی۔ کسی کو اپنے آپ میں سمو لینے کی' کسی میں داخل ہو جانے کی' میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے بھینچ لیا۔

"ہاں ماں نادر ہوں' میں.......... نادر ہوں میں.........."

"نادر.......... میرا بیٹا' میرا بچہ' میرا لال' میرا لخت جگر'.........." اس کے اندر بھی محبتوں کا طوفان امنڈ آیا تھا' ہم ماں بیٹے ایک دوسرے سے چمٹے رہے' وہ میرے زخموں سے گھن نہیں کھا رہی تھی اس نے غور بھی نہیں کیا تھا کہ میں کوڑھی ہوں' میں اس سے لپٹا رہا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ چھنا ہوا سکون' وہ محبت کا لمس جس کا تصور بھی دل سے مٹ چکا تھا ایک بار پھر مجھ تک پہنچ گیا ہے' ہر طرح کی ریاکاری سے پاک وہ سچا جذبہ جس کی شاید ہر دل کی گہرائیوں میں طلب چھپی ہوتی ہے' کوئی محروم ہو جائے تو الگ بات ہے لیکن اگر کبھی وہ اپنی آرزوؤں کی تلاش کرے تو اس میں یہ جذبہ اسے ضرور مل جائے گا۔ وہ کھڑے ہوئے تھے جو مجھ سے نفرت کرتے تھے جو درویش تھے' جو خدا کا قرب حاصل کر چکے تھے' جو اس مزار شریف کی بے حرمتی سے نالاں تھے' وہ نہیں چاہتے تھے کہ مزار پاک کی حدود میں ایک کوڑھی.......... ایک ناپاک انسان کا وجود نظر آئے' وہ ناخوشگوار نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے' لیکن یہاں کچھ نہیں تھا ان نگاہوں کا کوئی نوٹس نہیں لے رہی تھی وہ عورت جس نے اپنی کوکھ سے مجھے جنم دیا تھا۔ وہ مجھے چوم رہی تھی' اس نے مجھے زور سے بھینچ رکھا تھا' اس کے ہونٹوں کا لمس' مجھے اپنی آنکھوں اپنی پیشانی' اپنے رخسار اپنے ہاتھوں ہر جگہ محسوس ہو رہا تھا اور جہاں اس کے ہونٹوں کا لمس محسوس ہوتا وہاں یوں لگتا جیسے تکلیف ختم ہوتی جا رہی ہو' ایک ٹھنڈک' ایک عجیب سا احساس سکون۔ آہ.......... یہ صرف لفاظی نہیں حقیقت تھی' ماں کے لمس نے مجھے میری تمام تکلیفوں سے بے نیاز کر دیا تھا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دنیا بھر کی تپش سے نکلنے کے بعد میں جنت کی پُرفضا وادیوں میں پہنچ گیا ہوں' مجھے وہ مل گیا تھا جو میرے سینے کی گہرائیوں میں تڑپ رہا تھا' محبت کا ایک سچا لمس.......... تب ایک شخص آگے بڑھا اور

اس نے کہا۔

"بیوقوف بوڑھی تو اپنے لئے موت خرید رہی ہے۔"

"جاؤ......... چلے جاؤ' یہاں سے' میں کیا کر رہی ہوں میں جانتی ہوں' تم سے زیادہ ہوش مند ہوں میں' تمہاری آنکھیں بینائی کھو چکی ہیں' جاؤ چلے جاؤ یہاں سے' کیوں ہمارے درمیان آ رہے ہو......... جاؤ........." وہ زور سے چیخی اور وہ شخص واپس چلا گیا' ماں مجھے اپنی آغوش میں اس طرح لئے بیٹھی تھی جیسے ایک ننھے سے بچے کو آغوش میں لے کر سلایا جاتا ہے وہ مجھ سے کہہ رہی تھی۔

"کہاں چلا گیا تھا رے پاگل......... کہاں چلا گیا تھا تو نادر......... بول مجھے چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا' تو نے یہ نہیں سوچا کہ میں تنہا رہ جاؤں گی' ہاں نادر' تنہا ہی تو رہ گئی تھی میں۔ قصور میرا نہیں تھا نادر تیرے باپ نے مجھ سے قاضی صاحب کے سامنے وعدہ کیا تھا کہ وہ زندگی کی آخری سانس تک مجھے پناہ دے گا' اس نے کہا تھا نادر کہ وہ ہر خوشی اور غم کا لمحہ میرے ساتھ بسر کرے گا' اس نے مجھے سہارا دیا تھا نادر' اللہ کے کلام کی روشنی میں اس نے اپنے وعدے توڑ دیئے اور اٹھ کر دنیا سے ہی چلا گیا۔ بتا میرا کیا قصور تھا۔ میں نے تو اپنی ہوش مندی کی آنکھ اسی کے ساتھ کھولی تھی پھر میں تنہا رہ گئی' لوگوں نے کہا کہ میں تنہا نہیں رہ سکوں گی' تیری پرورش نہیں کر سکوں گی اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ زندگی کے لئے مجھے دوسرا سہارا درکار ہے' نادر میں نے کسی سے بھی نہیں کہا تھا کہ وہ میرے لئے تیرے باپ کے سوا کوئی اور سہارا تلاش کر دیں' لیکن نہ جانے کیوں مجھ پر سختی کی گئی اور پھر مجھے فضل خان کے حوالے کر دیا گیا' نادر میں نے یہی سوچا تھا کہ چل اور کچھ نا سہی میں تیرے باپ کی نشانی کو پرورش تو کر لوں گی' میں نے فضل خاں کا حکم ماننا شروع کر دیا' ایک شوہر کی طرح نہیں نادر' ایک مالک کی طرح جو کوئی چیز خرید کر اپنے گھر کے آنگن میں باندھ لیتا ہے' میں نے صرف اس کے احکامات کی تکمیل کی تھی' میرے بچے تو میری اولاد ہے' تیرے سامنے میری سچائیاں کبھی داغدار نہیں ہو سکتیں' میں جھوٹ نہیں بول سکتی' میں نے فضل خاں کو اپنا شوہر کبھی نہیں سمجھا وہ تو میری ایک مجبوری تھی' تیری پرورش کا ایک ذریعہ تھا اور اس کے بعد نادر وہ......... وہ......... جس طرح سے تیرے اور میرے ساتھ پیش آتا رہا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا' نادر میں سچ کہہ رہی ہوں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں اسے روک نہیں سکتی تھی' میری تو سمجھ میں نہیں آ

تھا کہ میں اس کا کیا کروں......... میں......... میں تو کمزور تھی نا نادر......... میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی' اور وہ جو دل چاہتا تھا کرتا رہتا تھا۔ نادر بعد میں جب تو چلا گیا تب بھی اس نے میرے ساتھ وہی سختیاں روا رکھیں اور نادر اس کا جو دل چاہا کرتا رہا مجھے مارتا تھا' زخمی کر دیتا تھا مجھے اور یہاں تک کہ اس نے ایک بار مجھ سے ناراض ہو کر مجھے گھر سے نکال دیا' تو جو چلا گیا تھا' اب میں اس کے لئے ایک بیکار شے ہی تو تھی تو نادر اس نے وہ دونوں بچے مجھ سے لے لئے جن سے مجھے کوئی لگاؤ نہیں تھا کیونکہ وہ تیرے باپ کی اولاد نہیں تھے' وہ فضل خاں کی ملکیت تھے جیسے اس کے گھر میں بھینس' اس کا گھر......... گھر کا آنگن گھر میں بچھی ہوئی چارپائیاں' وہ تمام چیزیں جو اس کی تھیں اسی طرح وہ بچے بھی اسی کے تھے' میری اولاد تو تو تھا نادر' تو جو مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا اور پھر جب اس نے مجھے نکال دیا تو مجھے خوشی ہوئی کہ کم از کم اس طرح مجھے تجھے تلاش کرنے کا موقع تو ملے گا' اور نادر اس کے بعد سے میں بھٹکتی ہی رہی ہوں' میرے بیٹے میرے بچے میں تیری تلاش میں سرگرداں رہی ہوں' نہ جانے کہاں کہاں ماری ماری پھری ہوں میں۔ میں نہیں جانتی' زندگی تھی' زندہ ہوں یہاں تک پہنچ گئی تھی' درویشوں بزرگوں ولیوں کے مزاروں پر میں نے تیرے لئے دعائیں مانگیں' میں نے ان سے آرزو کی کہ ایک بار......... ایک بار ان آنکھوں کے بند ہونے سے پہلے ایک بار میرا بچہ میری نگاہوں کے سامنے آجائے' دعائیں پوری ہو گئیں میری نادر' میرے بچے تو آ گیا نا......... آ گیا تو نادر........."

"ہاں ماں......... میں آ گیا ہوں' لیکن ماں لیکن........."

"لیکن کیا......... ماں کے سامنے لیکن کیا معنی رکھتا ہے؟"

"میں کوڑھی ہوں........."

"بکواس کرتا ہے' جھوٹ بولتا ہے' کون کہتا ہے تو کوڑھی ہے ارے کوڑھ ہوتا تو میرے وجود میں ہوتا' کوڑھ ہوتا میرے بدن میں' میرے چہرے' میری آنکھوں میں ہوتا' تو تو میرے وجود کی انتہائی گہرائیوں میں چھپا ہوا خون کا قطرہ ہے' بھلا تمہیں کوڑھ جیسی موذی شے کیسے چھو سکتی ہے۔ کوڑھی تو نہیں نادر' اگر کوئی کوڑھ ہے کسی کو تو مجھے ہو گا۔ تجھے نہیں ہو سکتا۔ کون کہتا ہے کہ تو کوڑھی ہے۔ ہیں......... بھول جا ان باتوں کو۔"

"ماں مجھ سے بچ۔"

"کیسی باتیں کر رہا ہے۔ تجھ سے بچوں گی تو پھر کائنات میں اور کیا رہ جاتا ہے نادر'

تجھ سے بچوں گی' تجھ سے بچوں گی نادر' ہیں.......... اپنا کوڑھ میرے وجود کو دے دے نادر' اپنا کوڑھ مجھے منتقل کر دے۔ سب کچھ لے لوں گی۔ تجھ سے' ماں ہوں تیری۔ تیری تکلیفیں تجھے نہیں برداشت کرنے دوں گی۔ میں جو ہوں۔ کیسے ہو گیا تجھے یہ سب کچھ' مجھے بتا۔ مجھے بتا میرے لال!"

اور میری زبان کھل گئی۔ میں نے ماں کو اپنی زندگی کی ہر مشکل بتا دی۔ ہر لمحے سے آشنا کر دیا میں نے اسے۔ واقعی ایک وہی تو تھی جسے میں سب کچھ بتا سکتا تھا۔ ایک وہی تو تھی جس کی سچائی پر مجھے یقین ہے باقی ساری دنیا جھوٹی ہے۔ خود فریب ہے۔ کوئی میرے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔ ہر شخص اپنی اپنی مرضی کے مطابق مجھے استعمال کرتا رہا تھا' لیکن ماں' ماں ہی ہے۔ میں اسے سب کچھ بتانے کے بعد اس طرح پُرسکون ہو گیا جیسے میرے بدن کا سارا بوجھ اتر گیا ہو۔

"تیرا کیا قصور ہے پگلے اس میں' تیرا کیا قصور ہے۔ تو تو ایک معصوم سا بچہ تھا۔ ایک گاؤں سے نکلا ہوا۔ دنیا سے ناواقف' تو نے کیا دیکھا تھا اس دنیا میں بھلا' کیا دیکھا تھا تو نے' لوگوں نے تجھے گھناؤنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ تیرا کوئی قصور نہیں۔ کیا یہ کوڑھ مغز نہیں جانتے؟ کیا یہ نابینا نہیں جانتے؟ اگر انہیں حقیقتوں کا علم نہیں ہے تو پھر یہ کون سی روحانیت کے علمبردار ہیں' بول' کون سی روحانیت کے علمبردار ہیں یہ' ناواقف' نا آشنا لوگ' اٹھ' میرے ساتھ اٹھ' یہ پاک ہستی جو اس مزار پاک میں موجود ہے تیری داد رسی کرے گی۔ تیرے لئے اللہ سے دعا کرے گی اور تو ٹھیک ہو جائے گا۔ کون ہے جو تجھے اس کوڑھ میں مبتلا رہنے دے گا۔ میں اس پاک ہستی سے تیری سفارش کروں گی۔ میں کہوں گی کہ میں ماں ہوں۔ چل' میں انہیں بتاتی ہوں۔ میں انہیں بتاتی ہوں کہ تیرے ساتھ کیا ہوا ہے' وہ سنیں گے۔ وہ ضرور سنیں گے۔"

"کون ماں؟"

"اس مزار کے مالک' اس پاک مزار میں رہنے والی وہ پاک روح جس کا تعلق اللہ سے ہے۔ جو اللہ کے پسندیدہ بندوں میں سے ایک ہیں' اور جس کا مزار پاک نور کی چادر میں لپٹا ہوا ہے۔ یہ نور کی چادر بے مقصد نہیں ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں۔ وہ دیکھیں گے۔ وہ .... وہ ضرور اللہ سے تیرے لئے دعا کریں گے۔ آ' میرے ساتھ چل' میں تیری سفارش کروں گی۔ ان سے۔ ماں ہوں' آہ' آہ' اٹھ' اٹھ جا' نادر اٹھ جا۔

ماں نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں کھڑا ہو گیا۔ ایک عجیب سا احساس ہوا اس طرح لگا جیسے میرے ساتھ فوج چل رہی ہو۔ بھلا اسے روکنے والا کون ہے۔ لیکن جب ہم مزار کے احاطے کے پاس پہنچے تو وہاں باریش افراد موجود تھے اور کڑی نگاہوں سے ہمارا جائزہ لے رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔

"اے بوڑھی' کیا کر رہی ہے تو' خبردار' چل یہاں سے' دیکھتی نہیں ہے ایک ناپاک وجود تیرے ساتھ ہے' جس کے سارے بدن سے تعفن اٹھ رہا ہے۔"

"وہ ناپاک نہیں ہے۔ اس پر غلاظت ڈال دی گئی ہے۔ ہٹ جاؤ' راستہ چھوڑ دو۔ یہ سب کچھ تمہارا نہیں ہے۔ اس پر میرا بھی حق ہے۔"

"تو اگر اس احاطے میں داخل ہوئی تو ہم تجھے سنگسار کر دیں گے۔"

"ارے' جاؤ' جاؤ' تم کیا سنگسار کرو گے۔ تشدد پر آمادہ ہو رہے ہو اور پرچار روحانیت کا کرتے ہو۔ ہیں' تم نے اپنے طور پر پاک اور ناپاک کا تصور کر لیا ہے۔ جانتے نہیں ہو کہ میں ماں ہوں اور میرے ساتھ میرا معصوم بچہ ہے۔ میرا بیٹا ہے اس نے کچھ نہیں کیا ہے۔ تم نہیں جانتے' تم نہیں جانتے۔ روحانیت سینے میں بسنے والی چیز نہیں ہے۔ اس کا ورود بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو مکمل نہ سمجھو' ہٹ جاؤ۔ ایک ماں کا راستہ چھوڑ دو' ورنہ جل جاؤ گے۔ سمجھ رہے ہو' اس وقت میرے اندر ممتا کے شعلے بھڑک رہے ہیں' جھلسا دیں گے تمہیں راستہ دے دو مجھے۔"

"یہ پاگل ہے۔ یہ بوڑھی پاگل ہے۔ ہٹاؤ اسے ہٹاؤ۔ یہاں سے بھگا دو۔"

"دیکھو میں گواہی دے رہی ہوں کہ میرا بچہ بے قصور ہے۔ تمہیں ماننا پڑے گی یہ گواہی۔ تم کیا جانتے ہو' ماں ہوں میں۔ میں گواہی دے رہی ہوں اور اس کے بعد' اور کچھ باقی نہیں رہتا' کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے ماں کو کیا درجہ دیا ہے۔ اپنے بعد اگر اس نے کسی کو درجہ دیا ہے اولاد کے لئے تو وہ ماں ہے اور ماں اپنی اولاد کے لئے ایک شجر سایہ دار ہوتی ہے۔ کیا تم میری شاخیں کاٹ دینا چاہتے ہو۔ ارے نابینا انسانوں ہٹ جاؤ' جب ماں یہ گواہی دے رہی ہے تو تمہیں بھلا بیچ میں بولنے کا کیا حق ہے۔ میں کہتی ہوں راستہ دے دو۔ میں جہاں جا رہی ہوں مجھے جانے دو۔ فیصلہ میرے اور اس کے درمیان ہے۔ تم کیوں ہماری راہ میں آ رہے ہو۔ ہٹ جاؤ' مجھے راستہ دے دو۔"

"ہم تمہیں اندر نہیں جانے دیں گے۔ یہ کوڑھی ہے' ناپاک ہے' غلیظ ہے۔"

"نہیں۔ میں ماں ہوں اس کی۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ یہ پاک ہے' یہ معصوم ہے' یہ فرشتہ صفت ہے' اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ماں کی آواز بند کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ سمجھ لو یہ' کیسے عبادت گزار ہو تم۔ تمہاری عبادتوں نے تمہیں کچھ نہیں دیا۔ تم اپنی آنکھوں کی بینائی تک بحال نہیں کر سکے۔ ایک ماں کا راستہ روک رہے ہو' ہٹ جاؤ' میں کہتی ہوں ہٹ جاؤ میرا بچہ بے گناہ ہے۔ میرا بچہ بے گناہ ہے۔"

رات کے پُر ہول سناٹے میں ماں کی آواز اس طرح گونج رہی تھی کہ دل دہشت سے کانپ اٹھیں۔ یہ آواز ہر ورے سے منتشر ہو رہی تھی اور قرب و جوار کا ہر پتھر میری ماں کے ساتھ چیخ رہا تھا اور وہ کہہ رہی تھی' ماں ہوں میں' مجھ سے دور رہو' میں اپنی اولاد کا تحفظ کر رہی ہوں۔ یہ کوڑھ اس کا نہیں میرا ہے۔ سمجھے' یہ کوڑھ میرا ہے۔ ارے کوڑھ چشموں یہ گنہگار نہیں۔ یہ تو میرا خون ہے سمجھے' ہاں میں گواہی دیتی ہوں کہ یہ بے گناہ ہے۔ مجھ سے بڑی گواہی ہے کسی کے پاس' ہیں۔ کیا مجھ سے بڑا گواہ ہے اس کائنات میں' ہٹو۔ راستہ دے دو مجھے۔"

"اس بڑھیا کو دھکے دے کر باہر بھگا دو۔ پاگل ہے یہ۔"

پھر وہ لوگ بڑی بڑی لکڑیاں لے آئے اور لکڑیوں سے ہمیں دھکیلنے لگے۔

"دیکھو' دیکھو ایسا نہ کرو۔ ایسا نہ کرو۔ نہ کرو۔ اگر میں نے براہ راست اس سے رابطہ کر لیا تو تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔ تم... تم شرمندہ ہو جاؤ گے' تمہیں دکھ ہوگا' تمہیں تکلیف ہوگی' کیوں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا!" ماں نے بلندی پر بنے ہوئے مزار پاک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں کو بہت دور دھکیل دیا گیا اور ہم مزار پاک میں داخل نہ ہو سکے۔ ماں نے میری طرف دیکھا اور میں نے شرمندگی سے گردن جھکالی۔

"نہیں پاگل' نہیں پاگل جو کچھ تم نے کہا ہے' اس میں ایک لفظ غلط نہیں ہے اور جو کچھ میں نے سنا ہے اس میں تیرا قصور نہیں ہے۔ دنیا تجھے گناہگار قرار دے مگر میں تمہیں بے گناہ قرار دیتی ہوں۔" پھر اس کا چہرہ آہستہ آہستہ آسمان کی جانب اٹھا اور اس نے کہا۔

"اور تو آسمان کے باسی' آسمانوں پر رہنے والے' کیا تو میری بات کی گواہی نہیں دے گا۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں' کیا میں نے اس کے بارے میں غلط فیصلہ کیا ہے؟ تو نے

تو اسے میری کوکھ میں اتارا تھا۔ ہیں' غلط کہہ رہی ہوں میں۔ میرا مان نہیں رکھے گا تو' بری گواہی نہیں دے گا تو۔ میں اس کی گواہ ہوں اور تو میرا گواہ ہے۔ بول کیا کہتا ہے؟ لے جاؤں اسے واپس۔ نفرت سے ٹھکرا دوں اسے میں' بول' بول........." اور پھر وہی گونج دار آواز فضا میں بلند ہوتی رہی۔ ماں کہہ رہی تھی جواب دے' مجھے جواب دے میرے مالک' جواب دے۔ اور پھر جو کچھ ہوا اس کا کوئی تصور میرے ذہن میں نہیں ہے۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا' کھلا شفاف آسمان تھا۔ تارے چمک رہے تھے۔ چاند نکلا ہوا تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد چاند چھپ گیا۔ تارے شرمندہ ہو کر روپوش ہو گئے۔ گہرے بادلوں نے آسماں کو ڈھانپ دیا اور پھر مدہم مدہم بوندا باندی شروع ہو گئی۔ یہ بوندا باندی آہستہ آہستہ موسلا دھار بارش میں تبدیل ہو گئی۔ میں اپنی ماں کے ساتھ اس بارش میں کھڑا بھیگ رہا تھا۔ اور ماں چیخ رہی تھی۔

"رحم مل گیا ہے۔ مان مل گیا ہے مجھے۔ دیکھنے والو دیکھو' دیکھ لو' میری آواز آسمانوں تک پہنچ گئی ہے۔ دیکھو لو' دیکھ لو۔" بادل برستے رہے' اور اس سے پہلے جب بھی میرے زخموں پر پانی پڑتا تھا ان زخموں میں تکلیف ہوتی تھی لیکن یہ آبِ حیات تھا' جو میرے وجود کی غلاظتوں کو دھو رہا تھا۔ ہاں مجھے میری ماں کی سفارش حاصل ہو گئی تھی۔ آسمانوں سے میرے لئے رحم برس رہا تھا اور میرے بدن کا کوڑھ اس پانی سے دھل رہا تھا۔

آپ شاید میری بات پر یقین نہ کریں۔ کہ جب سورج کی پہلی کرن زمین پر اتری تو میرا بدن صاف شفاف ہو چکا تھا۔ میرے بدن پر کوڑھ کا ایک نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ میری ماں کی دعاؤں نے میرے زخموں کو مرہم عطا کر دیا تھا اور ماں کی خوشیوں کی انتہا نہ تھی۔ وہ اس اعتماد اور یقین کے ساتھ مجھے دیکھنے لگی جیسے اسی کی توقع اسے تھی۔ پھر وہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔

"اور میں انہیں اب بھی شرمندہ نہیں کرنا چاہتی نادر' جنہوں نے میری بات کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ آ بیٹے آ' چل' یہاں سے چلیں' کیا فائدہ ان کوڑھ لوگوں کی بستی میں رہنے سے۔ جن سے رابطہ تھا اس کی دعائیں مل گئیں ہمیں' ہیں' اس نے دعا کی ہمارے لئے' اور اللہ نے ہم پر رحم کیا۔ آ بیٹے واپس چلتے ہیں۔ دنیا بہت وسیع ہے۔ کہیں کوئی گوشہ اپنا لیں گے۔ کوئی بھی ایسی جگہ ہمیں مل جائے گی جہاں میں تیرے ساتھ زندگی کے

بقیہ لمحات گزاروں گی۔ تو کیا سمجھتا ہے۔ ارے مرنے سے پہلے تجھے دیکھنے کی آرزو کی تھی اور اب تو میرے ساتھ ہو گا۔ اس وقت تک جب آسمانوں سے میرا بلاوا نہ آجائے۔"
میں نے ماں کا ہاتھ پکڑا اور ہم دونوں خاموشی سے واپس پلٹ پڑے۔

O-----------------O

جو کچھ ہوا تھا وہ باعث حیرت نہیں تھا۔ پہلے شاید کبھی سوچا بھی نہیں تھا' اب بڑا اعتماد تھا اپنی ماں پر.......... وہی ماں تھی یہ جس سے ضرورت کی ہر فرمائش کرتا تھا.......... وہی میری ہر فرمائش پوری کرتی تھی.......... باپ سے تو ہوش کا بہت کم واسطہ رہا تھا۔

ہم اس مزار پاک سے بہت دور نکل آئے تھے۔ ماں میرے ساتھ چل رہی تھی۔ میں تھکن محسوس کر رہا تھا۔ لیکن ماں کے انداز میں بڑی پامردی تھی' پھر ایک بستی نظر آئی اور میرے قدموں کی رفتار سست پڑ گئی۔

"کیا ہم یہاں رک جائیں..........؟"

"ایں.......... ہاں تم تھک گئے ہو گے۔ ماں نے کہا۔ اور میں مسکرا دیا.......... ماں میری تھکن کے بارے میں سوچ رہی تھی.......... اسے اپنی عمر' اپنی تھکن کا احساس نہیں تھا۔

چھوٹی سی بستی کے ایک گوشے میں ہم نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے پناہ حاصل کی۔ ہمیں بیٹھے ہوئے ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ دو آدمی ہمارے پاس آگئے انہوں نے سلام کیا اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"مسافر ہیں آپ؟"

"ہاں بھائی۔ بس ایک رات یہاں گزاریں گے.......... صبح کو چلے جائیں گے۔"
ماں نے کہا۔

"نہیں نہیں.......... یہ مطلب نہیں ہے۔ آپ اللہ کی رحمت ہیں ہمارے لئے بستی کا ہر گھر آپ کے لئے کھلا ہے۔ جس گھر میں قدم رکھیں گی اس کی عزت بڑھ جائے گی لیکن مسجد کے مولوی صاحب نے آپ کو اذان کے مینار سے دیکھ کر ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اور کہا ہے کہ آپ کو بصد احترام لے آئیں۔"

"کہاں..........؟" ماں نے پوچھا۔

"آیئے۔"

ماں نے مجھے اٹھنے کے لئے کہا۔ اور میں اٹھ گیا۔ کچھ فاصلے پر مسجد نظر آرہی تھی۔ لیکن میرا ہر قدم خوف سے بھرپور تھا۔ کیا مجھے مسجد میں داخل ہونے دیا جائے گا؟ مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا۔ کسی نے نہ روکا۔ اندر داخل ہوا تو آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ہمیں ایک حجرے میں پہنچا دیا گیا۔ میں نے کہا۔

"ماں.......... میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی وقت نہیں ہوا۔"

"میں سجدہ شکر کرنا چاہتا ہوں۔"

مجھے نماز نہیں آتی تھی۔ وضو کیا اور سجدے میں گر گیا۔ سب کچھ مل گیا تھا۔ کھویا ہوا وقار واپس مل گیا تھا۔ آہ کائنات میں مجھے بھی جگہ مل گئی تھی۔

مسجد میں ہماری بہترین تواضع کی گئی۔ کافی وقت یہاں گزرا۔ اس دوران میری سوچ کا عمل بھی جاری رہا۔ کچھ فیصلے کئے۔ حکمت یاد آیا تھا۔ میرا بہترین دوست تھا۔ وہ ہمیں ضرور خوش آمدید کہے گا۔

یہی ہوا' حکمت نے مجھے دیکھا۔ فرط مسرت سے دیوانہ ہو گیا۔ مجھ سے لپٹ گیا۔ اس کا پورا خاندان وہاں آچکا تھا۔ حکمت ایک بہترین کاروباری بن چکا تھا۔ ماں کو اس نے اپنی ماں کا درجہ دیا۔ ہمارے لئے یہاں سب کچھ تھا' چنانچہ اس طرح ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ جو ہر طرح خوشگوار تھی۔ یہ تردد بھی دور ہو گیا تھا۔ سوائے ایک خلش کے.......... یہ گوہر کی یاد تھی۔ کون جانے زندگی کے کس موڑ پر وہ دوبارہ مل جائے۔ اسے صرف یہ پتا چل جائے کہ مولوی وصال الدین کا قاتل میں نہیں تھا۔ اور بس.......... شاید میری یہ آرزو بھی کبھی پوری ہو یا نہ ہو۔

O--------ختم شد--------O